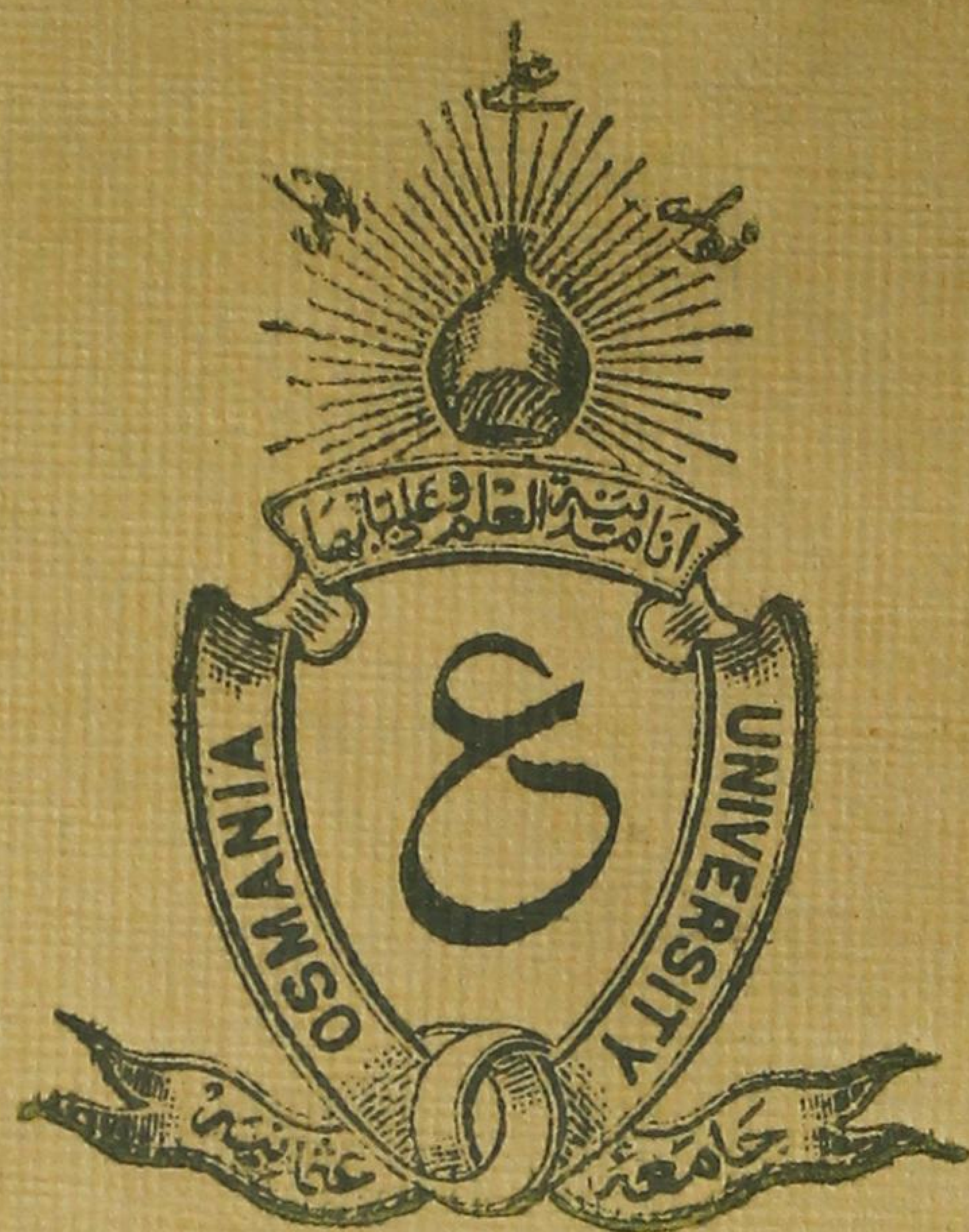






تاریخ سیاسیات



سلسلۂ نصابیاتِ علمیۂ جامعۂ عثمانیہ

تاریخ سیاسیات

مُصنّفہ

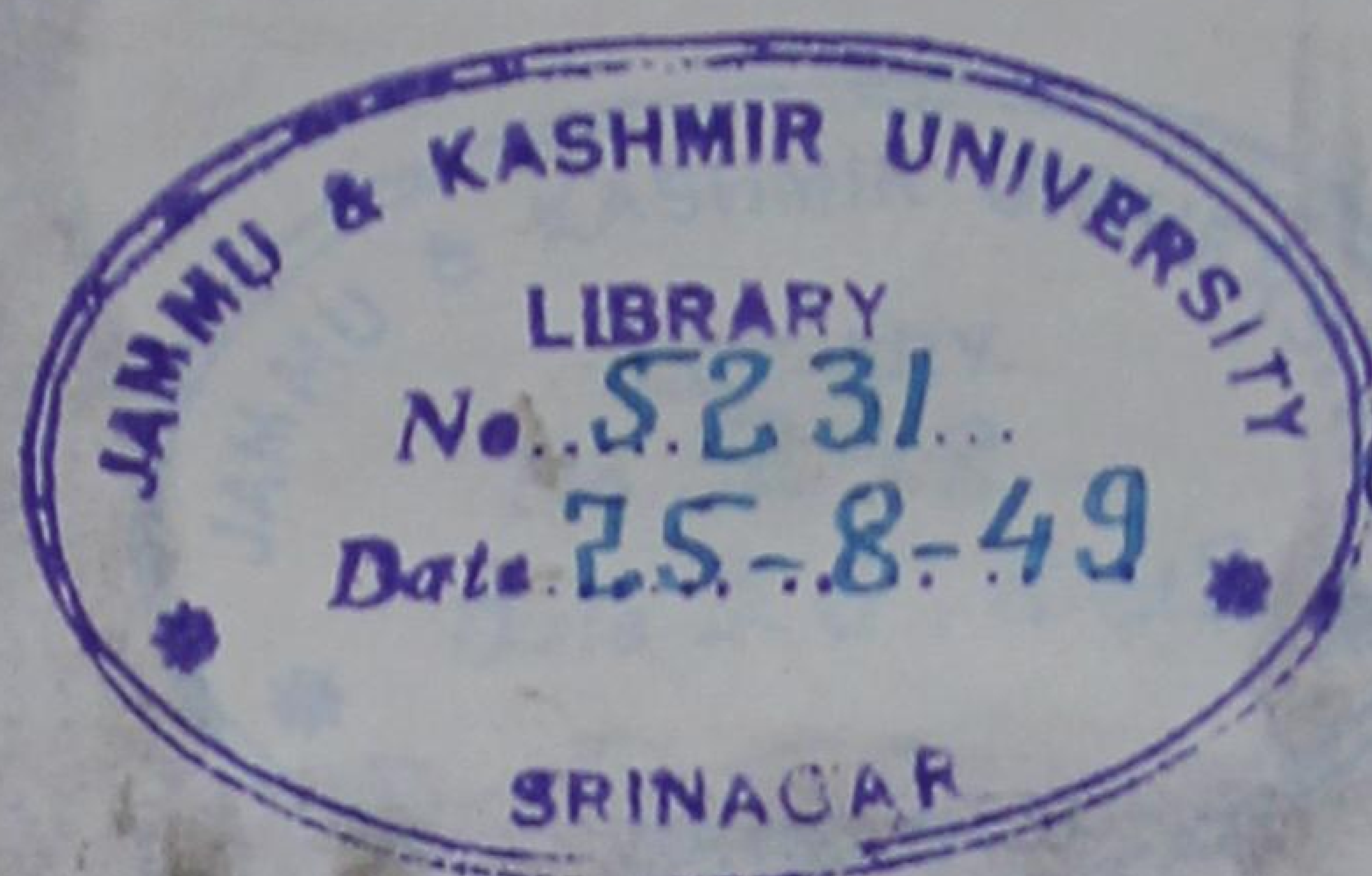
پروفیسر اڈورڈ جنکس ایم۔ اے
جامعۂ آکسفورڈ

مُترجمہ

مولوی محمد عبد القوی صاحب فانی ایم۔ اے (علیگ)

۱۳۴۴ھ م ۱۳۳۴ف م ۱۹۲۵ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکارِ عالی حیدرآباد دکن



فہرست مضامین

تاریخ سیاسیات (جنکس)

نمبر شمار	نشان ابواب	مضمون	از صفحہ	تا صفحہ
۱	۲	۳	۴	۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیاسیات کی مختصر تاریخ

تمہید

باب ۱

معاشرہ کے نمونے

سیاسیات

سیاسیات سے ہمارا مطلب کاروبار حکومت ہے، یعنی اون لوگونکو قابو میں رکھنا اور اونکا انتظام جو باہم معاشرہ رکھتے ہوں، بھر معاشرہ ایک گروہ یا اجتماع مردمان ہے جو کسی مشترکہ "اصول" یا "مقصد" سے باہم وابستہ ہوں۔ ایک محض اتفاقی مجمع "معاشرہ" نہیں ہے، اوس کی کوئی معین غرض و مقصد نہیں ہے، وہ کسی فوری خیال سے جمع ہوتا ہے اور منتشر ہوجاتا ہے اور اسکے ارکان ایک دوسرے کے متعلق کوئی فرائض تسلیم نہیں کرتے ہیں نہ اوس کی کوئی تاریخ ہے۔

معاشرہ

"معاشرے" بہت اقسام کے ہیں، اونکا وجود مذہبی اغراض، تجارتی منفعت، تفریح طبع، تعلیم، یا بہت سے دلنشین مقاصد کے لئے ہوسکتا ہے۔ مذہبی معاشرہ کا عمدہ نمونہ گرجا کا ایک عام مجمع مصلیان یا تبلیغی انجمن۔ تجارتی معاشرے کی ایک عام تجارتی کمپنی، تفریحی جماعت کا کوئی کلب، تعلیمی جماعت کا کوئی کلیہ، یا جامعہ ہوسکتا ہے۔ اور کسی ایسے معاشرے یا جماعت کا نظم و نسق لغوی معنی میں ایک "شعبہ سیاسیات" خیال کیا جاسکتا ہے مگر اس میں سہولت ہوگی، کہ لفظ "سیاسیات" کو ایسے معاملات کیلئے محفوظ رکھا جائے جنکا تعلق کسی خاص اور بہت ضروری قسم کی جماعتوں سے ہو، یعنی وہ جماعتیں جو کسی "مخصوص" یا "محدود" غرض کے لئے نہ بنی ہوں بلکہ جن کا ارتقا قریب قریب خود بخود ہوا ہو، "تاریخ انسانی" کا ایک جزو ہوں اور جو اوسکے "عام" مصالح سے تعلق رکھتی ہوں۔ قاعدہ کلیہ ہے کہ لوگ ان معاشروں میں رہتے ہیں، اسوجہ سے نہیں کہ وہ رہنا پسند کرتے ہیں، بلکہ اسوجہ سے

کہ وہ اون میں پیدا ہوے ہیں، اور ابھی تھوڑے دن گذرے کہ اون کو بخوشی خاطر تبدیلی جماعت کی اجازت نہیں تھی۔ اعلیٰ ترقی یافتہ صورت میں ہم ان جماعتوں کو مملکت کا لقب دیتے ہیں۔ برطانیہ عظمیٰ، فرانس، ہالنیڈ، جرمنی، ہسپانیہ، روس وغیرہ واقعی مملکتیں ہیں اور یہ مملکتیں "سیاسیات" کا (زمانۂ حال کی اصطلاح کے مفہوم میں) مناسب موضوع ہیں۔ مگر جب ہم اُن کی "تاریخ" کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ہم کو معلوم ہوتا جاتا ہے کہ یہ جماعتیں بالکل جداگانہ قسم کی معاشرتوں سے جن کی تنظیم ہی مختلف اصولوں پر تھی، بتدریج نشو و نما پاکر بنی ہیں۔

زمانۂ حال کے معاشری گروہ

جدید نمونہ کی معاشرتیں جس اصول سے آجکل باہم منسلک ہیں وہ فوجی وفاشعاری یا "اطاعت" کا رشتہ ہے۔ جن مملکتوں میں جبریہ یا عالمگیر فوجی خدمت جاری ہے، اون میں یہ اصول بہت نمایاں ہے؛ سنگین سے سنگین سیاسی جرم اگر کوئی فرانسیسی یا جرمن کرسکتا ہے، تو وہ فوجی خدمت سے جان چرانا، اور امکانی طور پر بدتر اپنے ملک کے خلاف فوجی خدمت میں شرکت کرنا ہے مگر برطانیہ عظمیٰ میں بھی جہاں جبریہ فوجی خدمت کی رسم نہیں ہے فی الحقیقت یہی رشتہ ہے۔ یہ بات تو سچ ہے کہ شاہ انگلستان اس بات کا حق رکھتا ہے کہ بوقت ضرورت اپنے وزراء کے توسط سے رعایا کی ہر جنس ذکور کو فوجی خدمات انجام دینے کیلئے طلب کرسکتا ہے، اور اگر کوئی انگریزی رعایا اپنے ملک کے خلاف جنگ کرتا ہوا گرفتار ہوجائے تو وہ بجرم غدّاری سزائے موت کا مستوجب ہوگا۔ مگر معاشرہ کی قدیم صورت میں جس کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے، سلسلۂ موانست فوجی وفاشعاری نہیں تھا بلکہ رشتہ داری، کفو یا تعلق خاندانی کا تھا جو اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں تو واقعی خون کے رشتہ پر مبنی تھا مگر بعد میں مصنوعی طریقوں سے وسعت پذیر ہوگیا۔ ایسی جماعت میں رہنے والوں کے اندر کسی غیر کا شامل ہوجانا نہایت مکروہ معلوم ہوتا تھا۔ محض یہ واقعات کہ یہ اجنبی اون کے ہمسایہ تھے، یا معاشرۂ مذکورہ کیساتھ تجارت کرتے تھے یا ان کی جنگوں میں شرکت کرنے پر رضامند تھے، اس قسم کی جماعتوں کے نزدیک ان کو اپنے اندر شامل کرنیکی کوئی دلیل نہیں تھی۔ اس اصول پر دنیا بھر میں بہترین انتظام یافتہ جماعت فی الحقیقت یہودیوں کی ہے جو باوجود تمام دنیا میں منتشر ہونیکے کم از کم

اصولاً تو اپنے قبائلی یا فرقہ کی تنظیم کو ابھی تک اوسی طرح قائم رکھتی ہے۔ قدیم رومن تاریخ میں پٹریشین[۱]
اور پلیب کی جنگوں کی تہہ میں کبھی یہی خیال جاگزیں تھا اور ممکن ہے کہ اسی قسم کی کوئی
بات نامعلوم طور پر ان فسادات کی جڑ میں بھی ہو جو ملک ٹرانسوال میں بوئروں اور
غیر ملکیوں کے درمیان رونما ہوئے تھے۔ نارمنوں کی فتح سے قبل ویلز اور آرستان
والے اور دو تین صدی پیشتر اسکاٹلینڈ کے کوہستان والے بھی بے شبہ اسی نمونہ کی جماعتوں میں
رہا کرتے تھے جنکو ہم قبائلی یا آبائی جماعتیں کہہ سکتے ہیں۔

قدیم تر زمانہ کے گروہ

ابھی تھوڑے زمانہ تک یقین کیا جاتا تھا کہ یہ آبائی نمونہ جماعت انسانی
قدیم ترین نمونہ ہے۔ تاریخ معاشرہ پر خیال آرائیاں کرنے والے
"خاندان آبائی" سے شروع کرکے زمانہ حال کی مملکت تک پہونچتے تھے۔ لیکن اس صدی کے آخری نصف
زمانہ میں جو نہایت درخشاں اکتشافات ہوئے ہیں، اون سے یہ بات ہم پر منکشف ہوئی ہے
کہ اس سے بھی زیادہ قدیم زمانہ کی معاشرہ انسانی کا نمونہ موجود ہے، جس کا جہاں تک ہمارا
علم ہے، کسی ہر دلعزیز اور مقبول کتاب میں تذکرہ نہیں کیا گیا، اور جس کو اگر آسان سے
آسان زبان میں بھی لکھا جائے تب بھی اوسکا تصور بمشکل قایم ہو سکیگا۔ وہ نہایت دلچسپ
ہے کیونکہ ایکطرف تو اوس سے علمی تاریخ کی قلمرو میں ایک پورے شعبے کا اضافہ ہوتا ہے، دوسرے
اوس سے وہ نقش قدم نمایاں ہوتا ہے جس پر چلکر انسان نے آگے اور ارفع قدم رکھا۔ فی الحال
اوس نمونہ کی مفصل کیفیت اسقدر کم معلوم ہے کہ کوئی صحیح مختصر حال بیان نہیں کیا جا سکتا
مگر ان وفادار طالبعلموں کی محنتوں اور جانکاہیوں کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے جنھوں نے معاشرہ
انسانی کے اس نمونہ کا اوس کے چند باقیماندہ آثار میں معاینہ کرنیکی غرض سے تکالیف و مصائب
برداشت کیں، اور اب اونکے نقش و نگار کسی قدر خوبی کیساتھ واضح ہو گئے ہیں۔ بدقسمتی سے ہم
کوئی ایسا اچھا نام معلوم کرنا بہت مشکل ہے جس سے اس نمونہ کو ممیز کیا جا سکے، اوسکا اصطلاحی نام
"توتمی"، عام استعمال کیلئے نہایت پیچیدہ اور ممتنع العمل ہے، غالباً اوسکو "ابتدائی" نمونہ کہنا نہایت
اچھا ہوگا۔ اگرچہ یہ امر صاف طور پر ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اس اصطلاح میں کسی قسم کی حقارت
یا اعتراض نہیں ہے، اسکا مفہوم محض یہ ہے کہ نمونہ مذکور نہایت "قدیمی" یا محض "ابتدائی" ہے۔

[۱] - وہ جنکو "پاتر" یعنی مورث اعلے کا علم ہو۔

اب ہمارے سامنے معاشرت انسانی کے تین تاریخی نمونے ہیں یعنی "ابتدائی" "آبائی یا پدرسری" اور "فوجی" (زمانۂ حال کی اصطلاح "سیاسی" کے بجائے) اور ہماری اس کتاب کا مقصد یہ ہوگا۔ کہ اون میں سے ہر ایک نمونہ کو یکے بعد دیگرے بیان کریں قدیم ترین زمانے سے شروع کریں اور حتی الامکان یہ بات ظاہر کرتے جائیں کہ ایسے کیا اسباب ہوئے جنکی وجہ سے جماعات انسانی پُرانی صورتیں چھوڑ کر نئی نئی وضع اختیار کرتی گئیں۔ اس کام میں ہم کو خاص خاص جماعتوں کی تاریخیں بیان کرنا نہیں پڑیں گی، یہ کام اسی سلسلہ کے دیگر مصنفیں کا ہوگا۔ مگر ہم جماعتوں کے نشو و نما کا ایک طبعی راستہ معلوم کرنیکی کوشش کرینگے یعنی وہ راستہ جس پر چلنے کا ہر جماعت انسانی کا رجحان ہوتا ہے، تاوقتیکہ خاص خاص حالات اوس کو اپنے اس فطری یا قدرتی راستہ سے منحرف نہ کردیں اس قسم کی مساعی کا مضحکہ اوڑانے کی آجکل ایک وضع ہوگئی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ "عام خیالات" مخدوش ہیں مگر اس کے ساتھ ہی تخصیص میں بھی خطرہ ہے۔ اور جو شخص صرف خوردبیں سے کام لیتا ہے وہ اون خزانوں سے متمتع نہیں ہوسکتا جنکا انکشاف دوربین سے ہوتا ہے۔ مطالعہ کرنے کا یہ نہایت دانشمندانہ نظریہ ہے کہ "ہر شئے کا کچھ نہ کچھ اور بعض شئے کا سب کچھ جانے"۔

ہمارا نقشۂ عمل

لیکن ہم اگر اس قسم کا قصہ بیان کرنا شروع کریں تو یہ صاف ظاہر ہے کہ پہلے ہم کو کوئی چیز بطور نقشۂ عمل قائم کرلینی چاہئے۔ عالمگیر تاریخ کے واقعات کے دریا میں اندھا دھند کودنے سے سوائے ناکامی اور کچھ حاصل نہ ہوگا ہم کونسا راستہ اختیار کریں کہ ہم اس گنجان جنگل سے پھر سلامت نکل آئیں؟

اوارات

ہر جماعت کی تاریخ کا ایک بڑا حصہ ایسا ہوتا ہے جسکی نسبت معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اپنے مستقل تاریخی آثار چھوڑے ہی نہیں ہیں، مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ نتایج موجود ہوتے ہیں اور وہ اسقدر موہوم اور اسقدر دقیق ہوتے ہیں کہ اونکا بیان کرنا مشکل ہوتا ہے علاوہ ازیں جماعت کی تاریخ کے دوسرے حصہ کے اثرات اون مستقل اور مرئی نتایج کی صورت میں صاف نظر آتے ہیں جو وہ خود جماعت پر چھوڑ جاتا ہے؛ ان نتایج کو ہم "اوارات" کہتے ہیں یعنی وہ کلیں جنکے ذریعہ سے جماعت کا کاروبار چلایا جاتا ہے۔ غالبًا یہ بہتر ہوگا کہ ہم اونکو "اعضائے جماعت"

یعنی اوسکے "ہاتھ پاؤں" کہیں کیونکہ وہ قدرتی ارتقا ریافتہ چیزوں سے بہ نسبت مصنوعی کے زیادہ مشابہ ہیں، وہ معاشرتی جسم میں ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے "قدرتی جسم" میں "اعضاء" یعنی وہ آلات جن کے ذریعہ سے جسم انسانی کا کام مثلاً جذب، ہضم، مدافعت، حملہ وغیرہ، انجام پاتے ہیں اور اسی لئے ہم استعارۃً لفظ "عضویت" استعمال کرتے ہیں تاکہ معاشرتی جسم یا جماعت انسانی کے ادارات کے نشو و نما کا بیان کریں۔

ادارات کی نسبتی اہمیت

جس قدر "قدرتی جسم" کے لئے اعضاء یا ہاتھ پاؤں وقعت رکھتے ہیں، اوس سے زیادہ معاشرتی جسم کیلئے فی الحقیقت یہ "ادارات" رکھتے ہیں۔ دونوں میں فی الحقیقت اہم ترین چیز اوس ناقابل تشریح شئے کا وجود ہے۔ جسکو ہم "حیات" یا جان کہتے ہیں اور چونکہ ابتک کوئی شخص قدرتی جسم کے اندر بھی اس کی تشریح کرنے میں کامیاب نہیں ہوا کہ جان کیا شئے ہے، اوس سے زیادہ ناکامیابی معاشرتی جسم کی جان کی توضیح کرنے میں ہوئی ہے۔ لہذا ہمارے لئے یہی دانشمندی ہوگی کہ "معاشری ادارات" کا اس طرح بیان کریں جس سے ہم حتی الامکان یہ ظاہر کرسکیں کہ وہ کسطرح پیدا ہوئے کسطرح نشو و نما پائی، اور کسطرح بتدریج تغیر پذیر ہوکر آخر اونھوں نے وہ صورت اختیار کرلی جسمیں ہم اون کو بحالت موجودہ جانتے ہیں۔ چونکہ ہر پوری طرح سے نشو و نما یافتہ جماعت میں مختلف قسم کے ادارات ہوتے ہیں مثلاً سیاسی، صنعتی، حرفتی، مذہبی، تعلیمی وغیرہ جن میں سے ہر ایک کا بیان کرنا ناممکن ہوگا، لہذا ہمکو صرف یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کتاب کا موضوع "سیاسیات" ہے اور محض یا خاص طور پر اونھی ادارات کا تذکرہ کرتی ہے جنکا تعلق براہ راست کاروبار "حکومت" سے ہے۔ چنانچہ ہماری تصنیف کا یہی نقشہ عمل ہوگا کہ حتی الامکان مختصراً اور واضح طور پر ادارات حکومت کی ابتدا اور اوسکے نشو و نما کا بیان کیا جائے۔

نمونہ نمبر (۱) وحشی معاشرت

باب ۲

وحشی جماعت کی ترکیب اور عضویت

وحشی لوگ

باوجود اوس مسلسل ترقی پذیر میل جول کے جو دنیا کے دور افتادہ مقامات سے پیدا ہوتا جاتا ہے:۔ اور تجارت کے مدنیت خیز اثر کے اب بھی دنیا میں بہت سی قومیں رہتی ہیں جو ہنوز قدیم ترین یا وحشیانہ حالت میں ہیں:۔ ان اقوام میں جزائر اندمان واقع خلیج بنگالہ کے باشندے، مدراس کے کوہستانی قبائل، اڑیسہ کے جوانگ، لنکا کے ودہا، آفریقہ کے جنگلی (بشمین) اور عقبہ کو نوزیڈ و واقع شمالی امریکہ کے انڈین، وسطی امریکہ کے کارب، جنوبی امریکہ کے اہل برازیل، جزیرہ بورنیو کے دیاک اور جزیرہ گرین لینڈ کے اسکیمو شامل ہیں۔ فان ڈیمن لینڈ کے تسمانی، جو ابھی حال ہی میں نیست و نابود ہو گئے ہیں، خالص وحشت کے مکمل نمونہ تھے۔ مگر سب سے زیادہ بہتر مثالیں، آمیزش سے بہت دور اور جن کا حال ہی میں عالمانہ مطالعہ کیا گیا ہے، آسٹریلیا کے قدیم باشندے ہیں جو اوس وسیع براعظم کے وسط اور شمال میں ابھی تک بالکل اچھوتے اور دوسروں سے قطعی غیر مانوس آزادانہ گشت لگاتے پھرتے ہیں۔ اونکی تعداد بہت زیادہ ہے اور اگرچہ اون کی قسمت میں عنقریب ہی نیست و نابود ہو جانا لکھا ہے، مگر وہ ابھی تک اپنے قدیم رسم و رواج اور جماعتی ترکیب کے کامل طور پر پابند ہیں۔ طلبہ کی ایک پشت کی قابل تعریف مساعی جمیلہ کی وجہ سے جن میں سربرآوردہ مسٹر اے۔ ڈبلیو ہوٹ، پادری لاریمر فیسن، پروفیسر بالڈون اسپنسر اور مسٹر گلن ہیں جنھوں نے صحرائے آسٹریلیا کی تکالیف شاقہ کا نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور مسلسل ملاطفت آمیز سلوک کر کے وحشیوں کا اعتماد حاصل کیا اور اون کے دل میں گھر کر لیا۔ ہم اب اس قابل ہو گئے ہیں کہ

وحشیانہ اوقات کا ایک حد تک صحیح خیال قائم کر سکیں۔ اگر ہم ان حالات میں مسٹر لوئس موگن
آنجہانی کے مطالعات جنہوں نے امریکہ کے اصلی باشندوں میں ایسی قوم دیکھی جو وحشی
درجہ سے گذر کر آبائی معاشرت کے احاطہ میں قدم رکھ چکی تھی، بطور ضمیمہ شامل کر لیں
تو خوب استفادہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ صاحب موصوف کی کتاب "معاشرۂ قدیمہ"
(Ancient Society) ایک دن آنیوالا ہے۔ کہ اونیسویں صدی کی ایک عظیم الشان
علمی تصنیف تسلیم کیجائیگی۔

وحشی زندگی

باشندگان آسٹریلیا کی زندگی کا عملی پہلو سلسلہ منفیات میں نہایت
عمدہ بیان کیا جا سکتا ہے۔ یہ وحشی نہ زمین کی کاشت کرنا جانتے ہیں
نہ بھیڑ بکری یا مویشی پالنا۔ ان کا ایک ہی پالتو جانور (اگر اوس کو بھی پالتو کہا جا سکے) کتا ہے۔
درخت کی شاخوں کی بیڈھنگی جھونپڑی سے زیادہ اون کے ذہن میں مکان کا خیال
نہیں آتا۔ زیادہ تر یہ لوگ غاروں میں رہتے ہیں یا درختوں کے تنوں اور چٹانوں سے
درختوں کی چھال تانکر اوس کے نیچے پناہ لیتے ہیں۔ جنگل کے کم یاب شکار اور زمین
کی قدرتی پیداوار کے سوائے اون کی کوئی غذا نہیں ہے۔ آگ روشن کرنیکا بہت ہی قدیم
طریقہ اونکو معلوم ہے مگر کھانا پکانیکا ڈھنگ نہایت ابتدائی۔ فلزات سے کام لینا،
پیٹ کر یا ڈھالکر وہ بہت ہی کم جانتے ہیں (وہ آہنی تو ہا ہا ک" یا تبر جس کا حال ہی میں
رواج ہوا ہے تبادلہ کی چیز ہے جو وہ لوگ بالعوض قدرتی پیداوار کے کسی قسمت آزما
حوصلہ مند مسافر سے خرید لیتے ہیں۔ قدیم زمانہ کے ہتیار سنگی:۔ تبر و چقماق کی سنان
والے بھالے برچھے اور چوبی "بومیرنیگ" یا پھینک کر مارنیوالی لکڑی ہیں۔ آسٹریلیا
کے قدیم باشندوں کی روایات اوس قدیم ترین زمانہ تک پہونچتی ہیں جب
انسان نے "دور حجری" میں بھی قدم نہ رکھا تھا اور جب جسم انسانی پر بھی اگر عمل
جراحی کیا جاتا تھا تو جھلسی ہوی لکڑی سے۔ چھال کی بنی ہوئی "بچی" یا ٹوکری اور
وہ لکڑی جس سے عورتیں کھودتی ہیں، یہی قریب قریب صرف دو چیزیں نظر آتی ہیں
جنکو "اوزار" کہا جا سکتا ہے، ان لوگوں کا لباس محض آرائشی ہوتا ہے؛
اس میں بعض آرائشی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو درحقیقت مذہبی رسوم میں کام آتی ہیں
ورنہ معمولاً تو وہ مادر زاد برہنہ ہوتے ہیں۔ اون کی اس ذلیل زندگی کا نفرت انگیز اور

مگر وہ رنگ ڈھنگ جو اون کو ہر وقت فاقہ کشی کے منہ میں رکھتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرنہا قرن سے یونہی چلا آتا ہے۔ یہ بھی خوب معلوم ہو چکا ہے کہ آسٹریلیا کے حیوانات اور درخت بھی بالکل قدیم طرز کے ہیں۔ ماہرین علم الحیوانات اور خواص الاشیاء نے آسٹریلیا کے دریاؤں اور جنگلوں میں ایسی صورت کے جانور اور درخت معلوم کئے ہیں جو دنیا کے دیگر اقطاع میں کبھی کے معدوم ہو چکے۔ اور چونکہ اس بات کی قطعی کوئی شہادت نہیں ہے کہ زمانۂ تاریخ معلومہ میں آسٹریلیا کا دیگر ممالک سے کچھ تعلق رہا ہو؛ اور واقعی تین صدی پیشتر آسٹریلیا ایک بالکل غیر معلوم سرزمین تھی، اس لئے ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ یہاں کے لوگ اپنی موجودہ حالت میں ہزاروں سال سے یونہی زندگی بسر کرتے چلے آتے ہیں۔ ان لوگوں کے جمود کا اصلی سبب بے شبہ اون کی دنیا بھر سے علیحدگی ہے۔

وحشی ادارات

اگر باشندگان آسٹریلیا کی زندگی کے غیر مادی پہلو کا مطالعہ کیا جائے تو ہمارے اس خیال کی کامل تصدیق ہوتی ہے۔ اگرچہ بظاہر اون کے وحشیانہ رسم و رواج اور دستور و آئین بھدے اور ابتدائی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر اون کی تفصیلی باریکیاں اور رسمی پیچیدگیاں "قدامت کی ایک عظیم مگر غیر قلم بند تاریخ کیطرف اشارہ کرتی ہیں۔ جب ہم اوس خوف و دہشت کا خیال کرتے ہیں جو ہر نئی بات سے وحشیوں پر طاری ہوتی ہے۔ خصوصاً مذہبی معاملات میں تو ہمکو لازمی طور پر یہ خیال کرنا پڑتا ہے کہ وہ دقیق رسوم، جو میسرز اسپنسر اور گلن کی قیمتی کتاب میں درج ہیں؛ اپنی دقیق تفصیلات کی تکمیل میں صدیوں نہیں بلکہ ہزاروں برس کا کام ہونگی۔ ہم زیادہ یقین کیساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اونمیں دفعتاً کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تھا بلکہ تمام رسوم کے اندر دقیق تفصیلات تھوڑی تھوڑی تدریج داخل ہوئی تھیں۔ اس مقام پر ہم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اون کی نمایاں خصوصیات بیان کر دیں۔

قبیلہ یا غول

عام طور پر قاعدہ ہے کہ جب آسٹریلیا کے اصلی باشندوں اور دیگر وحشیوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ "قبائل" میں رہتے ہیں مگر اس اصطلاح سے نہایت غلط فہمی واقع ہوتی ہے، کیونکہ، لفظ "قبیلہ"

سے ہمارے ذہن میں ہمیشہ یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ وہ لوگ ایک دادا کی اولاد ہونگے
یا کم از کم قریبی رشتہ آبائی رکھتے ہونگے مگر اب ہم دیکھینگے کہ ارتقائے تمدن انسانی کا
ایک نہایت اہم درجہ ہوتا ہے جس میں ایک مورث اعلیٰ کی اولاد میں ہونا طوطم و ترکیب جماعت
میں سب سے بڑا حصہ لیتا ہے مگر فی الحقیقت آسٹریلوی قبیلہ وحشی زندگی میں کوئی ایسا اہم حصہ نہیں لیتا کم از کم معاشرتی
پہلو سے اون کی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باہم ملکر شکار کھیلنے والوں کا ایک عام غول بنا لیتے ہیں جو بہ تلاش
خوراک فرقہ وار جماعت کا ایک مشترک العمل گروہ ہوتا ہے۔ اصل میں اسکو "غول" کہنا
زیادہ اچھا ہے۔ کیونکہ یہ اجتماع بہ نسبت ایک معاشرتی جتھے کے شکاری جتھے سے زیادہ
مشابہ ہے جس قدر شکار دن بھر میں ہوتا ہے اوس میں حصہ لینے کے سب ارکان
جماعت حقدار ہوتے ہیں اور یہ بات قدرتی ہے کہ وہ ایک ہی جگہ پڑاو ڈالکر باہم ملکر
رہتے ہیں۔ مگر اور باتوں میں وہ قرب و جوار کے دیگر گروہوں سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔
برخلاف اس کے وہ ایک دوسرے سے اکثر ملتے رہتے ہیں اور تمام آسٹریلیا کے وسیع
رقبہ پر اون میں ایک قسم کی معاشرتی فری میسنی (Freemasonry) پھیلی ہوئی ہے۔

طوطم گروہ

آسٹریلیا والوں کی معاشرتی اکائی فی الحقیقت "قبیلہ" نہیں ہے
بلکہ طوطم گروہ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ لفظ طوطم آسٹریلیا
کی زبان کا نہیں ہے مگر عام طور پر اسکو ایک ادارہ کا نام مانا جاتا ہے جو قریب قریب
دنیا بھر کے وحشیوں میں پایا جاتا ہے طوطم گروہ اصل میں آدمیوں کی ایک جماعت ہے جو
کسی قدرتی چیز کے نشان سے پہچانی جاتی ہے۔ جیسا کہ جانور یا درخت، اور جسکے
افراد ایک دوسرے کے یہاں شادی نہیں کرتے۔ بعض صورتوں میں طوطم گروہ
کی رکنیت کا تصفیہ کسی قاعدہ توریث سے کیا جاتا ہے اور یہ بات عام طور پر
عورتوں میں ہوتی ہے۔ مگر آسٹریلیا والوں میں نوزائیدہ بچوں (بعض صورتوں میں)
یا جنین کے لئے بھی مشائخ قوم کوئی خاص طوطم مقرر کر دیتے ہیں اور اس ترکیب
کی صورت انتہائی قدامت لئے ہوئے نظر آتی ہے کیونکہ وحشی آدمی کو اصولوں کا
ادراک نہیں ہوتا اوس کو جامع و مانع قواعد چاہئیں۔

ایک طوطم کے اندر شادی نہیں ہوتی

آسٹریلیا والا اپنے طوطم کے اندر شادی نہیں کرسکتا
سانپ کا نشان والا سانپ والے سے

اور شتر مرغ کا نشان والا شتر مرغ والے سے شادی نہیں کر سکتا، وحشیوں کی معاشرتی تنظیم کا
یہ پہلا قاعدہ ہے اس کی ابتدا کا ہمکو علم نہیں ہے مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کا منشا قریبی
رشتہ داروں میں باہمی مناکحت و ازدواج کا روکنا تھا۔ اگرچہ وحشی آدمی دلائل کیساتھ
اصول پر بحث نہیں کر سکتا مگر وہ واقعات کی پابندی کی اہلیت رکھتا ہے اور ایسا
خیال گذرتا ہے کہ قریبی رشتہ داروں میں شادی بیاہ کی خرابیوں نے آخر کار اوس کی توجہ
اپنی طرف منعطف کرائی ہوگی اگر یہ خیال واقعی صحیح ہے تو ہم اس قاعدہ کی اصلیت کو
خوب سمجھ سکتے ہیں کہ "سانپ کے ساتھ سانپ شادی نہ کرے" مگر یہ محض قیاس ہی قیاس ہے

دوسرے طوطم میں شادی بیاہ

اس قاعدہ کا دوسرا پہلو بھی انتہائی تعجب انگیز ہے، ایک وحشی اپنے
طوطم میں تو شادی نہیں کر سکتا مگر دوسرے طوطم میں جو
اوس کے لئے خاص طور پر مقرر کیا جاتا ہے، اوس کو شادی کرنا پڑتی ہے۔ اس سے زیادہ
عجیب بات یہ ہے کہ وہ صرف مخصوص طوطم میں شادی ہی نہیں کرتا بلکہ اوس طوطم کی تمام
عورتوں کو اپنی نسل کے لئے بیاہ لیتا ہے؛ اس طرح گویا اوسی پشت کے تمام سانپ کے
طوطم والے مرد اوسی کی تمام شتر مرغ والی عورتوں کے شوہر ہوتے ہیں اور اسیطرح
اس کے بالعوض سانپ کے طوطم والی تمام عورتیں شتر مرغ کے طوطم والے تمام مردوں کی
بیویاں ہوتی ہیں۔ مگر یہ فرض نہیں کر لینا چاہیے کہ اس شادی بیاہ کے رشتہ والی جماعت
کی حالت عملاً بھی واقعی ایسی ہی رہتی ہے:۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ آسٹریلیا کا وحشی مرد
اپنی شادی والی طوطم کی صرف ایک یا دو عورتوں پر قناعت کرتا ہے مگر یہ بھی واقعہ ہے
کہ آسٹریلیا کے وحشی اسبات میں کوئی عیب نہیں سمجھتے۔ اگر کوئی مرد اپنی شادی کے طوطم کی
کسی عورت کے ساتھ زناشوئی کا تعلق رکھے، بشرطیکہ وہ عورت اوسی کی پشت کی ہو
اور اگر کوئی آسٹریلیا کا وحشی ایک "قبیلہ" سے دوسرے قبیلہ میں سفر کر کے جا رہا ہے تو اوس کو واقعی
ہر "قبیلہ" میں بیوی انتظار کرتی ہوئی ملتی ہے، اگر اوس کے شادی والے طوطم کی عورتیں
اوس قبیلہ میں ہوں۔ ایسے ہی واقعات ہیں جنسے پہلے زمانہ کے مسیحی مبلغین بیزار ہو کر
لعن طعن کرنے لگتے تھے۔ حالانکہ یہ باتیں تاریخ معاشرت میں واقعی نہایت قیمتی سبق
پیش کرتی ہیں۔

کوئی شخص مجرد نہیں

ان انتظامات کے ماتحت یہ بات ظاہر ہوگئی کہ آسٹریلیا کے وحشیوں

میں کوئی کنوارا یا کنواری نہیں ہوتے بلکہ اون کے درمیان ازدواج جیسا کہ مسٹر فیسن نے خوب کہا ہے، ایک حالت فطری ہے جس میں فریقین (میاں بیوی) پیدا ہوتے ہیں۔

مختلف پشتین

پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے کہ (طوطم) گروہ کے اندر مختلف مدارج یا پشتیں شناخت کرنے کے لئے کسی نہ کسی قسم کی تخصیص لازمی ہے، اور یہی مقصد ہے، اون پراسرار "کروبوریون" یا رسمی میلوں کا جو وحشیوں کی زندگی میں بڑا کام کرتے ہیں۔ اگرچہ اس وجہ سے کہ وحشی لوگ اپنی مذہبی رسوم کے اسرار کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے، یہ بات بیحد مشکل ہے کہ اون کے رسم ورواج کی صحیح صحیح تفصیلات دیجائیں مگر یہ امر اچھی طرح واضح ہے کہ انکی غرض واحد ہی نہیں ہوتی، اول تو یہ ہے کہ جیسا کہ ایک مشہور صاحب اسرار آسٹریلوی وحشی نے صاف اقرار کیا تھا۔ ان کے ذریعے سے طوطم گروہ کے معمولی ارکان پر یہ مفید اثر ڈالا جاتا ہے کہ بزرگ یا ساحروں کی اہمیت اور قوت کو سمجھیں یہ عموماً بوڑھے آدمی ہوتے ہیں جو ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ بے شبہ طوطم گروہ کی روایتی تاریخ کو زندہ اور اسطرح اوس کے جملہ ارکان کو متحد و منسلک رکھنا چاہتے ہیں ان رسوم میں جو ناچ گانے ہوتے ہیں، اون میں سے اکثر کو خیال کیا جاتا ہے کہ اون واقعات کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ جو "الچرنگا" یا زمانہ قدیم میں واقع ہوئے تھے۔ ان رسوم کے آخر میں جو اکثر کئی کئی دن تک رہتی ہیں، اون نوجوانوں اور دوشیزگانکو جو سن بلوغ کو پہونچگئے ہیں، طوطم کے کچھ اسرار تبلائے جاتے ہیں۔ اور اکثر اسکے ساتھ ہی بعض تکلیف دہ رسوم جیسے ختنہ یا بعض اعضا کی چیر پھاڑ یا قطع و برید ادا کیجاتی ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ اس موقع پر اون اشخاص کو جن پر اسرار منکشف کئے جاتے ہیں شناخت قایم کرنے کے لئے گودا بھی جاتا ہو اور ان کے واسطے طوطم کا کوئی خاص نشان اور اس طوطم گروہ کے اندر خاص پشت مقرر کیجاتی ہو۔

رشتہ داری کا طریقہ

اس ہاکسی اور مصنوعی طریقہ سے آسٹریلیا کے سادہ انتظام رشتہ داری کی تعمیر کیجاتی ہے۔ اوس کے شادی والے طوطم گروہ کی تمام عورتیں اوس کی بیویاں ہوتی ہیں، اون کے تمام بچے اوس کے بچے ہوتے ہیں۔ اوس کے خاص طوطم والے اوسی حیثیت کے جسقدر مرد وزن ہوتے ہیں، اوس کے بھائی بہن ہوتے ہیں۔

(جن سے وہ شادی نہیں کرسکتا) اوس کی ماں کے طوطم والے تمام اوس کے والدین ہوتے ہیں۔ (کیونکہ رشتہ عورتوں ہی کیطرف سے شمار کیا جاتا ہے) ماں باپ، اولاد، بھائی، بہن صرف یہی رشتہ داریاں ہیں جنکو تسلیم کیا جاتا ہے اگرچہ یہ انتظام کسی قدر ابتدائی درجہ کا معلوم ہوتا ہے لیکن یہی تمام مجمع الجزائر ملایا میں عام طور پر پھیلا ہوا ہے مسٹر فیسن نے ایک پادری کا قصہ بڑا دلچسپ بیان کیا ہے دیسی عیسائیوں سے زیادہ موانست پیدا کرنیکے لئے یہ پادری صاحب اپنے ایک نوکر کے بھائی بذریعہ اقرار بنا دیے گئے تھے۔ ایکدن اتفاق سے اس نوکر کی بیوی سے پادری صاحب ملے تو اسکو بہت خوش ہو کر سمجھانے لگے کہ "ابتو میں تمہارا بھائی ہو گیا" اسپر عورت نے فوراً پادری صاحب کو انکی غلطی سے متنبہ کیا اور کہا "بھائی نہیں ابتو آپ میرے شوہر ہو گئے"۔ مسٹر مارگن کا جنھوں نے جزیرہ ہودی اور ہونو لولو کے باشندوں کی زندگی کا خوب مطالعہ کیا ہے اور خود امریکہ کے اصلی باشندوں کی بھی دیکھ بھال کی ہے، یہ خیال ہے کہ اس سے بھی زیادہ قدیم نظام معاشرت کے نشانات پائے جاتے ہیں جس میں بہنوں اور بھائیوں بلکہ خود اپنی اولاد کے درمیان رسم ازدواج جاری ہے۔ خیر جو کچھ بھی ہو آسٹریلیا کا انتظام معاشرت نہایت وسعت کیساتھ وحشیوں میں رائج ہے، اور خاص خاص تغیرات کیساتھ بعض نہایت متمدن اور مہذب اقوام مثلاً چینیوں میں بھی پایا جاتا ہے۔

طوطم کے متعلق سوالات

کیا طوطم کی غرض قریبی رشتہ داروں میں شادی بیاہ روکنے کے علاوہ کچھ اور بھی ہے؟ وہ کیا صحیح تعلق ہے جو باعتقاد وحشیاں اُن کے اور طوطم کے درمیان واقع ہے؟ اس قسم کے سوالات ہیں جو بہت کچھ متنازعہ فیہ ہیں۔ دوسرے سوال کی نسبت زمانۂ حال کے مشاہدہ کنندگان نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ آسٹریلیا کا وحشی کسی پراسرار طریقہ پر خود کو اپنے طوطم کی اولاد سمجھتا ہے۔ اس میں بھی بہت کم شک کیا جاسکتا ہے کہ کم از کم بعض صورتوں میں طوطم کی پوجا کیجاتی ہے۔ اور خیال کیا جاسکتا ہے کہ یہ وہ موکل ہے جو اگر قواعد ازدواج پر سختی کیساتھ عمل نہ کیا گیا، تو سخت تباہی اور قہر و عذاب نازل کریگا۔ اور اگر یہ بات صحیح ہے تو ہم کو ارتقائے انسانی کے دو قوی ترین عناصر یعنی قانون اور مذہب کے مبادیات کی ایک دلفریب جھلک نظر آتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مذہبی خیالات کے تین ارتقائی مدارج ہیں:۔ اول انسان کسی ایسی چیز کی پرستش کرتا ہے جو خود اسکی

ذات سے خارج ہے مثلاً جانور پتھر وغیرہ دوسرے وہ کسی اپنے جیسے انسان کی جو عموماً اوس کا کوئی بڑا بوڑھا ہوتا ہے، پرستش کرتا ہے۔ تیسرے اوس کے خیالات رفیع ہو کر ایک ایسے معبود کا ادراک کرنے لگتے ہیں جن میں الوہیت وانسانیت دونوں شامل ہیں جو انسان سے علیحدہ اور غیر مشابہ ہے مگر پھر بھی انسان کیطرح اور اس سے تعلقات رکھنے والا ہے۔ آسٹریلیا کا طوطم، ان میں سے پہلے درجہ کا گویا قائم مقام ہے مگر اس پر توجہ کرنا کسقدر معنی خیز ہے کہ وحشیوں کے خیال الوہیت میں ہمیشہ ایک بدباطن دیوتا کا مفہوم ہوتا ہے، جو بیماری اور موت پھیلاتا ہے، اور انسانی خونکا پیاسا ہوتا ہے۔ اغلب ہے کہ یہ خیال زیادہ تر ایک وحشی کے خاص طرز استدلال یعنی تجربہ کا اثر ہو۔ وہ دیکھتا ہے کہ اوس کے ساتھیوں میں جو شخص غیر معمولی طور پر قوی اور ہوشیار ہوتا ہے، وہ اپنی قوت کا اظہار ظلم و بدعت سے کرنے لگتا ہے۔ یہی اوضاع واطوار وہ اپنے دیوتا کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔

وحشی قانون

اسی خیال سے ملتے جلتے وحشیوں کے مفہوم قانون کے مبادیات ہیں ایک وحشی کے نزدیک قانون محض ممنوعات کا نام ہے۔ گویا قانون ایک فہرست ایسی چیز ونکی ہے جنکو ممنوع یا بقول وحشیوں کے "ٹابون" قرار دیا گیا ہے۔ چیز ونکے ممنوع ہونیکی اصلیت کیا تھی، اس کے متعلق انکا خیال اکثر نہایت ہی ہنسی کے قابل ہوتا ہے مگر عام طور پر یہ خیال ہے کہ کسی خطرہ کے خوف سے چیزوں کا ممنوع ہونا متعلق ہوتا ہے۔ ایک آدمی راستہ راستہ جارہا ہے اور اس پر کسی درخت کی شاخ ٹوٹکر گر پڑی بجائے اس کے کہ وہ اس حادثہ کو قدرتی اسباب پر محمول کرے، وہ خیال کرتا ہے کہ یہ صدمہ درخت والے دیوتا کے عتاب کا نتیجہ ہے، جو اوس کے اس راستہ پر چلنے سے ناراض ہو گیا ہے۔ پس آیندہ اوس رستہ پر چلنا ممنوع سمجھا جائیگا۔ کسی چشمہ پر

لہ یہ عیسائی عقیدہ ہے کہ جن کا خدا یسوع ناصری الوہیت وانسانیت دونوکا مجسمہ سمجھا جاتا ہے مسلمانوں کا عقیدہ یہ نہیں ہے۔ اون کا خدا عرض وطول، حد ونہایت وضع وقطع، جسمانیت وصورت غرض جملہ صفات فانی سے معرا ومبرا ہے مسلمانوں کا خدا کوئی جسم یا صورت نہیں رکھتا وہ حی وقیوم مطلق اور لامحدود ہے۔ در اصل عقیدے کا یہ درجہ عیسوی عقیدے کے درجے سے بہت ارفع واعلیٰ ہے۔

ایک کمزور سا لکڑی کا پل باندھا جاتا ہے، وہ اتفاقاً کسی راہرو کے بوجھ سے ٹوٹ جاتا ہے اور آدمی ڈوب جاتا ہے؛ وحشیوں کے خیال میں اوس کی وجہہ پانی کے دیوتا کا انتقام ہوتا ہے جو پل کے ہونے سے اپنی توہین خیال کر کے ناراض ہو جاتا ہے، کیونکہ اوس پل کیوجہ سے دیوتا کی بھینٹ کے آدمیوں کی پوری تعداد چڑھنے سے رُکجاتی ہے۔ مگر پل کا آرام اس قدر زیادہ ہے کہ وحشی اوس کے بنانے پر پھر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اوس وقت کوئی چالاک آدمی بول اوٹھتا ہے کہ اگر پل کے استعمال ہونے سے پہلے کسی آدمی کی بھینٹ چڑھا دیجائے، تو پانی کا دیوتا خوش ہو جائیگا، پس کسی بدقسمت غریب آدمی کے ہاتھ پاؤں باندھکر چشمہ کی دھار میں پھینکدیا جاتا ہے؛ غالباً ابکی مرتبہ پل زیادہ اچھا اور مضبوط بندھا ہوگا۔ جو شکست نہیں ہوتا۔ پس خیال کر لیا جاتا ہے کہ ٹوٹکا پورا ہوا۔ اسی طریقہ سے قربانی کی رسم جاری ہوی جو تاریخ میں اس قدر ہولناک کام کرتی رہی جبکہ یعقوب گرم (Jacob Grimm) زبردست جرمن فاضل نے ابتک یعنی اس صدی کے اوائل تک شمالی شرقی جرمنی میں پلوں پر بھینٹ چڑھانیکی رسم کو دیکھا ہے۔ اگرچہ وہ محض نقل یا جھوٹ موٹ ہوتی تھی۔ وحشی ممالک میں مکان کی بنیاد میں دھرتی ماتا کی بھینٹ کیلئے کسی زندہ آدمی کو دبا دینے کی رسم عام طور پر پھیلی ہوئی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اسکی ابتدا بھی یونہی ہوئی ہوگی۔

کیا طوطم کا رشتہ اپنے ارکان کو جارحانہ و مدافعانہ اغراض کے لئے بھی منسلک کرتا ہے؟ یہ مسئلہ ابھی تک غیر فیصل ہے۔ اس حالت کی علامات تو ضرور پائی جاتی ہیں اور اگر واقعی اس حالت کا موجود ہونا ثابت ہو جائے تو پھر اس سے معاشرت کے دوسرے درجہ یعنی آبائی معاشرت کی ایک خاص خصوصیت کی یعنی "خونی انتقام والے گروہ" کے قائم ہونیکی کیفیت معلوم ہو سکتی ہے۔ مگر یہ بات قابل اطمینان طور پر ٹھیک معلوم نہیں کہ وحشیوں کے ایک گروہ کے دوسرے گروہ سے کیا تعلقات ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک گروہ افراد، خواہ وہ "قبیلہ" ہو، شکاری جماعت ہو یا شادی بیاہ کا طوطمی جرگہ ہو، کسی اجنبی کیطرف سے اپنے ذمہ کوئی فرائض عاید نہیں سمجھتا مگر اون کے اصلی طریق کا اندازہ غالباً خوراک کی دستیابی کی حالت۔ اور چلنے پھرنے کی جگہ کی وسعت سے ہو سکتا ہے اگر شکار کی بہتات ہے اور بہ نسبت آبادی کے شکار گاہیں بڑی ہیں تو وحشیوں کے مختلف گروہ ایک خاص رقبہ کے اندر برابر برابر بغیر لڑائی جھگڑے کے رہ سکتے ہیں

اگر شکار کم ہے اور علاقہ کی آبادی گنجان ہے وحشی حالت میں غالباً دونوں باتیں ساتھ رہتی ہیں)
تو محاربات اور قتل اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ غالباً مردم خواری کی قبیح اور مکروہ رسم بھی بھوک
کیوجہ سے پیدا ہوئی ہوگی۔ اگرچہ ایسی نسلیں بھی موجود ہیں جو معلوم ہوتا ہے کہ اس قابل نفرت
رسم کو چھوڑ نہیں سکتیں اور اوس کے جاری رکھنے کی تائید میں دلچسپ دلائل تراشتی ہیں مگر
قوانین ارتقار میں سے یہ موثق ترین قانون ہے کہ ہر ترقی پذیر قوم کے ساتھ وہی رقبہ
روز افزوں آبادی کو پال سکتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جنگ کے لئے ترغیبیں یا کم از کم بہانے
خوش قسمتی سے روز بروز کم ہوتے جاتے ہیں۔

خلاصہ قدیم زمانہ کے آدمی کا خاکہ جو ہم نے کھینچا ہے، یہ اوس کا کسی قدر تاریک
پہلو ہے۔ اور واقعی اوس شریف وحشی کا قصہ جو اپنی زندگی کے دن
بال بچوں کے درمیان عام جنگل میں منگل کرکے گذارتا تھا جو گلزار سبزہ زاروں میں شیریں یا
نغمے الاپتا ہوا شکار کھیلتا تھا، گذشتہ صدی کا افسانہ تھا جو ایک معدوم التاریخ نسل کے
داغوں کے بجائے دلوں کا زیادہ اعتراف کرتا ہے۔ عموماً اصلی وحشی ایک دُبلا پتلا نیم گرسنہ
پست قامت برہنہ تن، لرزہ براندام، خانہ خراب، مرئی و غیر مرئی خطرات سے مدام خوفزدہ
مخلوق ہوتا ہے، جس کا جہاں تک ہم سمجھتے ہیں، نہ کوئی خاندانی رشتہ ہوتا ہے، نہ یقینی انتظام
خوراک اور نہ کوئی مستقل گھر۔ مگر پھر بھی وحشی زندگی سے تمدن کی کل میزان کو کچھ نہ کچھ حصہ
پہونچتا ہے۔ وحشی شکاری، جس کی زندگی کا مدار محض اوس کے شکار کی کامیابی پر ہے
اپنے شکار کے تعاقب میں بغیر چوں و چرا تکالیف برداشت کرنا سیکھ جاتا ہے۔ چونکہ وہ ہر وقت
خطرہ کی طرف سے چوکنا رہتا ہے۔ اس لئے اوس کی قوت مشاہدہ بیحد بڑھجاتی ہے۔ جس کو
دیکھکر اسکا زیادہ تمدن و مہذب بھائی حیرت میں آجاتا ہے۔ وہ دشمن کے نقش قدم کا
کھوج جھاڑیوں تک میں لگا سکتا ہے۔ جہاں زمانہ حال کا سراغرساں کسی قسم کا
نشان معلوم کرنے سے اظہار عجز کریگا۔ وہ ایسی علامات کے ذریعہ سے طوفان کے آنیکی
پیشینگوئی کرسکتا ہے۔ جو علمی ذرایع سے موسم کی پیشینگوئیاں کرنیوالوں کی سمجھ میں بھی نہیں
آئینگی، وہ ایسی آوازوں کو سن سکتا ہے، جو ایک تمدن اور مہذب آدمی کیلئے غیر قابل
سماعت ہیں، اوس کا صبر و ضبط لامحدود ہوتا ہے، بشرطیکہ انعام کی امید فوری اور معقول ہو
یہ باتیں ہمارے خیال میں تمدن و تہذیب کے راس المال میں کچھ کم اضافہ نہیں کرتیں۔

نمونہ نمبر ۲ آبائی معاشرہ

باب ۳

معاشرہ آبائی پر ایک عام نظر

خصائص امتیازی

اب ہم ارتقائے معاشرت پر غور وخوض کے دوسرے درجہ پر پہونچتے ہیں، جس میں بہ نسبت درجہ سابق کے تعلقات وابستگی زیادہ واضح اور تنظیم جماعت زیادہ مکمل ہے تمام آبائی معاشرتوں کی خاص نوعیت یہ ہے کہ اون کے بعض خصائص زیادہ نمایاں ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ جماعت ہائے ماقبل ومابعد سے بخوبی ممتاز ہو جاتی ہیں۔ یہ خصائص حسب ذیل ہیں۔

۱۔ رشتہ داری ذکور

ہم وحشی نمونہ کی جماعتوں میں دیکھ چکے ہیں کہ اگرچہ اون میں اس قسم کا باہمی تعلق ضرور رائج تھا، جس کو رشتہ داری کہا جاسکتا ہے۔ مگر وہ اس قدر بے ڈھنگا اور مصنوعی تھا کہ اوس کو بجائے واقعہ کے توہم خیال کرنا زیادہ مناسب ہے۔ اگر کسی خون کے رشتہ کو تسلیم بھی کیا جاتا تھا تو وہ مردوں کے نہیں بلکہ عورتوں کے رشتہ سے مانا جاتا تھا۔ مگر آبائی معاشرۃ کے درجہ میں ولدیت سب سے زیادہ افضل بات ہے۔ لوگوں کو رشتہ دار اسوجہ سے شمار کیا جاتا ہے کہ وہ ایک ہی مورث اعلیٰ کی اولاد ہوتے ہیں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بعض اوقات رشتہ داری اصل نہیں ہوتی بلکہ مصنوعی ہوتی ہے بالخصوص اوس وقت جب کسی گھرانے میں مردوں کی کمی کو تبنیت یا لے پالک کے رواج سے پورا کیا جاتا ہے۔ مگر ان تدابیر کا وجود ہی اوس وقعت کو ظاہر کرتا ہے جو نسل ذکور کو دیجاتی ہے۔ فی الحال اس بات سے قطع نظر کرکے کہ یہ بڑی تبدیلی کیونکر واقع ہوئی ہم آبائی معاشرہ کی ایک اور خصوصیت کو بھی دیکھتے ہیں جو اُس سے تعلق رکھتی ہے۔

۲۔ ازدواج مستقل

بغیر اس اضافہ کے پہلی خصوصیت مشکل سے نشوونما پا سکتی ہے۔ معاشرہ کی ایسی حالت میں جیسی کہ آسٹریلیا کے وحشیوں کی (جو

پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ کوئی شخص یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ اوس کا باپ کون ہے۔
جب تک کوئی عورت کسی ایک مرد کی بیوی نہ بنجائے، ولدیت کا تعلق ظاہر نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ
نہیں سمجھنا چاہیے کہ جیسی شادی کو ہم لوگ شادی سمجھتے ہیں یعنی ایک عورت کا مستقل ازدواج
ایک مرد کیساتھ، تمام آبائی معاشروں کی خصوصیت ہوگی۔ بلکہ برخلاف اس کے کثرت
ازدواج، یعنی ایک مرد کا کئی کئی بیویاں کر لینا، آبائی معاشرہ کے ابتدائی درجہ کی نمایاں
خصوصیت ہے صرف اوسوقت جبکہ اوس کا ارتقا آخری درجہ کو پہونچ جاتا ہے، وہ زائل
ہوکر نظام مناکحت کے قریب پہونچ جاتی ہے۔ مگر کثرت ازدواج کی موجودگی رشتہ داری
کے بذریعہ ذکور کے تسلیم کئے جانے میں مانع نہیں ہوتی۔ بلکہ برعکس ازیں کنواری عورتوں کی
زیادتی کو پورا کر دینے سے رشتہ داری اور بھی زیادہ یقینی ہو جاتی ہے۔ آخر میں آبائی
معاشرہ کی تیسری خصوصیت بھی ظاہر کر دینی چاہیے۔

۳۔ اختیارات پدری

جن اصولوں پر آبائی معاشرہ کا کام چلایا جاتا ہے اوس کے لئے جیسا کہ ہم دیکھیں گے، ایسے جرگوں کے وجود کی ضرورت ہے
جن کی صدارت اور قریب قریب مطلق العنان حکومت کسی بزرگ خاندان کے ہاتھ میں ہو
یہ بزرگ اوس جرگہ کے کاروبار کی ہی دیکھ بھال نہیں کرتا بلکہ اوس کے مذہب اور چال چلن
کا بھی نگراں ہوتا ہے، جس بڑی جماعت سے اس جرگہ کا تعلق ہوتا ہے۔ یہ شیخ اپنے جرگہ
کی تمام باتوں کا اوس کے سامنے مخصوص ذمہ دار ہوتا ہے۔ ان اختیارات کی ٹھیک حدود
جماعت کے مختلف مدارج میں مختلف ہوتی ہیں۔ قدیم رومۃ الکبریٰ میں، جیسا کہ سب جانتے
ہیں، اقتدار آبائی (Patria Potestas) زندہ مورث کی تمام اولاد پر شامل
ہوتا تھا، بلکہ اوس کے مرنے کے بعد بھی کسی قدر متغیر شدہ صورت میں، عورتوں پر باقی
رہتا تھا۔ علاوہ ازیں حکومت اور سزا ہی تو درکنار یہ اختیار موت و حیات تک پر بھی حاوی
ہوتا تھا۔ آبائی معاشرہ کے آخری درجہ میں اس اختیار کی بہت تغیر ہو جاتی ہے۔ مگر وہلزکی
ایک جماعت کا ایک نہایت دلچسپ واقعہ آبائی جماعت کے آخری درجہ میں ایک "ناب یعنی"
چہاردہ سالہ نوجوان کا اسطرح درج ہے:۔ "وہ اپنے باپ کے ذمہ کھانا کھاتا ہے اوسکا
باپ اوس کا آقا یا حاکم ہے اور سوائے اوس کے باپ کے اوس کو اور کوئی سزا نہیں دیسکتا
اور وہ اپنے باپ کی زندگی میں اپنی کمائی کا ایک پیسہ بھی نہیں رکھ سکتا اگر رکھ سکتا ہے تو اپنے باپ کی

شرکت میں "فی الحقیقت قانونی اعتبار سے وہ کوئی علحدہ وجود نہیں رکھتا۔

واقعی مثالیں

یہ ہیں جماعتوں کے عالمگیر خصائص آبائی درجہ میں، خواہ ہم ان کو یہودی قبائل میں دیکھیں یا قدیم یونانیوں میں (ہومر کے زمانہ کے سورما) بارہ ماہ والوں میں، یا صحرا نشین اعراب میں، یا شمالی ہندوستان کے ہندو مسلمانوں میں، یا سرحد کے پٹھانوں میں، یا ان سے بھی زیادہ خود انگریزوں کے آبا و اجداد کو جرمنی میں بلکہ بہترین طور پر کیلٹی (Keltie) ویلزی اور ائرستانی اور کوہستانی اسکاچ نسلوں کی شاخوں میں، جن میں یہ رسم تھوڑے ہی دن گذرے ابھی تک باقی تھی۔

آبائی معاشرہ کے دو درجے

لیکن ابھی تھوڑے ہی دنوں کی بات ہے کہ آبائی معاشرہ کا مطالعہ مصنفین اور مقررین کے اس طریقہ سے کہ وہ تمام آبائی معاشرون کی اس طرح بحث کیا کرتے تھے۔ گویا وہ سب ایک ہی قسم و وضع کی ہیں، بہت مشکل ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان جماعتوں کی تصویر بگڑ گئی، اختلافات اور دقتیں پیدا ہو گئیں اور جلدباز نقاد لوگ جماعت کے آبائی درجہ کو ایک دلفریب افسانہ خیال کرنے پر مائل ہو گئے۔

۱۔ قبیلہ۔

فی الواقع اگر شہادتوں کا التزام و ضبط کیساتھ مطالعہ کیا جائے تو بہت جلد منکشف ہو جائیگا کہ آبائی معاشرہ دو ماتحت درجوں میں منقسم ہو جاتی ہے جو دو گروہوں یا معاشرتی فردوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ ان میں سے اول درجہ کو مناسب طور پر "قبیلہ" کہا جا سکتا ہے۔ اور دوسرے کو "کنبہ"۔ "قبیلہ بڑا گروہ ہوتا ہے جس میں کئی کئی سو نفوس ہوتے ہیں جس میں وہ لوگ جو صحیح النسل ہوتے ہیں خود کو ایک ہی مورث اعلیٰ کی اولاد سمجھتے ہیں اور واقعی مردوں کے رشتہ سے باہم منسلک ہوتے ہیں۔ لیکن اگر سب میں نہیں تو اکثر صورتوں میں مشترکہ مورث اعلیٰ ایک فرضی شخص ہوتا ہے جو ان تکلفات کو پورا کرنے کے لئے ایجاد کر لیا گیا ہے کہ کسی مشترکہ مورث کی آل اولاد ہونا ہی معاشرہ کی صحیح بنیاد ہے اور درحقیقت تمام اشخاص ذکور کی جائز اولاد کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ افراد قبیلہ شمار کئے جائیں۔

۲۔ کنبہ۔

مگر کنبہ برعکس اس کے بہت چھوٹا گروہ ہوتا ہے۔ جس میں صرف تین چار ہی پشتیں ہوتی ہیں جو سب ایک مشترک مورث کی اولاد ہوتی ہیں۔ اور جب تعداد نفوس معقول ہو جاتی ہے تو وہ جدید کنبوں یا جرگوں میں

خود بخود منتشر ہو جاتی ہیں۔

ایک پرانا غلط نظریہ

اس فرق کو اور بھی بہت سے مصنفین نے محسوس کیا ہے مگر وہ اس کا صحیح مطلب سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ اور اسی وجہ سے آبائی معاشرہ کے مطالعہ میں بطور امداد کے اوس کی صحیح قیمت کا اندازہ نہیں کر سکے۔ وہ پرانے نظریہ کی وجہ سے جس کی اب پوری قلعی کھلگئی ہے غلطی میں پڑ گئے جو یہ تھا کہ معاشرہ کی ابتدا ایک گھرانے یا ایک زندہ شخص کی اولاد کے گروہ سے ہوئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب یہ گھرانیکا بڑا بوڑھا مرجاتا ہے تو اوس کے لڑکے اپنے لیئے اوسی قسم کا علٰحدہ علٰحدہ گھرانا قائم کر لیتے ہیں اور ان گھرانوں کا بہ لحاظ رشتہ داری ایک کنبہ بنجاتا ہے۔ اور جب کنبہ کی آبادی اس قدر بڑھجاتی ہے کہ رشتہ داریاں بہت دور پڑجاتی ہیں تو وہ قبیلہ بنجاتا ہے۔ مگر اسکاٹلینڈ کے مورخ مسٹر ڈبلیو۔ ایف، اسکین کو داد دینی چاہیئے جنھوں نے اصلی طور پر دکھا کر ظاہر کر دیا کہ اس بیان سے فی الحقیقت حقائق کی تاریخی ترتیب منقلب ہو جاتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ یا بڑا گروہ قدیم ہے۔ جب وہ منتشر ہو جاتا ہے تو کنبے بنجاتے ہیں اور جب یہ جرگے بھی شکست ہو جاتے ہیں تو خود مختار مختلف گھرانے رہجاتے ہیں جو پہلے کنبہ ہی کے اجزا تھے بدرجہ آخر، مگر اوس وقت تک نہیں جب تک آبائی معاشرہ کو شکست ہوئے مدت نہیں گزرجاتی گھرانا بھی منتشر ہو جاتا ہے۔ "اور شخص منفرد" معاشرہ کی فرد رہجاتا ہے۔

اس خیال کی تائید وحشی جماعت کی شہادت سے ہوتی ہے۔

اسی خیال کو جیسے مسٹر اسکین نے اپنی کتاب "کلٹی اسکاٹ لینڈ" میں درج کیا ہے، اون انکشافات سے بدرجۂ غایت تقویت ہوگئی ہے جو ہم نے گذشتہ باب میں وحشی طرز معاشرت کی کیفیت کے متعلق درج کئے ہیں۔ ان انکشافات سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچگیا ہے کہ قدیم ترین معاشرتی گروہ، ایک شخص واحد اور اوس کی بیویوں کا خاندان تو کیا ہوتا، وہ ایک بہت بڑا اور دور کے رشتوں سے وابستہ گروہ یا غول ہے جس کی بہت ہی مصنوعی طریقوں پر تنظیم کیگئی ہے جو "ایک ہی گھرانے" کے وجود کو قطعاً خارج کرتا ہے۔ اگر ضرورت ہو تو یہ بہت آسانی سے ظاہر کیا جاسکتا ہے کہ معاشرتی جماعتوں کی ابتدا "ایک ہی گھرانے" سے قطعی ناممکن ہے۔ یہاں اس قدر کہدینا کافی ہوگا کہ اس کے خلاف شہادت موجود ہے۔

فرق کی ابتدا

اگرچہ قبیلہ اور کنبہ کے درمیان صحیح تعلقات قائم کرنے میں ہم مسٹر اسکین کے احسان مند ہیں مگر ہم کو معلوم نہیں کہ ان دونوں چیزوں کے وجود کے اسباب کسی اور کتاب میں مختصراً درج کئے گئے ہیں لہذا ہم زیادہ مناسب خیال کرتے ہیں، اگرچہ اس امر کا اندیشہ ہے کہ مفروضہ قبل از وقت نہ ہو، اپنے خیالات کو توضیح سے حسب ذیل الفاظ میں درج کریں :-

"جانوروں کے پالنے نے وحشی گروہ کو آبائی معاشرہ میں منتقل کر دیا اور کاشتکاری نے قبیلہ کو کنبوں میں تقسیم کر دیا۔"

آبائی معاشرہ کے خصوصیات امتیازی

اگر یہ خیال صحیح ہے تو صاف ظاہر ہے کہ جماعت آبائی کا قصہ بیان کرنے سے پہلے پرورش حیوانات اور اون کے فوری اثرات پر غور کیا جائے مگر چونکہ اس کے لئے ایک جداگانہ باب کی ضرورت ہوگی، اس لئے یہ بہتر ہوگا کہ ایک مرتبہ پھر آبائی معاشرہ اور زمانۂ حال کی سیاسی معاشرہ کے امتیازات پر لغوی معنی میں زور دیا جائے تاکہ ناظرین کو یہ محسوس ہو کہ وہ ایسے افکار کا مطالعہ کر رہے ہیں جو اون کے ذاتی افکار سے قطعی مختلف ہیں چنانچہ جاننا چاہئے کہ آبائی معاشرہ اور موجودہ معاشرہ میں چار نمایاں خصوصیات کا اختلاف ہے۔

ذاتی اتحاد

۱- آبائی معاشرہ میں ذاتی یا شخصی اتحاد ہوتا ہے ملکی نہیں ہوتا اگرچہ جیسا ہم پہلے کہہ چکے ہیں، موجودہ معاشرہ کی بنیاد فوجی یا جنگی وفاداری پر ہے، مگر سب سے بڑی چیز جس کا اس وفاداری پر اثر پڑتا ہے وہ ایک مخصوص رقبہ کے اندر سکونت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کبھی بعض خاص اغراض سے مملکت ع۱ کا شہری مملکت ع۲ کے علاقہ میں سکونت پذیر ہو سکتا ہے مگر پھر بھی اوس کو "غیر" سمجھا جاتا ہے۔ اور وہ مملکت ع۲ کی سیاسی زندگی میں کوئی حصہ نہیں لیتا۔ برخلاف اس کے اگر کوئی شخص سکونت کیوجہ سے کسی مملکت کا مستند شہری ہو جاتا ہے تو ہم اوس کے خاندان یا نسل کو نہیں پوچھتے۔ قانون نپولین کے الفاظ ہیں کہ :- ہر وہ شخص جو فرانس میں پیدا ہوگا۔ فرانسیسی ہے۔ اور وسیع معنی میں متمدن و مہذب ممالک کے اندر

آجکل یہی قاعدہ رائج ہے۔ مگر آبائی معاشرہ میں سکونت و مقام کا کچھ خیال نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص کسی خاص گروہ کا رکن بننا چاہے تو اوس کا اوس گروہ سے خون کا رشتہ ہونا چاہئے اگر ایسا نہیں ہے تو یہ ممکن ہے کہ وہ تمام عمر اوس جماعت کی خدمت میں گزار دے مگر اوس کا رکن نہیں ہوگا فی الحقیقت تمام گروہ جس وقت چاہے نقل مکان کرسکتا ہے مگر اوس کے دستور میں کسی صورت سے فرق نہیں آتا۔ کم از کم آبائی معاشرہ کے ابتدائی درجوں میں تو یہی بات پائی جاتی ہے۔

علیحدگی

۲۔ آبائی معاشرہ سب سے علیحدہ رہتی ہے۔ موجودہ معاشرہ کا اعتقاد تعداد نفوس پر ہے۔ باوجودیکہ بعض اوقات "غیر ملکی آباد کاروں" کے بارہ میں کسی قدر چناں چنیں کیجاتی ہے مگر حقیقت میں ہر مملکت کو اپنی تعداد مرداں بڑھانیکی فکر لگی رہتی ہے کیونکہ وہ جانتی ہیں کہ اضافۂ تعداد مرداں کے معنی اضافۂ دولت اور اضافۂ جنگی قوت ہیں۔ اوس قوم کو جو آبائی درجہ میں ہو "دفتر آباد کاراں" ایک عجیب وغریب چیز معلوم ہوگی اوس جماعت کے ارکان کسی بسنے والے کو محض چور خیال کرینگے جو اون کی چراگاہوں اور زیر کاشت زمینوں پر بار ڈالنے آتا ہے۔ یا ایک کافر ہے جو عجیب رسمیں اور عبادتیں جاری کردے گا۔ اگر اوس کو داخل بھی کیا جاتا ہے تو محض بحیثیت ایک بندہ یا زرعی غلام کے۔

گروہ بندی یا جتھے داری

۳۔ آبائی معاشرہ میں گروہ بندی ہوتی ہے۔ زمانۂ حال کی مملکت میں اقتدار اعلیٰ کا اثر براہ راست ہر شخص پر ہوتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ درمیانی حکام بھی ہوتے ہیں۔ مگر وہ اقتدار اعلیٰ کے نائب یا ماتحت ہوتے ہیں اور وہ اون کو علیحدہ کرسکتا ہے مگر آبائی معاشرہ میں ہر آدمی کسی چھوٹے گروہ کا رکن ہوتا ہے جو خود کسی بڑے گروہ کا رکن یا جزو ہوتا ہے، علیٰ ہذا القیاس۔ اور ہر شخص صرف اپنے ہی گروہ کے سردار کا ذمہ دار ہوتا ہے یعنی بیٹا، بیوی، غلام، صاحب خانہ کو، صاحب خانہ اپنے کنبہ کے سردار کو اور کنبہ کا سردار رئیس قبیلہ کو اس اصول کے جو نتائج ہیں وہ بہت ہی وقعت رکھتے ہیں جیسا ہم آگے بیان کرینگے۔

عدم مقابلہ

۴۔ آبائی معاشرہ میں باہم مقابلہ نہیں ہوتا۔ ہم کو جماعت یا معاشرہ کی ایسی حالت میں رہنے کی عادت ہے جس میں ہر شخص وہ کام کرتا ہے جو وہ بہترین خیال کرتا ہے۔ اور جس طرح سب سے اچھا سمجھتا ہے۔ اوس طرح کرتا ہے بعض قوانین کے ماتحت (خصوصاً قوانین کو توالی) ہر شخص جو چاہتا ہے کرتا ہے"، مثلاً اگر کوئی کسان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اپنے ہمسایہ سے پیشتر تخم ریزی کرکے عمدہ فصل حاصل کرسکیگا،

تو وہ ایسا کرلیتا ہے - اگر کوئی نجار یہ خیال کرے کہ وہ بجائے پیچ کے کیلیں لگاکر بہتر صندوق بناسکتا ہے تو وہ ایسا کرلیتا ہے - اگر کوئی سلے ہوئے کپڑوں کا سوداگر یہ خیال کرے کہ وہ چائے بیچنے سے زیادہ گاہکوں کو اپنی طرف مائل کرسکتا ہے تو وہ کرلیتا ہے مگر آبائی معاشرہ میں ان باتوں کو اگر کوئی شخص کرے تو اون کو خوف ودہشت کی نظر سے دیکھا جائے گا - آبائی جماعت کی زندگی کا انتظام مقررہ رسم ورواج سے ہوتا ہے جن سے انحراف کرنا گناہ میں داخل ہے یہ خیال کیونکر پیدا ہوا اور پھر کیونکر جاتا رہا؟ اسکی تحقیق ہم بعد میں کرینگے - فی الحال آبائی معاشرہ کا خیال کرتے ہوئے ہم کو چاہئے کہ اوس کو ذہن میں رکھیں - آبائی جماعت میں ہر شخص کو اوس کے فرائض منصبی اوس زندگی میں ملجاتے ہیں جو اوس کے لئے مقرر ہے اور صرف فرائض ہی نہیں بلکہ اون کے بجالانے کا طریقہ بھی اگر کوئی شخص عام قواعد سے انحراف کرتا تھا تو اوس کو بری نظروں سے دیکھا جاتا تھا - اب ہم اوس زبردست اکتشاف کا ذکر کرتے ہیں جس نے آبائی جماعت کو ممکن اور ناگزیر بنا دیا تھا :-

---

باب ۴

پرورش حیوانات

جنگلی جانوروں کے پالنے اور اون سے انسان کی خدمت لینے کا فن دنیا کے زبردست ترین انکشافات میں سے ہے۔ جس طرح یہ بات صحیح ہے کہ بہت سی نسلیں جیسے وحشیان آسٹریلیا ایسی ہیں جنھوں نے یہ فن کبھی نہیں سیکھا اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ بہت نسلوں نے اوس کو اس طرح سے حاصل کیا کہ اوس سے بہت بڑے نتائج نکلے مگر ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ کونسا شخص یا اشخاص تھے جنھوں نے اس فن کو رائج کیا۔ ہاں اگر اون کی بابت کچھ معلوم ہے تو محض مبہم اور ناقابل اعتماد روایات کے ذریعہ سے، بنی نوع انسان کے اور بہت سے زبردست محسن جسطرح گمنام رہے ہیں اسی طرح سے وہ بھی ہیں۔ گمان غالب یہ ہے کہ مناسب حالات کے بہم ہو جانے سے مختلف نسلوں نے علٰحدہ علٰحدہ اس فن کو معلوم کیا۔

پرورش حیوانات کی ابتدا

لیکن اگرچہ ہم اس معاملہ میں یقین کیساتھ نام اور تاریخیں نہیں بتلا سکتے مگر ہم اس طریقہ کے بارہ میں معقول دانشمندانہ قیاسات دوڑا سکتے ہیں جس سے جانوروں کا پالنا رائج ہوا۔ ہم اس واقعہ سے شروع کرتے ہیں کہ دنیا کے نہایت بیش قیمت اور کارآمد پالو جانوروں میں سے بھیڑ بکری، گھوڑا، بیل وغیرہ کی نسبت معلوم ہے کہ جنگلی حالت میں ہیں یا تھے۔ ایسا فرض کر لینا عملاً ناممکن ہے (باستثنائے خاص صورتوں کے) کہ ان جانوروں کی نسلیں جنگل میں اون جانوروں سے پھیلیں جو پالو حالت کی اسیری سے فرار ہو گئے تھے۔ لہذا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وحشی گروہوں میں جس جانور کے پالنے کی ابتدا ہوئی اوس کا انحصار اون جنگلی جانوروں کی نوعیت پر تھا جو اون کے نواح میں بکثرت پائے جاتے تھے۔ کیونکہ ابتک یہ امر بخوبی معلوم ہو چکا ہے کہ بہت سے جنگلی جانور اس قسم کے ہیں جو پالنے کے قابل نہیں۔ چنانچہ بہ مشکل معلوم ہوتا ہے کہ

شیر، چیتے، یا ریچھ، کا پالنا کبھی ممکن ہو سکیگا - حالانکہ اون کی طاقت جسمانی اور قوت برداشت اسقدر زبردست ہے کہ اگر وہ کام میں لائے جاسکیں تو اون سے نہایت بیش بہا خدمتیں حاصل کیجا سکتی ہیں - اور بعض قومیں جن کے ملک میں پالنے کے قابل جانور نہیں مل سکتے تھے وہ قطعی وحشیانہ حالت میں رہی ہونگی - علاوہ ازیں بعض قومیں، جیسے شمالی امریکا کے ایسکیمو ایسی ہیں جن کے پاس صرف کتے اور بارہ سنگے کے جنگلی باپ دادا ہونگے اور اس وجہ سے اون کو بہت کم ترقی کے مواقع مل سکے - دیگر نسلیں بھیڑ پال سکیں جس سے تمدن کو بیش قرار مدد ملتی ہے - اور پھر دوسری قومیں اس سے بھی زیادہ قیمتی چیز یعنی بیل پالنے میں کامیاب ہوئیں -

شکار کی کثرت

مگر ہنوز یہ سوال باقی رہتا ہے کہ جانوروں کے پالنے کا طریقہ کیونکر دریافت ہوا؟ یہاں بھی ہم تخیل آزمائی سے کام لینگے - مگر مسٹر فرانسس گالٹن نے جنوبی افریقہ کے ملک دمارستان میں اپنے تجربات کے جو حالات بصورت کتاب گذشتہ صدی کے وسط میں شائع کئے ہیں اون میں اس سوال کے متعلق بہت سے مفید اشارے پائے جاتے ہیں -

وحشی کی عادتوں کی دو نمایاں ترین خصوصیات "بے پروائی" اور "حرص" ہیں چونکہ وہ آیندہ کے لئے سامان خوراک کا کوئی انتظام نہیں کرسکتا، بلکہ آیندہ ضرورتوں کا خیال بھی اوس کے دل میں نہیں آتا اس لئے اگر وحشیوں کو شکار میں کامیابی ہوتی ہے تو وہ بدمستیاں کرکے اسقدر قابل نفرت بسیار خوری کیساتھ کھاتے ہیں کہ تمام سامان صاف کردیتے ہیں اگر تقدیر سامنے ہو اور اون کے ہاتھ شکار کا پورا غول یا گلہ لگ جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پُرخوری کا موقع ہاتھ آگیا - لیکن وحشی بھی کہانتک کھائینگے - آخر کھانیکی بھی کوئی حد ہوتی ہے اور جس زمانہ میں شکار کی فصل اچھی ہوتی ہے تو شکار کا گوشت بکثرت بچ جاتا ہے متمدن آدمی اس امر کی ہر ممکن کوشش کرے گا کہ بچے ہوئے سامان کو آیندہ ضروریات کیلئے رکھ چھوڑے مگر وحشی لوگ اوس کو صرف ضائع کرنا جانتے ہیں - کچھ تو اس خیال سے کہ گوشت خراب ہوجائے گا - رہ نہیں سکیگا اور کچھ اسوجہ سے کہ وہ آیندہ کی ضرورتوں کا احساس نہیں کرتے امریکا کے اصلی باشندوں کا "پیمی کن" یا سوکھا گوشت اور "کاشی" یا زمین میں دبا ہوا ذخیرہ - بس اسی حدتک وحشی سامان -

جمع کر سکتے ہیں تاکہ ضرورت کے دن کام آئے۔

شوق کے جانور

لیکن اگر وحشی بے پروا اور حریص ہے تو وہ اکثر محبت دار اور کھلنڈرا بھی ہے۔ اگر اوس کو اس قدر کھانے کو مل گیا ہے جس قدر وہ کھا سکتا تھا تو وہ اپنے پکڑے ہوئے جانوروں کو مارنیکے بجائے اون سے تفریح کرکے دل بہلاتا ہے اس دوستانہ تعلق میں بلاشک پہلے پہلے بلی اور چوہے کا بڑا حصہ ہے۔ مگر جس قدر زمانہ گزرتا جاتا ہے وحشی بھی اپنے پکڑے ہوئے جانوروں سے محبت کرنا خوب سیکھ جاتا ہے۔ اور یہانتک نوبت پہونچ جاتی ہے کہ خود بھوک کی مصیبت برداشت کرلیتا ہے مگر اون جانوروں کو نہیں مارتا۔ بالفاظ دیگر قدیم ترین پالو جانور "شوق کے جانور" تھے جن کو کسی خاص فائدہ کی غرض سے نہیں بلکہ محض کھیل تفریح کے لئے پالا جاتا تھا۔ اور اس موقع پر یہ بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ جو جانور اس کام کے لئے منتخب کئے جاتے تھے۔ وہ تمام پکڑے ہوئے جانوروں میں سب سے زیادہ خوبصورت اور نظر فریب ہوتے تھے۔ جانور پالنے کے فن کی تمام تاریخ خوبصورتی کیساتھ انگریزی زبان کے دو معنی فعل "پسند کرنا" سے ظاہر کیجا سکتی ہے۔ قدیم معنی میں "پسند کرنا" کا مطلب کھانیکے لئے منتخب کرنا اور بعد کے زمانہ میں "رکھنے کیلئے پسند کرنا" ہیں مثلاً میں بکری کا گوشت پسند کرتا ہوں اور میں اپنے کتے کو پسند کرتا ہوں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ وحشی اپنی قوم کی بہت عزت و توقیر کرتا تھا اس لئے ممکن ہے کہ اس کی پسند پر اس کا اثر پڑا ہو۔

فراہمی خوراک

مگر اس میں شبہہ نہیں کہ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا گرسنگی کا احساس محبت کے جذبات پر غالب آتا گیا اور پالو جانور خوراک کے لئے ذبح ہونے لگے اور آخر کار وحشیوں کے دل میں اس امر کا احساس پیدا ہونے لگا کہ شوق کے لئے جانوروں کا پالنا" فی الحقیقت ایک فائدہ مند کام ہے کیونکہ ایسا کرنے سے انسان قحط سالی کی مصیبت سے محفوظ رہتا ہے۔ چنانچہ یہ کام بتدریج زیادہ عام ہونے لگا اُسکے بعد تجربہ سے وحشیوں نے یہ سیکھا کہ اگر پالو جانوروں کو ذبح بھی نہ کیا جائے تب بھی اوس کے شوق کے جانور زیادہ فائدہ مند کام میں لگائے جا سکتے ہیں۔ اسیطرح بھیڑ کی اون، بکری کے بال اور گائے کا دودھ وحشیوں کے لئے ایک نعمت ربانی معلوم ہونے لگا۔ اوس سے بھی زیادہ یہ بات ہوی کہ اوس کے پکڑے ہوئے جانوروں کے بچوں سے جوں جوں اضافہ ہوتا تھا۔ اوس کو خوشی حاصل ہوتی تھی اور اوس کی صحرائی معلومات اور جنگلی حالت میں

جانوروں کی عادات کا جید مشاہدہ اوس کو اسکے جدید پیشے یعنی گلوں کی نسل بڑھانے اور انکی پرورش کے کام میں مدد دینے لگا - مگر جب اوس نے اسقدر ترقی کرلی تو وحشی اب وحشی نہ رہا بلکہ اب وہ گلہ بان "چوپان" ہوگیا -

تبدیلی کے نتائج

اب ہمیں اون خاص اثرات کو دیکھنا چاہیے جو "گلہ بانی" اختیار کرنے سے معاشرتی انتظامات پر پڑے -

رشتہ داری بذریعہ ذکور

سب سے اول یہ دیکھنا زیادہ مشکل نہ معلوم ہوگا کہ اوس کام سے رشتہ داری بذریعۂ ذکور کا قیام کیونکر ہوا - وحشی یا شکاری حالتمیں شکار کا کام خاص طور پر مرد کرتے تھے عورتیں اگرچہ وہ بھی کبھی کبھی شکار میں لگجاتی تھیں، زیادہ تر اسلحہ کے لیجانے پھندوں کے لگانے اور دیگر کم درجہ کے کام میں مصروف رہتی تھیں - اونکا اصلی کام پڑاؤ کی نگرانی - کھانا پکانا اور وہ کام جو ہمیشہ ناگزیر طور پر عورتوں سے متعلق رہا ہے یعنی بچوں کی نگہداشت ہوتا ہے لہذا قدرتاً اگرچہ الضافاً نہیں، وہ جانور جو پورے گروہ کی خوراک پورا ہونیکے بعد بچ جاتے تھے مخصوص طور پر اوس شخص کی ملک خیال کئے جاتے تھے جس نے انکو گرفتار کیا تھا - لہذا وہی شخص اونکا انتظام اور تربیت کرتا تھا اور کچھ دنوں بعد وہ اوس کی ملکیت شمار کرلئے جانے لگے - حق ملکیت کے اہم دستور کی ابتدا پر جو خیال آرائی کیجاتی ہے اون میں اکثر کہا جاتا ہے کہ ملکیت کا اولین حق گرفتار کرنا (یا قبضہ) ہے - یہ قول مشکل سے صحیح ہوسکتا ہے، کیونکہ وحشی معاشرت کے حالات سے عموماً یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گرفتار شدہ جانور، جس حد تک اونکی ضرورت خوراک کے لئے ہوسکتی ہے، کل گروہ کا مشترکہ سرمایہ خیال کئے جاتے ہیں - مگر جب پیٹ کے لئے اپنی ضروریات پوری ہولیں تو گرفتار کنندہ کو اجازت ہوتی ہے کہ باقیماندہ جانوروں کو شوق کے لئے رکھ چھوڑے اور جب اون جانوروں سے اوس کی محبت بڑھجاتی ہے تو وہ اون جانوروں میں غیر شخص کی شرکت یا دخل پسند نہیں کرسکتا - یہی بات بچوں میں دیکھ لیجیے جو بہت سی باتوں میں وحشیوں کی طرح ہوتے ہیں کھلونوں کے متعلق بچہ یہ خیال نہیں کرتا کہ وہ اسس تک کیونکر پہونچے بلکہ یہ سوچتا ہے کہ اُن سے کھیلتا کون ہے؟ میں ہمیشہ اس کھلونے (گڑیا) سے کھیلتا ہوں لہذا یہ میرا ہے" یہی خیال وحشی آدمی کا اپنے بیل یا بکری کے متعلق ہوتا ہے -

مشاغل گلّہ بانی

بعد ازاں جب جانور پالنے کے تمام فوائد معلوم ہوجاتے ہیں تو وحشی "غول" بتدریج گڈریوں یا گلّہ بانوں کی جماعت میں منتقل ہوجاتا ہے جس میں مرد تو مویشی چراتے ہیں اور عورتیں کم درجہ کے کام کرتی ہیں جیسے اُون کاتنا، گائے بکری کا دودھ دوہنا، مکھن اور پنیر بنانا، مرد گلّوں اور دھن کو چراگاہوں اور ندیوں پر لیجاتے ہیں، اُن کی نسل بڑھاتے ہیں، دشمنوں سے گلّوں اور باڑھوں کی حفاظت کرتے ہیں، جو جانور خوراک کے کام میں لایا جائیگا اوس کو پسند کرتے ہیں، اور باربرداری کے جانوروں کو سدھاتے ہیں۔

محنت کی قدر وقیمت

مگر ان کاموں میں رفتہ رفتہ مردوں کو معلوم ہوجاتا ہے کہ محنت بھی ایک قیمتی چیز ہے۔ ایک آدمی کو، جو مویشی پالنے میں کامیاب رہا ہے اپنے گلّوں کو باترتیب رکھنے کے لئے "آدمیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ یعنی علاوہ اوس خانگی محنت کے جو عورتیں کرتی ہیں، اوس کو باہر کے کاموں کیواسطے آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے جو جانوروں کو گم ہونے یا چوری جانے سے بچائیں اور جو صبح کو گلّوں کو ہنکاکر چراگاہ میں لیجائیں اور شام کو واپس لے آئیں۔ یہی ضرورت غالبًا عہد شبانی کی دو بڑی رسموں "یعنی" "مستقل شادی" اور "غلامی" کا ماخذ ہوئی ہے۔ درحقیقت اگر ہم ان دونوں باتوں کا ساتھ ساتھ تذکرہ کریں تو ہم دیکھینگے کہ وہ بے محل نہ ہوگا۔ گرچہ زمانۂ حال کے کانوں کو کسیقدر گراں ضرور گزریگا۔

مستقل ازدواج

ہم پیشتر اشارہ کرچکے ہیں کہ مستقل ازدواج بھی آبائی معاشرہ کی ضروری خصوصیات میں داخل ہے اور وہ مصنفین جو محض سطحی نظر رکھتے ہیں اکثر لکھتے ہیں کہ اس کا وجود اخلاق یا مذاق کی کسی موہوم ترقی کیوجہ سے ہوا ہے۔ بدقسمتی سے واقعات اس سے کسیقدر کم درجہ کے اسباب کی طرف اشارہ کرتے ہیں یعنی "مرد کی اپنی ذاتی خدمات کے لئے عورت اور اوس کے بچوں کی محنت حاصل کرنیکی خواہش" اگر تبدیلی کسی اعلیٰ اخلاقی خیال کیوجہ سے ہوئی ہوتی تو غالبًا ہمکو جدید نظام میں دو طرح کی خصوصیتیں نظر آتیں (۱) مرد و عورت کے درمیان مساوات تعداد (۲) طرفین کی شادی کے بارہ میں آزادانہ رضامندی۔

افسوس ہے کہ آبائی معاشرہ میں، کم از کم ابتدائی درجہ میں، واقعات اس کے

خلاف ہیں عام قاعدہ کثرت ازدواج یعنی بیویوں کا متعدد ہونا ہے - اور اگرچہ خاوند دوسرے مرد کیساتھ اپنی بیوی کے تعلقات کی چنداں پروا نہیں کرتا مگر وہ اوس کی محنت سختی کیساتھ اپنے لئے مخصوص رکھتا ہے - اور عورت کے تمام بچے خواہ اونکا واقعی باپ کوئی بھی ہو، اوسی مرد کے ہوتے ہیں - علاوہ ازیں قدیم زمانہ کے نکاح کرنیکے طریقے جیسے "لے بھاگنا" یا گرفتار کرلیجانا، یا خریداری" بلا تامل یہ نتیجہ پیدا کرتے ہیں کہ مناکحت کے معاملہ میں عورت کی کوئی آواز نہیں ہوتی تھی "گرفتار کرلیجانے" کی صورت میں خاوند اپنی بیوی کو ہمسایہ قبیلہ سے جبراً پکڑ لیجاتا تھا اور اب تک حالانکہ اصلی رسم غائب و معدوم ہو چکی ہے، اوس کی جھوٹ موٹ نقل دنیا بھر میں رائج ہے - اظہار جبر کے بعد عورت کا نکاح کے لئے آمادہ ہونا شرافت و سلیقہ کی نشانی خیال کیا جاتا ہے - زمانۂ حال کے طرز معاشرت میں بھی "شہ بالا" گو اون دوستوں کی بچی کھچی نشانی شمار کیا جاتا ہے جو قدیم زمانہ میں دولھا کیساتھ جاکر جبراً بیوی لانے میں اوس کی مدد کیا کرتے تھے - اور دولھن کی سہیلیاں اون عورتوں کی نشانی ہیں جو اوس کو ڈاکو خاوند سے بچانے میں مدافعت کیا کرتی تھیں اور برات گویا نشانی ہے دولھن کو اوس کے ناراض رشتہ داروں سے چھین کے لانے والے جلوس کی - ازدواج کی زیادہ پر امن صورت یعنی "نکاح بذریعۂ خریداری" میں دولھن بازار کا سودا بنجاتی ہے جس کی قیمت بھیڑ یا مویشی کی صورت میں اوس کے مالک یا اعزا کو دیجاتی ہے زمانہ حال کے زیادہ مہذب عہد میں "بیوی کی قیمت" یا مہر خود بیوی کا حصہ ہوتا ہے - اور بصورت مہر یا بصورت تحائف شادی دولھن کو دیجاتی ہے تاکہ آیندہ خانہ داری میں کام آئے - قدیم زمانہ میں یہ قیمت دولھن کے رشتہ داروں کو زر نقد نہیں تو مویشی کی صورت میں دیجاتی تھی جو بوجہ شادی اوس کی خدمات سے محروم ہو جاتے تھے - ہمکو معلوم ہے کہ (توریت میں کتاب پیدائش کے بیان کے مطابق) حضرت یعقوب ؑ نے بیویاں حاصل کرنے کا خود مزدوری کرکے معاوضہ ادا کیا - مگر شاید یہ واقعہ مستثنیات میں ہے - ابائی معاشرہ میں در حقیقت بھر حسین و توانا لڑکیوں کا باپ دولتمند آدمی ہوتا ہے -

غلامی

غلامی کی ابتدا رہوتی ہے اسیران جنگ کو زندہ رکھنے کی رسم سے یعنی بجائے قتل کرنے کے اون کو قید رکھا جاتا ہے وحشی

جماعتوں میں جنگ عموماً کمی خوراک کے سبب سے ہوتی ہے اور جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان کیا جاچکا ہے، دشمن گروہ کے افراد کو مار کر کھا جانا اوس کا نتیجہ ہوتا تھا۔ مگر جب سامان خوراک یقینی طور پر بڑھنے لگا، جو پیشہ شبانی یعنی مویشی پالنے کا اثر تھا، مردم خواری کی رسم غیر ضروری ہوگئی اور قیدیوں کو زندہ رکھا جانے لگا تاکہ قید کرنیوالے اون سے کام لیں۔ ممکن ہے کہ رسم غلامی کے فوائد کا تذکرہ کرنا کیسقدر غیر موزوں معلوم ہو مگر تاریخ کے طالب علم کو سب سے پہلے جو سبق پڑھنا پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ جو باتیں "ہمکو اسوقت "خراب معلوم ہوتی ہیں" کسی زمانہ میں "درحقیقت ان سے بھی بڑی رسموں کی ترقی یافتہ صورت ہونگی۔ غلامی ایک مکروہ قبیح رسم ہے مگر مردم خواری سے تو اچھی ہے۔ علاوہ ازیں ہم دیکھتے ہیں کہ ترقی کیجانب جو قدم اوٹھایا گیا۔ وہ اعلی خیالات اخلاق کی بنا پر نہیں تھا بلکہ عملی صورت آرام پر۔ اخلاق ارتقاے معاشرت کا نتیجہ ہے، سبب نہیں ہے۔

شبانی قبیلہ

اب ہم نے دیکھ لیا کہ "گلہ بانی" نے وحشی گروہ کو مع اوس کے پریشان و منتشر نظام دتعلق دازدواج کے شبانی "قبیلہ" میں مع اوس کے مستقل عقدوں اور رشتہ داری بذریعہ ذکور کے مبدّل کردیا دولھن خود اپنے قبیلہ یا گھرانے کو چھوڑ جاتی ہے اور اپنے خاوند کے قبیلہ یا گھرانے کا رکن بنجاتی ہے "گرفتاری" یا "خریداری" کی وقت طلب مصلحتوں پر اس لیئے عمل کیا جاتا ہے کہ وہ جبلت، عہد وحشت میں نشو ونما پا چکی تھی جاری رہے اور قریبی رشتہ داروں میں شادی بیاہ نہ ہوسکے۔ غالبًا رشتہ داری کے قطعی نبود کے اندازہ سے اسباب کا تصفیہ کرنا پڑتا تھا کہ دولھن کو ہمسایہ قبیلہ سے گرفتار کرکے لایا جائے یا اوسی قبیلہ کے کسی دوسرے گھرانے سے خریدا جائے۔ یہ قاعدہ مختلف حالات میں مختلف ہوتا ہے۔ مگر بہرصورت گھرانے میں خاوند تنہا صاحب اختیار شخص ہوتا ہے۔ اوس کی بیویاں، بچے، غلام اور جانور اوس کے مطلق العنان حکم کے ماتحت ہوتے ہیں اور سب کے سب اسی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں۔

راہ ارتقاء

وہ عظیم تغیر جو وحشی جماعتوں میں شادی بیاہ کے ڈھیلے ڈھالے رشتوں سے شبانی گھرانوں کی مستقل (مگر کیسقدر ظالمانہ) صورت اختیار

کرنے میں بتدریج واقع ہوا اوس کے مختلف مدارج کا دریافت کرنا بہت مشکل ہے مسٹر رابرٹسن اسمتھ نے اپنی کتاب ہوسوتہ قدیم عرب میں برادری اور مناکحت میں نہایت ہوشیاری کیساتھ اس طریقہ کیطرف اشارہ کیا ہے اور معاشرۂ آبائی والے اعراب میں سابق وحشی حالت معاشرت کی نمایاں علامات ظاہر کی ہیں۔ مصنف مذکور نے ظاہر کیا ہے کہ طویل حالت جنگ اور باہمی تنازعات کا وجود ایسے ہی نتائج میں منتج ہوسکتا تھا۔ مسافی طبقۂ ذکور کو جنگی اغراض کے لئے مختلف گروہوں میں جمع کر لیا جاتا تھا اور ہر مرد اپنے بیوی بچوں کی حفاظت نہایت غیرت کیساتھ کرتا تھا۔ مگر اس توضیح وتوجیہ کی راہ میں اسقدر مشکلات ہیں کہ اونپر عبور نہیں کیا جاسکتا۔ آبائی گھرانے کا خیال آخری چیز ہے جو کسی جنگجو مرد کے دل میں جگہہ پاسکتی اور جس کا بار کوئی سپاہی اپنی طبیعت پر ڈالنے کی پروا کرتا اور جنگی رعایتوں کے زمانے ایسے زمانہ نہیں ہوتے جن میں رشتۂ ازدواج کو مداومت ہوسکتی۔ بحیثیت مجموعی یہ خیال کیسقدر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ حق ملکیت کی نوخیز رسم خاص وجہہ تھی جس سے آبائی قبیلہ اور خاندان وجود میں آیا۔ انگریزی لفظ فیملی (Family و خاندان) کی بابت کہا جاتا ہے کہ اس کا مادہ ایک لاطینی لفظ "فامل" (Famel) ہے جس کے معنی "غلام" ہیں۔

پیشۂ شبانی کے دیگر نتائج

اس باب کو ختم کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک دو اور اہم بڑے فائدوں کا سرسری ذکر کردیں جو ترقی تمدن وتہذیب کو پرورش حیوانات سے حاصل ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ سامان خوراک کی زیادہ کثرت وباقاعدگی اور لباس وجائے پناہ میں اضافہ کیوجہ سے تعداد نفوس اور صحت وجسم میں ترقی ہوگی۔ مگر ساتھ ہی اس کا بڑا اثر یہ بھی ہوگا کہ دو قبیلوں یا دو خاندانوں کے قوائے جسمانی اور شوکت میں بھی فرق پڑجائیگا۔ وحشی جماعتیں ایک دوسرے سے بہت ملتی جلتی ہیں اور ایک وحشی قبیلہ زیادہ تر ایسا ہی ہوتا ہے جیسا دوسرا قبیلہ۔ مگر آب وہوا کی حالت میں اور مویشی کی پرورش اور پیداواری میں ہوشیاری اور ہنرمندی یہ ایسی چیزیں ہیں جن سے عہد شبانی میں افراط وتفریط ضرور نمایاں ہوجائیگی۔ ایک قبیلہ تونگر ہوجائیگا مگر دوسرا غریب کا غریب رہیگا۔ اوسی ایک قبیلہ میں بعض گھرانے دوسروں سے زیادہ دولتمند ہوجائینگے کیونکہ جسقدر کسی گھرانے کا صاحب خانہ اعلیٰ طاقت وہنرمندی صرف کریگا اوسیقدر اوس کے مویشی دوسروں سے زیادہ بڑھجائینگے۔ آئرستان کی قدیم طرز معاشرت

کی تنظیم بھی نہایت باریکیوں کیساتھ مختلف طبقات میں ہوئی تھی جس میں عام افراد کو دولتمند مالکان مویشی سے ممیز کیا گیا تھا اور پھر اون میں بھی دولتمندی کے مختلف درجونکی تقسیم کی گئی تھی۔ اور رکنیت کی قدیم یکسانی وہمرنگی آخر کار اوس رسم کے اجرا سے مفقود ہو گئی جس میں دولتمند مالکان مویشی قبیلہ کے غریب آدمیوں کو باقاعدہ کرایہ کے بالعوض دیدیا کرتے تھے اور کبھی کبھی ضیافتیں بھی قرضدار کے یہاں جاکر اوڑایا کرتے تھے اگرچہ بہانہ صرف یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے مویشیوں کی حالت دیکھنا چاہتے ہیں۔

جدید خیالات

ایک بار پھر پرورش حیوانات کی رسم دو بڑے خیالوں کا سبب ہوتی ہے ہاجن کے بغیر متمدن اور مہذب طرز معاشرت کی موجودہ صورت میں ہوسکتی نہیں رہ سکتی تھی۔ یہ دونوں خیال "منافع" اور "سرمایہ" کے ہیں۔ منافع آجکل کسی تجارتی کاروبار میں بچتہ فائدہ کو کہتے ہیں۔ ابتداءً یہ پالو جانورونکی ذریت تھی۔ جس گھرانے میں ایک سال درجن بھر بکریاں تھیں ممکن ہے کہ دوسرے سال اوسمیں (۲۰) بکریاں ہو جائیں۔ یہی خیال بتدریج وسعت پذیر ہوتا گیا اور تمام صنعت وحرفت کے کام فی زمانا اسی خیال پر مبنی ہیں۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اگر گلوں میں نئی پیدائشیں نہ ہوئیں تو شبان یہ سمجھ سکتا ہے کہ وہ کم از کم اپنے مویشیوں کی تعداد میں تخفیف کئے بغیر اونکی پیداوار یعنی بھیڑوں کی اون اور گائے بکری کے دودھ پر گذارہ کرسکیگا۔ یہ انکشاف اوس کو اس بات کی ترغیب دیگا کہ وہ اپنے جانوروں کو محفوظ رکھے یعنی اون کو ذبح نہ کرے تاکہ اون سے مستقل ومسلسل یافت ہوتی رہے۔ یہی اصل میں وہ چیز ہے جس کو ہم "سرمایہ" کہتے ہیں۔ یہ آیندہ دولت پیدا کرنیکے لئے بچائی ہوئی دولت ہے۔ مگر وحشی معاشرت میں ان اعلیٰ خیالات کی گنجائش کہاں تھی؟ یہ براہ راست چوپانی کے کاروبار کے نتائج ہیں پس ہم دیکھتے ہیں کہ وہ سست اور شکم سیر وحشی جو اپنے زائد اور فاضل اسیر کردہ جانوروں کو تھپک تھپک کر دل بہلایا کرتا تھا فی الحقیقت تاریخ عالم میں ایک انقلاب کی ابتدا پیدا کر رہا تھا یہ ایک عجیب بات ہے کہ متمدن اور مہذب آدمیوں میں سے نئے جانوروں کے پالنے کی قوت بالکل مفقود ہوگئی ہے کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ جسقدر پالنے کے قابل جانور تھے وہ پالے جاچکے یا مہذب آدمی جنگلی جانوروں سے اسقدر مختلف ہوگیا ہے کہ وہ اون کے سمجھنے کا فن بھول بیٹھا۔

باب ۵

قبائلی تنظیم

اب ہم اوس منزل پر پہونچتے ہیں کہ وہ طریقہ بیان کریں کہ معاشرہ اپنی تنظیم کرکے اس آبائی وجود کی ضروریات کو کیونکر پورا کرتی جس کی تشریح کرنیکی ہم نے گذشتہ ابواب میں کوشش کی ہے۔ اور اس موضوع پر بحث کرنے کے لئے ہم پسند کرکے جزائر برطانیہ کلٹی (Celtie) اقوام کی مثالیں لینگے جو ابھی تھوڑا ہی زمانہ ہوا آبائی معاشرہ کے درجہ میں تھیں۔ اور ہندوستان کے اون باشندوں کی بھی مثالیں لینگے (جیسے اہل پنجاب) جو اتبک بھی آبائی معاشرت کے دستور و آئین کے مطالعہ کے لئے نہایت بیش قیمت مواقع پیش کرتے ہیں۔ کبھی کبھی ہم اور مثالیں بھی درج کرینگے، جیسے زمانۂ ہومر کے یونانی، قدیم اہل روما، نیوزیلینڈ کے ماوری اور عرب کے بدوی تاکہ ہمارا میدان عمل وسیع رہے اور ہمکو معلوم ہو کہ نشو ونما کا یہ پہلو کسقدر کشادہ ہے۔ لیکن اگر ہم صرف ایک ہی نمونہ کا دقیق نظری سے مطالعہ کریں تو ہمارے بیان میں زیادہ جان پڑ سکیگی۔

قبیلہ

آبائی طرز معاشرت میں، جیسا کہ ہم پیشتر بیان کرچکے ہیں، سب سے بڑا اہم گروہ "قبیلہ" ہے، یعنی لوگوں کی وہ جماعت ہے جو خود کو کسی دور دراز زمانہ کے مورث اعلیٰ کی نسل میں سمجھتے ہیں بلکہ یقین کرتے ہیں ہم نے دیدہ و دانستہ مناسب سمجھکر الفاظ "یقین کرتے ہیں" استعمال کئے ہیں، کیونکہ اگر ہمارا بیان قبیلہ کی ابتدا کے متعلق صحیح ہوا، تو ثابت ہو جائیگا تو وراثت ذکور کے قاعدہ نے اوس وقت نشو ونما پائی جب کہ گروہ کے وجود کو دو تین بلکہ ہزاروں برس گذر چکے تھے مگر برائے نام "رشتۂ ذکوری" کے آغاز سے گروہ کے وجود کا بدرجہ حق الیقین اعتقاد خود اہل قبیلہ کی اون دلچسپ کوششوں سے ظاہر ہوتا ہے جو ذکوریں سے اپنا ایک ہی

مورث اعلیٰ Eponym دریافت کرنے کے لئے وہ کرتے ہیں مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ وقائع نگاران تاریخ برطانیہ اپنے قبیلہ کو برو ٹس ساکن ٹرائے Brutus of Troy نبیرۂ اینیاس کی نسل سے ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ اسٹریتھ کلائڈ کے کیمری Cymry of Stratheclyde کے بارہ میں ایک قدیم تحریر میں درج ہے کہ وہ سب کے سب ایک شخص "کوئل ہین" Coel Hen کی نسل سے ہیں جسکا نام صوبہ آئرشائر کے مختلف مقامات کے ناموں میں پایا جاتا ہے۔ ہر وہ ٹیوٹانی Teutonic یا قدیم جرمن فرقہ جو برطانیہ میں آ بسا تھا، خود کو نازو سے سویڈن کے مشہور سورما اوڈن Oden کی اولاد بیان کرتا ہے۔ پنجاب کے بلوچ خود کو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ عم حضرت (محمد رسول اللہ) کی اولاد بیان کرتے ہیں۔ اور انھیں کے قرب و جوار کے پٹھان باشندے خود کو طالوت، اول شاہ بنی اسرائیل کی اولاد کہتے ہیں۔

قبیلہ کی رکنیت

مردانہ رشتہ داری کو جب اسقدر وقعت دی جاتی ہے تو یہ معلوم کرنا تعجب انگیز نہیں ہوگا کہ قبائلی معاشرۃ میں کوئی شخص قبیلہ کا پورا رکن شمار نہیں کیا جا سکتا تا وقتیکہ وہ کسی کامل اہل قبیلہ کا حقیقی فرزند نہ ہو۔ صرف ایسے ہی شخص کو قبیلہ کی تمام چیزوں میں شرکت کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اور صرف یہی شخص قبیلے کی مذہبی رسوم میں شریک ہو سکتا ہے مگر امر واقعی یہ ہے کہ تمام آبائی قبائل میں اجنبیوں کی بڑی تعداد ملی ہوی رہتی ہے۔ اگرچہ ان کے اور قبیلہ کے کامل رکن کے درمیان وسیع خلیج اختلاف ہوتی ہے مگر پھر بھی اونکو معاشرتی وقعت کے مختلف درجے دیے جاتے ہیں مثلاً بہت سے قطعی "اجنبی" ایسے موجود ہیں جنکو آئرستانی "فوئی ڈہیر" اور ویلز کے قانون میں "التوڈ" Fuidhirs and Alltuds کہتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بذریعۂ تبنیت یا کم و بیش بذریعۂ مہمان نوازی دیگر قبائل سے توڑ لئے گئے تھے۔ غالباً انھی کیساتھ اون توطن پذیر اجنبیوں کی اولاد بھی رہتی ہے جو قبیلہ کی عورتوں سے شادی بیاہ کر کے پیدا ہوئی ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بصلۂ خدمات حسنہ یا بہت سی پشتیں گذر جانے پر ان لوگوں کو قبیلہ میں پورے حقوق دیدیے جاتے ہیں اور وہ اوس میں شامل کر لئے

جاتے ہیں۔

سرف یا غلامان زرعی

پھر قبیلہ میں زرعی غلاموں اور حلقہ بگوشوں کے بھی مختلف درجے تھے، کیونکہ، جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں، شبانی معاشرت کو ارزاں مزدوری کی بیحد فکر رہتی تھی۔ یہ لوگ غالباً ہمسایہ قبائل پر تاخت وتاراج کا حاصل تھے یا وہ لوگ تھے جنکو ہم فی زماننا "مجرمان سزا یافتہ" کہتے ہیں جو، اوس طریقہ کے بموجب جس کا تذکرہ ہم آیندہ کرینگے، اپنے پہونچائے ہوئے نقصانات کی تلافی کرنے سے قاصر رہے تھے۔ ان غلاموں کو یا تو بطور چرواہوں اور چوپایوں کے کام میں لگایا جاتا تھا یا (کچھ عرصہ بعد) زراعتی مزدوروں میں رکھے جاتے تھے، جیسے آئرستان کے "سنکلائتھ Sencleithe دیلز کے "ٹیوگ" Toeogs یا اون کو بطور خانگی غلاموں کے رکھا جاتا تھا۔

مراتب اندرون قبیلہ

مگر یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ کل اہل قبیلہ کے درمیان بھی قاعدہ کے طور پر مساوی مراتب ہوتے تھے یہ سچ ہے کہ ہر آزاد اہل قبیلہ کو چراگاہ، شکارگاہ، حلقہ اعزہ (قریبی رشتہ داروں کی حفاظت کا حلف) اور اپنے اسلحہ اور زرہ بکتر کے استعمال کرنیکا حق حاصل ہوتا تھا۔ مگر اس میں شک ہے کہ ابتدا ہی سے، جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، قبیلہ کی خاص دولت یعنی مویشی، بھیڑ بکری اونٹ وغیرہ، ذاتی ملکیت خیال کیجاتی تھی، اور کہ وہ قبیلہ والا جو اتنا خوش قسمت نہیں تھا کہ جانوروں کو بطور ترکہ پدری یا خود گرفتار کر کے حاصل کرتا اور نا قابل رشک حالت میں ہوتا تھا۔ جیسا کہ قوانین آئرستان میں درج ہے کہ وہ محض "کم درجہ کا آدمی" Fer midba ہوتا تھا۔ "مویشی کا مالک" Boaire نہیں ہوتا تھا۔ درحقیقت اوس کی حالت آج کل کے عام "آزاد" مزدور کی سی تھی جو اکثر دیکھتا ہے کہ اوس کی مزعومہ آزادی بھوکوں مرنیکی آزادی سے زیادہ کچھ وقعت نہیں رکھتی۔

شرفاء

معاشرت کی اس حالت میں انسان اکثر ایک بڑے وسیلہ کی پناہ لیتا تھا، جو بہت ہی دلچسپ ہے، کیونکہ یہ اوس قدیم ترین رسم و دستور، یعنی آئین۔ "زمینداری" کی ترقی یافتہ صورت تھا جس نے تاریخ عالم میں اسقدر دخل پایا کہ اس قدیم زمانہ میں لفظ "زمینداری" مالکان اراضی کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا تھا

بلکہ مالکان مویشی کے لئے ہوتا تھا، کیونکہ اسوقت زمین کو شخصی ملکیت کے قابل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ دولتمند "مالک مویشی" Boaire اپنے چند جانور غریب "ادنی درجہ کے آدمی" Fer midba کو قرضہ پر دیدیتا تھا، جو کچھ عرصہ کے لئے اون مویشیوں کو لیکر سالانہ محصول برائے خوراک دینا منظور کرتا تھا جو زمین کی پیداوار کا ایک حصہ ہوتا تھا اور مالک مویشی اور اوس کے احباب کو سال میں چند بار ضیافت دینا بھی منظور کرتا تھا۔ جو قرضدار مویشی Ceile کو قبیلہ کی چراگاہ میں جانوروں کی ایک خاص تعداد چرا لینے کا حق حاصل ہوتا تھا، اس لئے غالباً اس انتظام کے بعد بسر اوقات کے لئے کچھ بچ جاتا تھا اگر اوس کے کچھ اپنے مویشی بھی ہوتے تھے تو "اوسکو" "آزاد کاشتکار" کہا جاتا تھا، لیکن اگر اوس کا دھن کا دھن قرض کا ہوتا تھا تو وہ مالک مویشی کا "قرضدار مزارعہ" Saer ceile بنجاتا تھا، یعنی اصطلاحی طور پر "غلام" یا غیر آزاد تو ہوتا نہیں تھا مگر اوس کا درجہ بہت ہی ادنی شمار کیا جاتا تھا۔

مدارج شرفار

قبیلہ کے دولتمند یا شرفار کے کئی معاشرتی درجے تھے جن کا امتیاز اون کی دولت سے ہوتا تھا۔ مگر یہ اسقدر زیادہ وقعت نہیں رکھتے، اگر رکھتے ہیں تو محض طریقہ خوں بہا کے تعلقات سے، جس کا ذکر ہم آیندہ کرینگے۔

عہدہ داران قبیلہ

علاوہ آزاد اور غلام، شرفار و معمولی آزاد آدمیوں کی تقسیم کے قبیلہ کے اندر عہدہ داران کی بھی زبردست تنظیم ہوتی تھی۔

۱۔ سردار یا رئیس قبیلہ

سردار یا رئیس قبیلہ کو بانی قبیلہ سمجھا جاتا تھا اور یہ شخص قبیلہ کی کسی خاص شاخ کا عموماً معمر ترین مرد ہوتا تھا۔ اسپنسر اور گلن نے بتلایا ہے کہ وحشیان آسٹریلیا میں، جنکو ہم نے وحشی معاشرت کا نمونہ قرار دیا ہے، سرداری یا قیادت کی کوئی رسم نہیں ہے، اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اون میں اکثر ایسے اشخاص ہوتے ہیں جو بلحاظ قوت جسمانی یا معروضہ عقل دوسروں پر زبردست اثر رکھتے ہیں۔ مگر آبائی معاشرت میں قبیلہ کا کوئی نہ کوئی نمایندہ ضرور ہوتا ہے آئرستانی اوس کو "ری" ویلز والے "پین" Pen اسکاٹلینڈ والے "مورسلیر"، جرمن قبائل کی ننگ (جو انگریزی لفظ "کنگ" King بادشاہ کا مادہ ہے)، بوچی "تومان دار" اور پٹھان لوگ "خان" کہتے ہیں۔ یہ منصب نسلاً بعد نسل چلتا تھا۔ یعنی موروثی ہوتا تھا،

ہمارے زمانے کے معنی میں نہیں، بلکہ، اس معنی میں کہ مخصوص نسل کا معمر ترین مرد، بشرطیکہ وہ بوجہ ضعف اعضا یا بیماری کے ناقابل نہو، اس منصب کا مقدار ہوتا تھا - ویلز کے قوانین میں اس کے متعلق کیا دلچسپ عبارت درج ہے "معمر ترین قابل اور کارگزار آدمی جو خاندانکی پشت میں ہے"۔ ان قوانین میں اس کے فرائض حسب ذیل شمار کئے گئے ہیں :-

(ا) وہ اپنے قبیلہ کا نفس ناطق ہونا چاہئے، اور ایسا کہ اوس کی بات سب سنیں -

(ب) اوس کو اپنے قبیلہ کی حمایت میں جنگ کرنا چاہئے اور وہ ایسا ہو کہ لوگ اوس سے خوف کریں -

(ج) اوس کو اپنے قبیلہ کا ضامن ہونا چاہئے اور وہ ایسا ہو کہ لوگ اوس کو منظور کرلیں - یا بالفاظ دیگر اوس کو خطیب، شجاع اور امین ہونا چاہئے اور اگر اس منصب کا کوئی امیدوار یہ خصوصیات نہ رکھتا ہو تو اوس کو علیحدہ کردینا چاہئے - غالباً بعض مصنفین کا یہی منشا ہوگا جب وہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ کا سردار "منتخب شدہ" ہوتا ہے - مگر وہ بیچارہ رائے دہی اور قرعہ اندازی کے صندوقچوں سے بہت پہلے زمانہ کا ہے - مگر بعض آبائی معاشروں یا قبائل میں ایسا انتظام کیا جاتا ہے، جس سے اون کی دانشمندی نمایاں ہوتی ہے، کہ وہ جانشین منظور کرنے سے پیشتر رئیس قبیلہ کی وفات کا انتظار نہیں کرتے - بہت سے قبائل میں ولیعہدی کا دستور رہے -

۲ - ولیعہد

ولیعہد جس کو آئرستانی زبان میں "تانسٹ" Tanist اور ویلز میں "تیئس بنتولو" Teisbanteuleu کہتے ہیں، وہ شخص ہے جو سردار قبیلہ کا جانشین ہوتا ہے، عموماً موجودہ سردار کی وفات کے بعد - جب آئرستان میں جرگوں کا رواج معدوم ہو گیا، تب بھی چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں یہ رسم جاری رہی اور یہی رسم تھی جس نے سب سے زیادہ ملکۂ الیزبتھ کے سیاست دانوں کو، جو آئرستانیوں کو انگریزی خیالات میں رنگنا چاہتے تھے، بدنام کیا - روس میں یہ دستور عرصہ تک "ویلیکی کنیاز" Veliki Kniaz یا شہزادۂ اعظم کی شخصیت میں جاری رہا - یہ شخص خاندان "رورک" Rurik یا اوس "وارنگی" یا "نارمن" Varangian or Norman گروہ کا سردار ہوتا تھا جنھوں نے نویں صدی عیسوی میں روس کو فتح کر لیا تھا - اس زمانہ کے بعد تک بھی یہ رسم مقدس سلطنت روما کی خصوصیت رہی جو علاوہ اپنے سردار "امپراطور" کے بطور حق اوسکا مقررشدہ جانشین بھی رکھتی تھی جس کو رومیوں کا

بادشاہ کہا کرتے تھے۔ اصلی سردار کے دوران حیات میں ولیعہد اوس کے نائب کے طور پر کام کیا کرتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ وہ "کام سیکھ رہا ہے"۔

قومی سورما یا بطل قبیلہ

یہ شخص جس کو آئرستان اور اس کاٹلینڈ میں "ٹوئی سیچ" Toisech ویلز میں "دیالور" Dialwr یا منتقم اور تیوتانی یا جرمن قبائل میں ہیرے توخ Heretoch یعنی "قائد عسکر" یا "امیر فوج" کہا جاتا ہے دو خصوصیتوں کیساتھ زیادہ دلچسپ شخصیت رکھتا ہے، ایک تو یہ کہ اوس کی ہستی کا آخری نتیجہ کیا ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ وہ اوس نظام معاشرت کی ایک قدیم مثال ہے جس کو "تخصیص مناصب" کہتے ہیں۔ ابتداءً جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں موروثی رئیس قبیلہ کے جنگجو جوانوں کا سردار بھی ہوتا تھا۔ لیکن، اگرچہ رئیس موروثی ہوتا تھا، مگر بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ باوجود قبیلہ کو حق استرداد حاصل ہونیکے، وہ اصلی جنگ میں کامیاب جنگجو ثابت نہیں ہوتا تھا۔ یہ ممکن تھا کہ وہ عقلمند اور صاحب توقیر ہو اور لوگ اوس کی عزت اور محبت کرتے ہوں، مگر وہ سپاہی نہیں ہوتا تھا۔ بوقت ضرورت قبیلہ کا رجحان طبیعت قدرتاً ارکان قبیلہ میں سے اوس شخص کیطرف ہوتا تھا جو جنگ میں بہت شجاعت اور ہنرمندی کا اظہار کر چکا ہو۔ اور ایک غیر رسمی طریقہ سے اوس کو منتخب کرکے اپنا امیر حرب بناتے تھے تاکہ وہ لڑائی میں اونکی رہنمائی کرے۔ پیشتر اوسیطرح سے جیسا کہ زمانہ مابعد میں روما والے اپنے "حاکم مطلق" Dictator کیساتھ کرتے تھے۔ صاف ظاہر ہے کہ جب یہ معاملہ دو تین بار ظہور میں آچکا تو "سورما" یا امیر حرب کا تقرر ایک مسلمہ رواج ہو گیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں عہدہ داروں یعنی رئیس قبیلہ ولیعہد اور سورما، کو قبیلہ کی اراضی میں خاص حقوق اور قبائلی تاخت و تاراج کی مہموں کے مال غنیمت میں زیادہ حصہ دیا جاتا تھا اور سال کے خاص خاص ایام میں اہل قبیلہ بھی اون کو رسمی اور مقررہ تحفہ تحائف دیا کرتے تھے۔ ان سہ گانہ حقوق میں سے پہلا حق تاریخ سیاسیات میں خاص وقعت رکھتا ہے۔

مجلس خواص

کونسل یا مجلس خواص کو آئرستانی برہون Berhon ویلز والے بنادور Benadwr تیوتانی۔ راشمبرگ

Rachimburg مسلمان قبائل "جرگہ" اور ہندو "پنچایت" کہتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اشخاص کی یہ جماعت رفتہ رفتہ ماتحت گروہوں کے رؤسا سے ملکر مرتب ہوئی تھی - طریقہ ترتیب کی پھر ہم اوس جگہ توضیح کرینگے جہاں ہم تنظیم و ترکیب فرقہ جات پر بحث کرینگے - اس مجلس کا سب سے بڑا فرض یہ تھا کہ قبیلہ کے رسم و رواج کو منضبط کر کے قائم رکھے اور اوس کی مذہبی و دیگر رسوم کو باقاعدہ رکھے - بظاہر یہ رواج اوس وقت میں خاص طور پر نہایت ضروری تھا جبکہ قبیلہ کی تعداد نفوس بڑھجاتی تھی اور خصوصاً اوس زمانہ میں جبکہ دنیا کی کوئی تحریری تاریخ موجود نہیں تھی - یہ اسوجہ سے اور بھی دلچسپ ہے کہ یہی رواج آیندہ زمانہ کی دستوری حکومتوں کا سنگ بنیاد ہوا اور تاریخی لحاظ سے اس کو قانونی عدالتوں، کابینہ ہائے وزارت اور پارلیمنٹ کا مورث اعلیٰ سمجھنا چاہئے بعض اوقات، جیسا کہ ویلز اور بعض یونانی قبائل میں، اس مجلس کے ارکان بہت کم یعنی صرف سات ہوتے تھے - اور بعض اوقات وہ بڑی بھی ہوتی تھی اور ممکن ہے کہ قبیلہ کے مختلف اور جداگانہ گھرانوں کے سرگروہ اس میں شامل ہوتے ہوں - بعد کے زمانہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس کے مختلف ارکان نے فرداً فرداً مختلف کام اختیار کر لئے - بعض محافظ انساب Ledger Keeper جنکو ویلز اور اسکاٹلینڈ میں بھاٹ "یا شناشی Synnachies کہتے تھے)، بعض پوجاری، پروہت، یا مقتدائے دین (ممکن ہے کہ ان کو ویلز میں ڈروئڈ Druids کہتے ہوں) اور بعض طبیب اور جھاڑنے والے وغیرہ بنگئے - مگر یہاں ہم کو صرف مجلس خواص یا "پنچایت" سے زیادہ تر بحث ہے اور اسی کا تذکرہ ہمکو دو امروں پر جو نہایت ہی تعلق رکھتے ہیں توجہ دلاتا ہے، یعنی مذہب قبیلہ اور قانون قبیلہ جن کے بیان پر اس باب کا اختتام مناسب ہوگا

قبیلہ کا مذہب

قبائلی مذہب اوس خیال کی حقیقت کا زبردست ثبوت ہے جس کا ہم پیشتر اظہار کر چکے ہیں - یعنی مذہبی تخیل کا دوسرا درجہ وہ ہے جس میں انسان بطور معبود یا دیوتاؤں کے اون ہستیوں کی پرستش یا پوجا کرتا ہے جو اوسی کے مانند انسان تھے یا ہیں اور فی الحقیقت جو اوس کے متوفی بزرگ ہیں "پرکھا پوجا" جو اس وقت بھی ممالک مشرق میں بنی نوع انسان کی کثیر جماعت کا مذہب ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو وجہوں سے پیدا ہوئی - ایک وجہہ تو

عالم ارواح کے وجود کا زبردست اعتقاد ہے، جس میں مردے رہتے اور زندوں کیطرح نقل وحرکت کرتے ہیں۔ اور لہذا اس کو مناسب طور پر اس عقیدہ کی کہ روح غیر فانی ہے ایک بیڈھنگی صورت کہا جاسکتا ہے۔ دوسری وجہ بزرگوں کا وہ احترام ہے جو آبائی گھرانے میں سرداری کے لئے اوس کی تاحین حیات ظاہر کیا جاتا ہے اور جو اوس کی وفات کے بعد رواجی عبادت کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ زیادہ ظالمانہ صورت میں یہ عبادت یا پوجا قربانی کرکے یا بھینٹ چڑھا کر ادا کیجاتی ہے۔ بھینٹ اون لوگوں کو انتقاماً چڑھایا جاتا ہے جن کے بارہ میں یہ خیال کرلیا جاتا ہے کہ یہی لوگ بزرگ قبیلہ کی موت کا باعث ہوئے ہیں۔ یا ممکن ہے کہ مردے کو عالم ارواح میں آرام وراحت پہونچانیکے خیال سے قربانی کیجاتی ہے۔ زیادہ مہذب صورت میں ابھی تک اس کا سلسلہ خانگی پوجا کی صورت میں جاری ہے، جس کا پتا اون دلچسپ رسموں میں چلتا ہے جن میں کھانا اور پانی، نذر، نیاز، دعا بھجن ہوتے ہیں اور جن کے احکام منوسمرتی اور رسوم کے متعلق دیگر ہندو شاستروں میں درج ہیں۔ "پرکھا پوجا" کا مرکز گھر کا الاؤ ہے جہاں مقدس اگنی جلتی ہوتی ہے اور پوجا پاٹ کیجاتی ہے۔ اور اس رسم کے جاری رکھنے سے ذات پات یا فرقہ بندی کی روح نہایت خوبی کیساتھ زندہ رہتی ہے اور یہی آبائی معاشرت کی جان ہے۔ اس میں کسیقدر شک ہے کہ آیا "پرکھا پوجا" ہندوؤں کی روزانہ زندگی میں اتنا ہی دخل رکھتی ہے جسقدر کہ مقدس کتب میں تبلایا جاتا ہے، یا نہیں۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا وجود اون باتوں کا ثبوت ضرور پیش کرتا ہے جنکی کیفیت پورے طور پر معلوم نہیں، اور جنکا حال مشرقی معاشرت ہی میں نہیں بلکہ قدیم یونان وروما کی تواریخ میں بھی نہیں ملتا۔ اون ناظرین کو جنکو اس قسم کے سلسلۂ تخیلات سے دلچسپی ہے ہم مشورہ دیتے ہیں کہ وہ فسٹل دو کولانژ انجہانی Fustel de Coulange کی مشہور کتاب "بلدیۂ عتیقہ" La Cite Antique کا مطالعہ کریں۔ یہاں صرف اون دو تین خصوصیات کا تذکرہ کرنا کافی ہوگا جنکی وجہ سے آبائی معاشرت کی پرکھا پوجا اور موجودہ زمانہ کے خیالات مذہب میں اختلاف ہے

۱۔ عدم دعوت مذہب	دنیا کے بڑے بڑے مذاہب مثلاً مسیحیت واسلام وبودھ مت

کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ تمام دنیا کے لئے ایک عالمگیر مذہب ہیں۔ اور اون کے مبلغین تمام اقطاع میں تبلیغ و اشاعت مذہب کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر پرکھا پوجا والوں کو یہ فعل صرف مضحکہ انگیز ہی نہیں معلوم ہوگا بلکہ غدارانہ نظر آئیگا۔ اون کے دیوتا صرف اوسکے اور اوسکے گھرانے کے لئے ہیں۔ وہ اون کی طرف تحفظ جان و مال اور کرمت و رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ گویا وہ اون کی نہایت وفادار اور عقیدتمند اولاد ہے۔ پھر غیر لوگ اوس کی پوجا میں کیونکر شریک ہو سکتے ہیں؟ اوس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر کوئی آبائی جماعت والا شخص اپنے گھرانے سے الگ ہو کر کہیں چلا گیا تو وہ خود کو اجنبیوں کے درمیان ہی نہیں پاتا بلکہ غیر دیوتاؤں اور معبودوں میں بھی گھرا ہوا پاتا ہے۔ اوس کے لئے خارج از قبیلہ کر دیا جانا مذہبی اور معاشرتی تعلقات کو خیرباد کہنا ہے۔ آجکل اگر کوئی انگریز، فرانس، جرمنی، اطالیہ، یا ہسپانیہ میں چلا جائے اور وہاں بود و باش اختیار کرے اور کسی عبادت گاہ میں جائے، تو اوس کو ہر جگہہ ایک ہی معبود ملیگا۔ صرف اگر فرق ہوگا تو کسیقدر فروعی یا زبان کا مگر عبادت گذار سب ہم مذہب ہونگے (باستثنائے کیتھولک کے) کسی پرکھا پوجا والے کو اگر ایسا واقعہ پیش آئے تو اوسکو سخت دقت محسوس ہوگی۔

۲۔ اوسمیں الٰہیات کا دخل نہیں ہے یعنی یہ مذہب کائنات کی ابتداء اور تنظیم و ترکیب سکھلانیکا مدعی نہیں ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ آبائی معاشرۃ کا انسان دنیا کی ہستی اور اوس کے متعلقات کی کسی نہ کسی طرح توجیہ ضرور کیا کرتا تھا مگر یہ باتیں اوس کے مذہب کا جزو نہیں تھیں۔ زمانہ حال کی وضع کا مذہب تو بہت عرصہ بعد اوس وقت شروع ہوا ہے جبکہ یوروپ میں یونانیوں نے خیال آفرینی کی روح پھونکی اور ذہنی عقیدہ کو مذہبی فرائض سے منسلک کیا اوسوقت بھی، جیسا کہ عہد نامۂ جدید (انجیل)، کے ایک سے زیادہ مقامات (مثلاً "اعمال" باب ۱۵، آیت ۲۹) سے معلوم ہوتا ہے اور جہاں "بتوں کو چڑھائے ہوئے گوشت" کا ذکر کیا گیا ہے، ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ بعض قدیم نو مسیحیوں نے اس امر کو بالکل ممکن دیکھا کہ مسیحیت کے مذہبی عقائد "پرکھا پوجا" کے سلسلہ میں قبول کر لئے جائیں۔ فی الحقیقت پرکھا پوجا ایک خالص عملی مذہب تھا جو اپنے پیرؤں پر ایک ضابطۂ

فرائض عائد کرتا تھا مگر اون کے عقائد پر دباؤ نہیں ڈالتا تھا۔

۲- یہ مذہب خفیہ ہے

اس خیال سے کہ اون کے آباؤ اجداد محض انھیں سے تعلق رکھتے تھے، اہل قبیلہ کو اجنبیوں سے بیحد رشک ہونے لگا اور وہ ہرگز پسند نہیں کرتے تھے کہ غیر آدمی اون کے طرز عبادت سے کسی طرح واقف ہوں۔ اس لیئے ہر قبیلہ اور قبیلہ کے منتشر ہو جانے کے بعد ہر گروہ اس بات کی سخت احتیاط کرتا تھا۔ کہ اوس کے مذہبی رسوم کا دوسروں کو علم نہ ہونے پائے۔ اور تاریخ قدیم میں بہت سے ایسے دلچسپ و دلاویز قصے ہیں جن میں ان جاسوسوں سے انتقام لیا گیا ہے جو کسی طرح اون کے پر اسرار مذہبی رسوم کی معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ یہ گھرانے میں خاص مقدس رسوم کی تفصیلات موروثاً باپ سے بیٹے کو نہایت خفیہ طریقہ سے بتائے جاتے تھے۔ قبیلہ کے اسرار بڑے بوڑھوں یا بزرگوں کی امانت میں رہتے تھے جنھوں نے آیندہ زمانہ میں موروثی حلقہ ہائے درس یا دار العلوم قائم کرلئے تاکہ یہ رسم ورواج محفوظ رہیں۔ قبیلہ کا وجود ہی ان خفیہ مراسم کی نگہداشت پر منحصر سمجھا جاتا تھا۔ اگر کوئی حادثہ ناگہانی رونما ہوتا تھا تو اوس کی وجہ سب سے پہلے بیساختہ طور پر یہ بیان کیجاتی تھی کہ "پرکھا" ناراض ہوگئے ہیں کیونکہ اون کی قربانگاہ پر غیر جگہہ کی اگنی سے ہون کیا گیا تھا۔

قبائلی قانون

قبائلی مذہب سے قریبی تعلق قبائلی قانون کا تھا، اگرچہ وہ بھی درحقیقت جزو مذہب ہی تھا۔ پرکھا پوجا کا براہ راست ایک نتیجہ یہ تھا کہ اہل قبیلہ تمام پرانی رسوم کو مذہبی رنگ دیکر عزیز رکھتے تھے یعنی اون رسوم کو جو اونکے محترم بزرگوں نے اپنی زندگی میں ادا کی تھیں۔ اور یہی امر "قانون" کا بنیادی خیال تھا جو آبائی معاشرۃ کے ذہن میں آیا۔ قانون کا یہ مفہوم کہ وہ کسی مطلق العنان فرماں روا کا، خواہ وہ شخص ہو یا جماعت، حکم ہوتا ہے، ابھی بہت دور تھا۔ قانون ایسی چیز نہیں تھی جو بنائی جاتی بلکہ ایک ایسی چیز تھی جس کا انکشاف کیا جاتا۔ قدیم وحشی خیال "تابون" یعنی اشیائے ممنوعہ، جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں، خالص منفی تھا اور اوس کی جگہ زیادہ تر رسم ورواج کے خیال مثبت نے لے لی تھی، جو بات رواج میں داخل تھی وہ صحیح تھی اور جو بات اوس سے خارج تھی وہ غلط تھی

جس بے باکانہ سختی کیساتھ آبائی معاشرہ رواج کی پابندی کرتی تھی محض اسوجہ سے کہ وہ رواج ہے، منجملہ صدہا مثالوں کے اس مثال سے خوب ظاہر ہوتی ہے کہ اہل روما میں ایک مشہور و معروف رسم یہ تھی کہ وہ اپنی مہمات کے بارہ میں شگون لینے کے لئے مقتولوں کی آنتوں وغیرہ کا معائنہ کیا کرتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کارروائی ابتداءً اون خانہ بدوش قبائل سے اختیار کی تھی جن کی نسل میں رومی تھے اور جس سے وہ غیر معلوم ملک میں آوارہ گردی کرتے ہوے کام لیتے تھے۔ نئی جڑی بوٹیاں جو جو اُنکو ملتی تھیں اُن کو جانچنے کے لئے کہ وہ غذا کا کام دے سکتی ہیں وہ اپنے کچھ مویشیوں اور بھیڑوں کو وہ جڑی بوٹیاں کھلا دیتے تھے انہیں اگر کوئی جانور مرجاتا تو اسکی لاش کا ایک قاعدہ کے معائنہ کرکے نتیجہ کا اندازہ کرتے تھے مگر رسم و رواج کا اصلی ماخذ دریافت کرنا اکثر بہت دشوار ہوتا ہے۔ بعض اوقات رسوم کی ابتدا محض اتفاق سے ہوجاتی ہے۔ مگر دیگر صورتوں میں غالبًا کسی غیر معمولی قابلیت کے آدمی نے بڑی محنت سے کوئی جدّت کی ہوگی، جس کی اوروں نے بعدہ تقلید کی اور وہ بات مفید پائی گئی ممکن ہے کہ جس شخص نے اول اول اپنی گائے کا دودھ پیا ہوگا اوس نے اوس غذائے لطیف کا معاوضہ اپنی جان سے دیا ہو۔ کیونکہ آبائی جماعت میں بدعت یا جدّت اور جرم دونوں ہم معنی ہیں فی الواقع ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اون لوگوں کے خیال میں رسم و رواج سے انحراف کا امکان اسقدر غیر متوقع تھا کہ اوس کے لئے کوئی باضابطہ سزا بھی مقرر نہیں تھی۔ بس صرف اتنا ہوتا تھا کہ سردار یا بزرگان قبیلہ کسی بات کو رسم قرار دے لیتے تھے۔ اور یہی کافی تھا اور کافی ہونا بھی چاہئے تھا۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی جرم کا ارتکاب باصرار کرتا تھا تو قبیلہ ناخوش ہوکر اوس کو اپنے یہاں سے نکال دیتا تھا۔ اگر اتفاق سے کسی قبیلہ کی بود و باش ساحل بحر پر ہوتی تھی تو ممکن ہے وہ مجرم کو کسی بیڑے پر بٹھا کر دریا برد کر دیا کرتے ہوں ویلز میں یہ طریقہ رائج تھا۔ بعض قوانین میں مجرم کو "بن باس" کر دینا لکھا ہے۔ دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہی تھا۔

انتقامی جنگ	اگر قبیلہ کے کسی فرد کو مضرت پہونچتی تھی تو اوس کا عالمگیر علاج "انتقام" تھا Lex talionis اور یہ "انتقامی جنگ" سے

لیا جاتا تھا۔ اگرچہ ہمکو اس قسم کے آئین میں ایک طرح کی بربریت اور وحشت نظر آتی ہے مگر غالباً یہ ایک مہتم بالشان قدم ہے جو اول اول تمدن و تہذیب کیطرف اٹھایا گیا مثلاً۔ ایک شخص مار اگیا۔ بجائے اس کے کہ اس قتل کیوجہ سے ایکطرف سے اندھا دھند قتل ہونا شروع ہو جائے، مقتول کے قریبی رشتہ دار قاتل اور اوس کے ذوی القربی کے خلاف ایک باضابطہ تدبیر انتقام و قصاص قائم کر لیتے ہیں۔ اگر واقعات کے متعلق کوئی شبہہ ہو تو مختلف طریقوں سے عامیانہ طور پر جانچ کی جاتی ہے جو ہمکو نہایت ناقابل اطمینان معلوم ہوں گے۔ ملزم اپنے کچھ رشتہ داروں کو لے آتا ہے جو اوس کی بیگناہی کی قسم کھاتے ہیں یا کوئی اور بھدی طرز کا طریقہ امتحان و آزمایش کام میں لایا جاتا ہے[1]۔ اگر ملزم قصوروار یقین کر لیا جاتا ہے تو دشمنی بدقسمتی سے عرصہ دراز تک جاری رہتی ہے۔

خونبہا

ایک بڑا قدم آگے اور بڑھتا ہے جبکہ حق انتقام کے بجائے معاوضہ یا خونبہا مقرر کر دیا جاتا ہے۔ "شبانی معاشرۃ" کی حالت اس تغیر کی اجازت دیتی ہے۔ مویشی اور بھیڑ بکری کے وجود سے قیمت یا بہا کا معیار و پیمانہ قائم ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے انسان کی زندگی کی پیمائش یا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس معمولی خیال کو مدنظر رکھ کر کہ جسقدر آدمی کے پاس مال و دولت ہوتی ہے اوسیقدر اوس کی قیمت بھی ہوتی ہے اور ایک عام ازاد اہل قبیلہ کو معیار کی اکائی مانکر، قبیلہ والے نہایت محنت کیساتھ "شرح خونبہا" مرتب کر لیتے ہیں جس میں دو باتوں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے:۔

۱۔ فریق مظلوم کی وقعت۔
۲۔ نقصان کی مقدار۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کارروائی اوسیطرح شروع ہوتی ہے جیسے پہلے

[1] بعض جاہل۔ اور پسپا اوفتادہ ممالک میں ابتک یہ قاعدہ رائج ہے کہ سوگواروں میں سے ہر شخص میت کو ہاتھ لگاتا ہے۔ قدیم اعتقاد یہ تھا کہ اگر قاتل کا ہاتھ مقتول کے جسم سے مس ہوتا تھا تو مردہ کے جسم میں سے خون ٹپکنے لگتا تھا۔

بیان ہو چکی۔ مقتول کے جسم کے نشانات کا معائنہ کیا جاتا ہے، آلۂ قتل کا پتا لگایا جاتا ہے، مویشی مسروقہ کا چرانیوالے کی جھونپڑی تک پتا لگایا جاتا ہے اور جوں ہی کہ انتقامی کارروائی شروع ہوتی ہے، بزرگان قبیلہ درمیان آجاتے ہیں اور خونبہا قبول کرنے پر زور دیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں اس باتکو منظور کرنا فریق مظلوم کی مرضی پر منحصر تھا۔ لیکن بعد میں تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ بہت عرصہ تک اس قسم کے کسی فعل سے آخر کار فریقین کو آپسمیں لڑنے کا حق حاصل ہو جاتا تھا مگر بزرگان قبیلہ اس بات کے لئے ہر ممکن کوشش عمل میں لاتے تھے کہ فریقین صلحنامہ پر "قسما دھرمی" کرلیں۔ آج دنیابھر میں جو مصافحہ یا ہاتھ ملانیکی رسم نظر آرہی ہے، غالباً اوسی پرانی رسم کی یادگار ہے جس پر قدیم صلح کرانیوالے ثالث زور دیا کرتے تھے اور یہ فعل اس امر کی ضمانت سمجھا جاتا تھا کہ فریقین ایک دوسرے کے خلاف، کم ازکم اوس وقت تک جبتک دیگر چارہائے کار موجود ہیں، ہرگز اسلحہ استعمال نہ کرینگے۔ کیونکہ جب ایک شخص کا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ میں دیا ہوا ہے تو وہ حربہ نہیں کر سکتا۔

قبائلی قانون کے قواعد وضوابط عام نہیں ہیں

امور متذکرۂ بالا سے یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ قبائلی قانون کا عام تذکرہ تو کیا جاسکتا ہے مگر اوس کے عام قواعد وضوابط شمار نہیں کئے جا سکتے۔ ہر قبیلہ کا قانون جداگانہ ہوتا ہے اور اوس کا نفاذ صرف اپنے ہی آدمیوں پر ہو سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام قوانین میں ایک عام اصول ضرور مشترک نظر آتا ہے۔ مثلاً وراثت بسلسلۂ ذکور، قبیلہ سے باہر (یا اندر جیسی صورت ہو) شادی بیاہ کی ممانعت، مختلف طبقات کی رشتہ داری یا تعلقات، چراگاہوں میں حقوق، وغیرہ وغیرہ، مگر ان کی تفصیلات کے اندر ہر قبیلہ میں اختلاف ہے بلکہ ایک ہی قبیلہ کی مختلف شاخوں میں بھی نظر آتا ہے۔ انگریزی حکام محکمہ بندوبست کی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ، مثلاً، صرف اکیلے صوبۂ پنجاب میں کئی سو طریقے ادائے مالگزاری کے رائج ہیں، حالانکہ وہاں کی کل آبادی انگلستان سے کسیقدر ہی کم ہوگی۔ ملکی قانون کے وجود سے پیشتر قبائلی

قانون کے وجود کا پتا چلتا ہے۔ اور ہر اہل قبیلہ صرف اپنے ہی قانون کی پابندی کرنا منظور کریگا:۔

باب ۶

زراعت اور برادری

زراعت کی ابتدا

جس طرح پرورش حیوانات کے موجد کے متعلق ہم تاریکی میں تھے اسی طرح ہمکو معلوم نہیں کہ وہ بنی نوع انسان کا کونسا محسن تھا جس نے اول اول بیش بہا فن زراعت کا انکشاف کیا۔ اس موضوع پر جو کسیقدر روایتیں پائی بھی جاتی ہیں تو وہ بظاہر بعد کا اضافہ معلوم ہوتی ہیں۔ اور اس معمہ کو حل کرنیکی جگہ یہ بحث شروع ہو جاتی ہے کہ یہ فن کہیں باہر سے آیا تھا۔

لیکن اگر ہمکو اس فن کے متعلق براہ راست کوئی شہادت میسر نہیں آتی تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ اس موضوع کی نوعیت اس قسم کی ہے کہ ہم اس کے متعلق عالمانہ تخیل سے کام لے سکتے ہیں۔ اگرچہ وحشیان آسٹریلیا فن زراعت کو کچھ نہیں جانتے مگر تاہم وہ ایک صحرائی پودے کے تخم جمع کر لیتے ہیں جسکو "نردو" Nardoo کہتے ہیں اور اون کو ایک بھدّی اوکھلی میں کوٹنے کے بعد اون کی روٹیاں پکاتے ہیں۔ اب فرض کیجئے کہ کوئی ایسا ملک ہے جہاں قدرت نے وسطی آسٹریلیا سے زیادہ خوان نعمت پھیلا رکھا ہے، اور وحشیوں کے ایک گروہ نے اس قدر مقدار صحرائی تخم کی جمع کر لی ہے کہ وہ اون کو صرف میں نہیں لا سکتا، چنانچہ باقیماندہ تخم کو کسی مٹی کے ڈھیر یا ٹیلے میں دفن کر دیتا ہے، اور موسم گرما میں نقل مکان کر کے وہ فصل بہار میں پھر اوسی جگہ واپس آتا ہے۔ فرض کیجئے کہ اوس کے چلے جانیکے بعد غیر معمولی طور پر مہاوٹیں برسیں یا فصل بہار قبل از وقت آگئی۔ اب مراجعت کے بعد وہ گروہ کیا دیکھتا ہے کہ وہ غلہ جو اوس نے مٹی میں دبا دیا تھا پھوٹ نکلا ہے اور نشو و نما پا کر ویسے ہی پودوں کی صورت اختیار کر لی ہے جن میں گذشتہ فصل خزاں میں اونھوں نے جنگل کے اندر خوشے توڑے تھے۔ خواص الاشیاء کا یہ ایک ایسا سبق ہے

جو وحشیوں کے دلوں پر بھی اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ممکن ہے کہ یہی واقعہ صحرائی اروِیوں، رتالو، زمین قند، آلو، شکر قند، اور کھانے کی ایسی ہی جڑیلی چیزوں کی نسبت گذرا ہو جو انسان کی قدیم ترین خوراک میں داخل ہیں

زراعت کی کیفیت

جب وحشی انسان نے خیال مذکورہ بالا پر عمل شروع کر دیا، فن زراعت اپنی قدیم ترین صورت میں پیدا ہو گیا ہو گا۔ باقی رہا اوس کا ارتقار، تو جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اوس کی بھی تکمیل ہوتی گئی اور یہ بھی بہت ممکن ہے کہ زراعت کا کام اتنا ہی قدیم ہو جتنا کہ پیشۂ شبانی سب نہیں تو کم از کم زیادہ صورتوں میں تو ضرور ایسا ہو گا۔ مگر اس کا سبب بھی دیکھنا کچھ مشکل نہیں کہ فن زراعت ارتقائے فنون انسانی میں پرورش حیوانات کے بعد کیوں درجہ رکھتا ہے۔ وجہ صاف ہے۔ یہ کہ کاشتکاری میں محنت زیادہ درکار ہے، اور انسان، خصوصاً قدیم ترین زمانہ کا انسان، کام کو کام کی وجہ سے پسند نہیں کرتا تھا۔ اگر کسان کی سخت محنت کا مقابلہ کیا جائے تو ایک شبان یا چرواہے کی زندگی زیادہ آرام و راحت کی ہے۔ وحشیوں کے لئے جانوروں کا پکڑنا اور سدھانا فطرتاً زیادہ دلچسپی رکھتا ہے۔ پکڑنے سے اوس کا شوق پورا ہوتا ہے اور پالنے سے تفریح ہوتی ہے اور بیکار وقت گذر جاتا ہے گلوں اور دھن،" گلوں اور مویشیوں کا چراگاہ میں لانا لیجانا بھی کوئی بڑی محنت کا کام نہیں ہے۔ دودھ دوہنا، کھالوں کا رنگنا، کاتنا، بننا وغیرہ، جو کچھ بھی شبانی زندگی کے مشغلے ہیں، وہ عورتوں اور بچوں کے ہاتھوں انجام پاتے ہیں۔ مگر ابتدائی کوفت تو بیچارے کسان کا ہی حصہ ہے جیسا انجیل میں آیا ہے کہ "تو اپنی روٹی اپنے چہرہ کے پسینہ کی کمائی سے حاصل کریگا۔"

پیشۂ زراعت اختیار کرنیکے وجوہ

لہذا فن زراعت، اگرچہ اوس کے مبادیات پیشتر ہی سے معلوم ہو چکے تھے، زمانۂ دراز تک محض ایک امدادی پیشہ کے طور پر رہا، اور بجائے اس کے کہ انسان کا خاص پیشہ ہوتا صرف بعض غیر ضروری مگر عمدہ چیزوں کے لئے کام میں لایا جاتا تھا۔ اس فن کو بڑے پیمانہ پر اس وقت تک قبول نہیں کیا گیا جبتک بڑھتی ہوئی آبادی کا (جو

ہمیشہ تہذیب و تمدن کیطرف ایک بڑھتا ہوا قدم تھا) زور نہیں پڑا اور سامان خوراک کی مانگ نہیں بڑھی کاشتکاری کی ایک قابل توجہ خصوصیت یہ بھی ہے کہ اگرچہ یہ کام بہت مشکل اور محنت طلب ہے مگر اس سے بمقابلہ پیشہ شبانی کے پیداور غیر محدود طور پر زیادہ ہوتی ہے - ایک فاضل جرمن مصنف ڈاکٹر اوگسٹ میٹزن نے جس نے اپنی تمام عمر مطالعہ مسائل بندوبست میں صرف کر دی تھی - حساب لگایا ہے کہ اگر وہ رقبہ جو محض مویشیوں کی دوڑ دھوپ کے لئے کام میں لایا جاتا ہے صرف آدمیوں کے صرف میں آئے تو اوس میں سو آدمی رہ سکتے ہیں، اور اگر اوس کو جوتا جائے تو تین چار سو آدمیوں کی خوراک بہم پہونچانیکے بعد بھی معقول مقدار غلہ کی بچ جائیگی - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑے پیمانہ پر زراعت کا کام سب سے پہلے دریائے نیل کی نشیبی زمینوں اور عراق عرب میں شروع ہوا ہوگا، جہاں بنجر ریگستان ہونیکی وجہ سے مویشیوں کے لئے چراگاہیں کم ہیں، مگر بڑے بڑے دریاؤں کی رتیلی زمینیں کاشتکاری کو آسان اور قابل منفعت کام کر دیتی ہیں - ان ممالک سے یہ فن اناطولیہ میں رائج ہوا، جہاں شمالاً غرباً پہونچا، حتیٰ کہ تمام یورپ میں پھیل گیا - اور جوں جوں یورپ میں آبادی بڑھتی گئی لوگ اس پیشہ کو قبول کرتے گئے - یولیوس قیصر کے بارہ میں لکھا ہے کہ اوس نے جرمنوں کے متعلق یہ فقرہ کہا تھا کہ وہ فن زراعت کا "مطالعہ" نہیں کرتے - غالباً قیصر کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ وہ لوگ کاشتکاری کا کام جانتے ہی نہیں تھے، بلکہ یہ مطلب ہوگا کہ وہ لوگ پیشہ شبانی کی پیداوار، دودھ، مکھن، پنیر، گوشت وغیرہ پر بسر کر لینا زیادہ آسان سمجھتے ہیں، ایک کتاب میں "آئرستان" کے متعلق بھی یہ لکھا ہے کہ "وہاں ساتویں صدی مسیحی تک نہ خندقیں تھیں، نہ باڑھیں نہ پتھر کی دیواریں بلکہ صاف کھیت تھے - اور جب اون لوگوں کے گھرانے بڑھ گئے تب اونھوں نے کھیتوں کی حدیں قائم کرنی شروع کیں" اس فقرہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اضافۂ آبادی کیوجہ سے عام طور پر پیشۂ شبانی چھوڑ کر فن زراعت اختیار کر لیا گیا - اس امر کے ثابت کرنیکی بہت شہادتیں موجود ہیں کہ ملک آئرستان کسی زمانہ میں خالص شبانی پیشہ کا ملک تھا -

کاشتکاری کے قدیم طریقے

مگر ہمکو یہ بات فرض نہیں کرلینی چاہئے کہ پیشۂ کاشتکاری کے قبول کرلینے کے معنی دفعۃً زمانۂ حال کی زراعت کا طریقہ ہوگا جو جو مدارج مرورِ ایام سے فن کاشتکاری نے طے کئے ہیں اونکا سرسری طور پر خاکا کھینچنا غالباً خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ اوس کے بعد ہم کاشتکاری کے زیادہ بڑے نتائج کیطرف رجوع کرینگے۔

۱۔ صفائی جنگلات

جب کبھی کسی جگہ کاشتکاری کی ابتدا کی گئی ہمیشہ جنگلات کو صاف کرنا پڑا۔ جس کی سیدھی سادی وضع صرف یہی ہے کہ جو زمین زرخیز ہوگی اوس پر زمانۂ دراز سے نباتات کا نمو لازمی ہے۔ واقعی زمین کا بہت سا حصہ چراگاہ کے لئے صاف کردیا گیا تھا۔ مگر اس قطعۂ اراضی کو کاشت میں لانے سے لوگ اسواسطے ہچکچاتے ہیں کہ نہ معلوم غلہ کی فصل عمدہ ہو یا نہ ہو۔ بعض اوقات جنگلات کو جلاکر صاف کرڈالا جاتا ہے اور نباتات کی راکھ قدیم ترین قسم کی کھاد کا کام دیتی ہے۔ تخم یوں ہی بکھیر دیا جاتا ہے اور صحرائی گھانس اور نباتات کیساتھ اوگنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ بہت سے مقامات پر کلھاڑی سے کام لیا جاتا ہے اور جب جنگل صاف ہوجاتا ہے تو زمین کو کدال سے گوڑ لیا جاتا ہے۔ یہ گویا وحشیوں کی خاص ترقی یافتہ چیز ہے۔

وسیع زراعت

اس طرح صاف کی ہوئی زمین پر سال بسال فصل بوئی جاتی ہے، حتی کہ قدرت کا قانون اساسی اپنا اثر دکھلانے لگتا ہے، جو یہ ہے کہ "اگر ایک ہی قطعۂ اراضی پر ایک ہی چیز مسلسل بوئی جائیگی تو زمین رفتہ رفتہ بنجر ہوجائیگی"۔ ہر سال پیداوار کم ہوتی چلی جائیگی، یہانتک کہ مایوس ہوکر زمین کو چھوڑنا پڑیگا (ممکن ہے منحوس سمجھکر) اور پھر ازسرِ نو جدید قطعۂ اراضی گوڑا جائیگا۔ اس قسم کی زراعت کو اصطلاح میں "وسیع" کہتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں زمین اور محنت فضول ضائع ہوتی ہے۔

۲۔ چراگاہیں "افتادہ" چھوڑنا

اگرچہ صاف کی ہوئی زمین کو اسطرح زیر کاشت لانے سے چھوڑ دیا جاتا ہے مگر یہ قطعات بطور اراضی چراگاہ "افتادہ" کام دیتی ہیں اور انپر تمام جماعت کے مویشی چرتے ہیں، جو اون شاخوں اور نوخیز پودوں کو چرکر

پیٹ بھر لیتے ہیں جو فصل کٹنے کے بعد کھیت میں کمی کیساتھ باقی رہجاتے ہیں ہندوستان جیسے گرم ممالک میں، بلکہ جنوبی آسٹریلیا کے زرخیز نیم گرم یا معتدل ممالک میں، اوفتادہ زمینوں پر بہت جلد گھانس اور پودوں کا جنگل کا جنگل اُگ آتا ہے اور جغرافیائی حالات دریافت کرنے والے سیاحوں کو بڑی حیرت ہوتی ہے جب وہ کسی جنگل کے عین قلب میں پُرانی کاشت کے آثار پاتے ہیں۔ جس سے بلاخوف رد یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہاں فن زراعت کا وجود ضرور تھا۔

دو قطعے اراضی کے باری باری جوتنا بونا

مگر منطقۂ معتدلہ کی سرزمینوں میں دوبارہ جنگل پیدا نہیں ہوتا اور جب نئے گوڑے ہوئے قطعات اراضی کی زرخیزی ختم ہوجاتی ہے تو قبیلہ والے اپنے پُرانے قطعات کیطرف رجوع کرتے ہیں اور خود کو جنگل صاف کرنیکی مزید تکلیف سے بچانیکے لئے، انہی کو پھر جوت لیتے ہیں۔ اب اس موقع پر پہونچکر قدرت کا دوسرا راز منکشف ہوتا ہے یعنی "اگرچہ متواتر ایک ہی قسم کی فصل بونے سے زمین کی زرخیزی جاتی رہتی ہے" تاہم اگر وہی قطعۂ زمین کو کچھ عرصہ کے لئے "اوفتادہ" چھوڑ دیا جائے، تو پھر زرخیزی عود کر آئیگی، اس طرح انکشاف کا براہ راست نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ:۔

۳۔ دو کھیتوں والا طریقہ

اس طریقہ میں جماعت اپنے ماتحت دو قطعے اراضی رکھتی ہے اور ایک سال ایک قطعہ کو بوتی ہے دوسرے سال دوسرے کو۔ اسطرح باری باری ایک قطعہ "افتادہ" چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں بھی یہ طریقہ "زراعت" کم ترقی یافتہ ممالک میں جاری ہے۔

۴۔ تین کھیتوں والا طریقہ

یہ طریقہ، جو طریقہ متذکرۂ بالا کی ترقی یافتہ صورت ہے، فی الحقیقت نتیجہ ہے ایک مزید اکتشاف کا، جو یہ ہے کہ اگرچہ ایک قطعۂ اراضی پر ایک ہی چیز کی فصل مسلسل بونی اوس کو بہت جلد کمزور کردیتی ہے، لیکن اگر مختلف قسم کی فصلیں باری باری بوئی جائیں تو کمزوری اس قدر جلدی پیدا نہیں ہوتی۔ لہذا طریقہ یہ ہے کہ تین قطعات اراضی ہوں اور دو قسم کی فصلیں جو ساتھ ساتھ بوئی جائیں۔ اس طرح دو قطعے تو زیر کاشت رہینگے مگر تیسرا کھیت تین سال میں ایک سال کے لئے "اوفتادہ" رہیگا گویا اس طرح سے تین سال کے اندر

حسب ذیل چکر پڑتا تھا:-

پہلا سال کھیت ؁ا = جئی کھیت ؁ب = سیم = کھیت ؁ج = خالی
دوسرا 〃 〃 ؁ب = 〃 〃 ؁ج = 〃 〃 ؁ا = 〃
تیسرا 〃 〃 ؁ج = 〃 〃 ؁ا = 〃 〃 ؁ب = 〃

اسی طرح سے ہر سال ایک کھیت خالی رہیگا اور دو کھیتوں میں دو مختلف فصلیں بوئی جائینگی۔

دو اور تین کھیت والے طریقوں میں اختلاف

چونکہ تین کھیت والے طریقہ میں ایک ہی وقت دو فصلیں پیدا ہوتی ہیں اس لئے اس کے فایدہ پر لوگوں کی نظر پیشتر ہی پڑ چکی تھی۔ مگر لوگ بہت عرصہ تک جوتے ہوئے کھیت کو دو حصوں میں تقسیم کرکے دو کھیت والے طریقہ سے کام لیتے رہے فی الحقیقت انکو اس باتکا خوف تھا کہ تین کھیت والے طریقہ میں جتائی کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ قرون وسطیٰ کے پچھلے زمانہ میں یورپ کے مغربی حصہ میں یہ مسئلہ "سخت متنازعہ فیہ" تھا۔ مگر بالآخر تین کھیت والے طریقہ کے حامیوں کو کامیابی ہوئی اور اونکا طرز استدلال اسقدر کامیاب اور صاف ستھرا ہے کہ اوسکا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا۔ ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ ہمارے پاس (۱۸۰) ایکڑ اراضی ہے جو دو حصوں میں منقسم ہے ان میں سے ایک حصہ ہر سال "افتادہ" رہتا ہے اور دوسرے حصہ میں کچھ تو جئی بوئی جاتی ہے اور کچھ سیم یا میٹر اسطرح سے:-

قطعہ ؁ا نوّے ایکڑ　　قطعہ ؁ب نوّے ایکڑ

قطعہ الف (۱) ۴۵ ایکڑ	قطعہ ب (۱) ۴۵ ایکڑ
قطعہ الف (۲) ۴۵ ایکڑ	قطعہ ب (۲) ۴۵ ایکڑ

اب کسی ایک سال کے لئے حسب ذیل فصلوں کا دور فرض کرلیجئے۔

ماہ ستمبر کھیت الف (۱) کو جوتا گیا اور جئی بوئی گئی = ۹۰ ایکر
〃 مارچ 〃 الف (۲) 〃 〃 سیم 〃 〃 = 〃
〃 جون 〃 ب کل کو دوبار فصل کاٹنے کے بعد ٹھونٹ لگا لگنے ضروری ہیں اس لئے دو مرتبہ جوتنے کی ضرورت پیش آئی خالی چھوڑ دیا گیا = ۱۸۰ = 〃

جوتے ہوئے ایکڑ کی کل میزان ۳۶۰ 〃

اب اسی کل رقبہ کو یعنی ۳۶۰ ایکڑ کو، تین قطعات میں تقسیم کر کے حسب ذیل لیجئے

الف ۱۲۰ ایکڑ ب ۱۲۰ ایکڑ ج ۱۲۰ ایکڑ

پھر ایک سال کی جتائی پر توجہ فرمائیے :۔

ستمبر	الف جوتا گیا	اور جئی بوئی گئی	۱۲۰ ایکڑ
مارچ	ب 〃	〃 سیم 〃 〃	〃 〃
جون	ج دوبار	〃 خالی چھوڑا گیا	۱۲۰ 〃
		میزان کل	۳۶۰ ایکڑ

گویا پہلی جتائی سے ۱۲۰ ایکڑ کم رہے۔ مگر صرف یہی نہیں ہے۔ اگر ہم پھر غور کریں اور سوچیں کہ جب ہم نے دو کھیت والے طریقہ سے کاشت کی تھی تو ہم نے صرف ۱۹۰ ایکڑ فصل کاٹی تھی۔ لیکن اگر تین کھیت والا طریقہ استعمال کیا جاتا تو ۲۴۰ ایکڑ فصل ملتی گویا اس طرح سے دو کھیت والے طریقہ کو بمقابلہ تین کھیت والے کے کامل شکست ہوتی ہے۔ اور یہ معلوم کرنا تعجب انگیز نہیں ہوگا کہ یورپ کے اندر قرون وسطی میں یہی طریقہ ترقی پذیر ممالک نے عام طور پر اختیار کر لیا تھا اور ہر کھیت کا باضابطہ نام مقرر کر لیا تھا۔ اس طرح گویا ایک کھیت میں ربیع ہوی دوسرے میں خریف ہوی اور تیسرا خالی پڑا رہا۔ اور دوسرے ممالک میں بھی اسی قسم کی فصلوں کے اور نام ہیں۔

۵۔ تقلب پذیر کاشت | ابھی تھوڑا ہی زمانہ گذرا کہ تین کھیت والا طریقہ مغربی یورپ میں رائج تھا۔ اس کو اوس وقت ترک کیا گیا جب ایک دوسری

کفایت شعارانہ ترکیب، جس میں عملاً کسی ملکیت کو افتادہ نہیں رکھا جاتا ، سمجھ میں آگئی۔ اس ترکیب میں مختلف فصلوں کی تعداد بڑھا دیجاتی ہے ، مصنوعی کھاد استعمال کی جاتی ہے۔ اور زمین کو (بشرطیکہ اچھے ہاتھوں میں ہو) کمزور ہونے نہیں دیا جاتا۔ انگلستان میں یہ تغیر اٹھارھویں صدی میں واقع ہوا اور خاص اسباب سے نتیجہ ہوا جن میں کچھ تو ولندیزوں سے تعلقات تھے اور کچھ بوجہ جنگ بڑھی ہوی قیمتیں تھیں مگر اس تغیر کا بہت قریبی تعلق ایک بڑی تبدیلی سے ہے جو صرف طریقہ کاشت میں ہی واقع نہیں ہوی بلکہ پیشہ زراعت کی تنظیم میں پیدا ہو گئی تھی یعنی اوس رواج و دستور میں جو فن کاشتکاری میں رائج تھا۔ اب ہم اس تبدیلی کیطرف متوجہ ہوتے ہیں[۱]

فن کاشتکاری کی تنظیم

قرون وسطیٰ کے آخر میں یعنی جب یورپ میں احیائے علوم واقع ہوا، اور دور اصلاح نے پرانی ترتیب کو درہم برہم کرنا شروع کر دیا تو کاشتکاری کی عام اکائی، تمام یورپ میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان و مصر و ایران وغیرہ کے وسیع رقبہ جات میں بھی موضع یا قصبہ تھی بادی النظر میں موضع یا گاؤں محض کاشتکاروں اور مزدوروں کا ایک اجتماع معلوم ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے ملے ہوے قطعات زمین کو جوتتے بوتے ہیں اور درحقیقت زمانہ حال کے مغربی یورپ کے گاؤں کی عام حالت اب بھی یہی ہے۔ باشندگان دیہہ محض، ہمسایہ، ہوتے ہیں، بس اس سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ مگر قرون وسطیٰ کا گاؤں اس سے بہت کچھ زیادہ تھا۔ اور فرق اس امر سے نمایاں ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ کے گاؤں کو جماعت دیہی سے خطاب کرتے تھے۔ اس "جماعت دیہی" کے بارہ میں لوگوں نے بہت زٹل قافیے اڑائے ہیں، اور بتلایا ہے گویا لازمی طور پر ایک "جماعت اشتراکیین" تھی جس کے سب افراد ملکر کام کرتے تھے۔ اور تمام فصل کے "مشترکہ مالک" تھے۔ یہ بات تاریخی زمانہ کے متعلق غالباً نہیں کہی جاسکتی۔ خیر قرون وسطیٰ کے گاؤں کی ابتدا و ماخذ

۱۔ فن کاشتکاری کے یہ پانچوں طریقے فی زمانہ بھی ملک سویڈن میں رائج ہیں۔

کی نسبت ہمارا کچھ ہی خیال ہو، مگر یہ صاف ظاہر ہے کہ زمانہ تاریخی میں ہمارے پاس کوئی شہادت اس امر کی نہیں ہے کہ کسی ایسے زراعت پیشہ گروہ (ایک گھرانے سے بڑا) کا وجود تھا جو سب ملکر مشترکہ محنت سے زراعت کرتے تھے اور فصلوں کو بحصہ رسد تقسیم کر لیتے تھے۔ جہانتک ہماری شہادت کام دیتی ہے ہمکو یہ معلوم ہے کہ ہر کسان کی جداگانہ اراضی ہوتی تھی اور وہ اپنی فصل کاٹ کر خود گھر میں رکھتا تھا۔ بہرحال لفظ "جماعت دیہی" میں کچھ حقیقت معنوی ہے اور اس پر روشنی ڈالنے کے لئے ہم پانچ چھ امور ایسے بیان کرینگے جنسے معلوم ہو جائیگا کہ سولھویں صدی کا معمولی انگریزی (یا فرانسیسی یا جرمن) گاؤں انیسویں صدی کے گاؤں سے مختلف ہوتا تھا۔

کھلے کھیت

ابتداءً تو ہم کو فقط وضع قطع میں فرق نظر آتا ہے۔ قرون وسطی کے گاؤں کے کھیتوں میں باڑھیں قطعاً نہیں ہوتی تھیں۔ گاؤں کی قابل کاشت اراضی کھلے کھیتوں میں پڑی رہتی تھی۔ یہ سیکڑوں ایکڑ طویل و عریض ہوتی تھی اور چراگاہوں اور بنجر زمین سے بذریعہ "ڈوریئے" یا "مینڈھ" یعنی بغیر ہل چلائی ہوئی تنگ زمین سے علیحدہ ہوتی تھی، جسپر گھانس پھونس اور کہیں کہیں درخت کھڑے ہوتے تھے۔ زمانہ حال کے انگریزی کھیتوں کی خوبصورت باڑھیں باڑھوں" کا نتیجہ ہیں۔ جسکا تذکرہ ہم آگے چلکر کرینگے۔ اس فرق کو طرز کاشت کے فرق سے کچھ تعلق نہیں ہونا چاہئے تھا مگر فی الواقع تعلق ضرور تھا۔

۲۔ قبضۂ اراضی میں مساوات

زمانۂ حال کے گاؤں میں، جیسا موقع ہوگا، مزرعہ جات مختلف طول و عرض کے ہونگے۔ لیکن قرون وسطی کے گاؤں کے نقشہ پر اگر نظر غائر ڈالی جائے، جس میں ہر شخص کے زیر کاشت اراضی جداگانہ دکھلائی گئی ہے تو ہمکو ایک عجیب بات نظر آئیگی۔ ہم دیکھینگے کہ قبضۂ اراضی کا رجحان مساوات کی طرف زیادہ تر ہے۔ بہت سے کسان ایسے نکلینگے جنکے قبضہ میں قابل کاشت زمین فی کس ۳۰ ایکڑ ہوگی۔ دو چار آدمیوں کا قبضہ بہت زیادہ رقبہ مثلاً ۱۲۰ ایکڑ پر ہوگا، جو قریب قریب آپس میں برابر ہونگے۔ اور اس سے زیادہ عجیب بات یہ نظر آئیگی کہ ان بڑے رقبوں کی نسبت چھوٹے قطعات سے مقررہ ہوگی عموماً ہم اور ایک کی نسبت ہوگی۔ کچھ آدمی ایسے بھی ہونگے، جو گری ہوئی حالت میں نظر آئینگے اور ان کے قبضہ میں چھوٹے چھوٹے قطعات یا ٹکڑے اراضی

کے ہونگے جو افتادہ زمین سے تازہ توڑے گئے ہونگے۔ آخر میں ایک شخص غالباً بڑا آدمی ہوگا۔ جس کے پاس بڑا مکان پائیں باغ اور بہت سے کھلے کھیت ہونگے۔

۳۔ "دبیگار" یا جبری خدمت

طبقات کی اس زبردست تقسیم کیساتھ ہی، اگر قرون وسطیٰ کے دیہات کے معاملات کی مزید تحقیقات کیجائے تو ہمکو ایک عجیب دستور نظر آئیگا، جس میں گاؤں کے دو غریب طبقے دولتمند طبقوں کی خدمت کرتے ہیں، اسطرح نہیں جیسے آجکل زراعتی مزدور اجرت لیکر کرتے ہیں، بلکہ اوس اراضی کے بالعوض جو اون غریبوں کے قبضہ میں ہے۔ طبقہ غربا یا جھونپڑوں والے لوگ عملاً تمام کام اپنے مالک کے لئے کرتے ہیں جس کو یورپ میں "لارڈ" ایران میں "آغا" یا "آقا" اور ہندوستان میں "زمیندار" کہتے ہیں یا اگر گاؤں میں دو چار اور متمول آدمی ہوئے تو اون کا کام کرتے ہیں۔ مگر چھوٹے چھوٹے کسانوں کو بھی اپنے مالک کا کچھ کام کرنا پڑتا ہے، خواہ تھوڑے ہی عرصہ کے لئے کریں۔ بہت صورتوں میں وہ اپنی محنت کا معاوضہ اوس لگان کی رقم میں مجرا کر لیتا ہے جو اوس کو مقررہ طور پر ادا کرنا ہوتا ہے۔ ایسے کاشتکار کو معمولی "مزارعہ" کسان کہنا چاہئے مگر وہ کسی زمانہ میں، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ سرف یا "زرعی غلام" ضرور رہا ہوگا یعنی ایسا شخص جس کو دوسرے کی خدمت کرنی پڑتی ہے، خواہ وہ اوس کو پسند کرے یا نہ کرے۔

۴۔ مخلوط قطعات اراضی

فی زمانناً گاؤں کے ہر کسان کی زمین کم و بیش ایک مسلسل یکجائی رقبہ میں ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو کسان اس میں بہت قباحت اور تضیع وقت خیال کریگا۔ مگر قرون وسطیٰ کے گاؤں میں صرف یہی نہیں ہوتا تھا کہ کسان کی مقبوضہ اراضی دو یا تین بڑے بڑے کھیتوں میں منقسم پڑی ہوتی تھی، جس میں تمام گاؤں کی قابل کاشت زمین تقسیم کیجایا کرتی تھی (تاکہ فصلوں کا دور، جس کا ذکر پیشتر ہو چکا، قائم رکھا جائے) بلکہ یہ تینوں کھیت بھی بحیثیت مجموعی اوس کی ملکیت نہیں ہوتے تھے۔ کیونکہ ہر کھیت کے بڑی تعداد میں چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوتے تھے (عموماً آدھے آدھے ایکر کے) جو تمام کھیت میں منتشر پڑے ہوتے تھے قابل کاشت اراضی پر قبضہ ہونے کے علاوہ (۳۰ ایکر عموماً) اوس کو یہ بھی حق حاصل ہوتا تھا کہ گاؤں کی مشترکہ چراگاہ میں ایک مقررہ تعداد مویشی اور بھیڑ بکری کی چرا سکے۔ مگر

جب گھانس اُگانیکا زمانہ آتا تھا تو چراگاہ کو لکڑی کی ٹٹیوں یا اوٹوں سے عارضی طورپر روکدیا جاتا تھا، اور گھانس کٹنے کیوقت اوس کو بھی ایک چھوٹے سے ٹکڑے کی سوکھی گھانس مل جاتی تھی - علاوہ ازیں اوس کو یہ بھی حق حاصل ہوتا تھا کہ کم درجہ کے جانوروں (گدھے، سور، بطیں، وغیرہ) گاؤں کی افتادہ زمین پر چراسکے اور وہاں سے بوقت ضرورت ایندھن کے لئے جھاڑ جھنکاڑ اور لکڑی کاٹ سکے اور آلات کشاورزی اور مرمت مکان کے لئے بھی چوب تعمیری بھی لاسکے اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اوس کی مقبوضہ اراضی میں جہاں تک زمین کا تعلق تھا مع مکان کے تمام باتوں کا انتظام ہوتا تھا۔

کھیتوں کی "مخلوط نوعیت" کیساتھ ہی انتقال اراضی یا جدید تقسیم کا رواج بھی جاری تھا۔ یعنی معینہ مدت کے بعد کسان آپس میں کھیتوں کا تبادلہ کرلیا کرتے تھے - قرون وسطی کے ختم ہونے سے بہت پہلے یہ رواج یورپ کے ترقی پذیر حصص سے مفقود ہوچکا تھا - مگر ممالک سویڈن اور ڈنمارک میں اس رواج کے وجود کے کچھ کچھ آثار پائے جاتے تھے - ہندوستان میں یہ رواج "ویش" (Vish) کے نام سے مشہور تھا اور ایران میں تو یہ رواج ابتک جاری ہے اور گاؤں کا کھیا یا "دہ خدا" اس تبدیلی کا انتظام کرتا ہے -

۵- عام طرز انتظام | یہ خصوصیت، جس کی وجہ سے زمانہ حال اور قرون وسطی کے دیہات میں صاف طور پر امتیاز معلوم ہوتا ہے، مخلوط اراضی مقبوضہ کا لازمی نتیجہ تھی - گاؤں کا تمام کام سخت قواعد کے ماتحت ہوتا تھا، جو زمانۂ قدیم سے چلے آتے تھے - جو مقرر کرتے تھے کہ کب اور کسطرح کسی کام کو شروع، اور جاری، اور ختم کیا جائے - آجکل ہر کسان، ان شرائط کی پابندی کیساتھ جو وہ اپنے زمیندار سے کرتا ہے، اپنی زمین کا جسطرح چاہیے بہترین انتظام کرسکتا ہے - اگر زید اس بات کو مناسب خیال کرتا ہے کہ دوشنبہ کے روز خشک گھانس کاٹکر جمع کرے، تو وہ خالد کا انتظار کرنے کے لئے مجبور نہیں ہوگا جو خیال کرتا ہے جمعرات کا دن زیادہ بہتر ہوگا - الغرض ہر کسان اپنا کام جسدن وہ بہتر سمجھتا ہے کرلیتا ہے - لیکن یہ صورت آزادی اوس وقت ناممکن ہوتی جب تمام مختلف کسانوں کی زمینیں مخلوط ہوتی تھیں - گاؤں رسم ورواج کی گرفت میں بری طرح پھنسا ہوا تھا

اور اس امر کا خاص سبب، کہ اتنی صدیوں تک فن زراعت ترقی پذیر کیوں نہیں ہوا ایک یہ بھی ہے کہ کوئی کسان اوس وقت تک کسی نئی بات کے لئے حوصلہ نہیں کر سکتا تھا جب تک وہ اپنے تمام گاؤں والوں کو اطمینان نہ دلا دے۔

۶۔ عہدہ داران دیہی

آجکل ہر ایک معمولی گاؤں میں ایک چوکیدار ضرور ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ علاقہ کی پنچایت کا سرپنچ (Maire) بھی ہوتا ہو مگر چوکیدار ایک دور کے حاکم بااختیار کے حکم سے مقرر ہوتا ہے اور سرپنچ یا "چودھری" کی کوئی حقیقی قوت نہیں ہوتی - مگر قرون وسطی میں ہر گاؤں کے اندر عہدہ داروں کا پورا عملہ ہوتا تھا، جس کا فرض یہ ہوتا تھا کہ تمام گاؤں کیطرف سے کام کرے - اول تو ایک "مکھیا" یا چودھری ہوتا تھا - جس کا انتخاب غالبًا گاؤں والے یا اونکے نمایندے آپس میں سے کرتے تھے، جو مالک اراضی کی خدمات کا پورا ذمہ دار ہوتا تھا، رواج اور رسوم کو قائم رکھتا تھا، اور جب گاؤں والوں کا بیرونی دنیا سے کوئی کام پڑتا تھا، تو اون کا ترجمان ہوتا تھا - اس منصب کے ساتھ (جیسا کہ ہندوستان اور ایران میں اب بھی رواج ہے) اگرچہ کچھ خاص حقوق امتیازی بھی ہوتے تھے مگر بعض قباحتیں بھی ہوتی تھیں - اور ایک قاعدہ کے آثار پائے جاتے ہیں کہ اس منصب کا قبول کرنا لازمی ہوتا تھا - دوسرا ایک "سپاہی" یا "منادی" ہوتا تھا - جس کا کام یہ تھا کہ گاؤں میں پیغامات لیجائے، مقدس درخت کے نیچے جمع ہونیکے لئے گاؤں والوں کو طلب کرے اور گاؤں والوں کی مجلس یا "پنچایت" کے احکام نافذ کرے - تیسرا "محافظ مویشی خانہ" ہوتا تھا، جس کا فرض یہ تھا کہ آوارہ مویشی کو پکڑ کر احاطہ میں قید کرے اور اوس وقت تک نہ چھوڑے جب تک مالکان مویشی گاؤں کے مشترکہ صندوق میں جرمانہ داخل نہ کر دیں - چوتھا "چرواہا" (Parker) ہوتا تھا، جس کا کام یہ تھا کہ مشترکہ چراگاہ میں مویشی اور بھیڑ بکریوں کی دیکھ بھال کرے، اور دیکھتا رہے کہ کوئی شخص اپنی معینہ تعداد سے زیادہ تو مویشی نہیں چراتا - پانچواں "پاسی" ہوتا تھا جو روزمرہ گاؤں بھر کے سور لیکر جنگل میں چرانے لیجاتا تھا - وعلی ہذا القیاس اور بھی اسی طرح سے دیگر کام کے آدمی ہوتے تھے - دنیا بھر کے بہت سے دیہات

میں گاؤں والوں کا یہ فرض ہوتا تھا کہ ایک "چوکیدار" مقرر کریں تاکہ دھن دولت کی حفاظت کرتا رہے۔ ہندوستان اور دیگر مشرقی ممالک میں اسوقت تک یہ رواج چلا آتا ہے کہ گاؤں کا بڑھئی، کمہار، لوہار، موچی، وغیرہ فی الحقیقت منصبدار ہوتے ہیں اور دوسرے منصبداروں کیطرح سے اونکو بھی معافی کی زمین دیجاتی ہے، جس کو اون کی طرف سے دوسرے کسان کاشت کر دیتے ہیں اور وہ اس کے معاوضہ میں جس کسی باشندۂ دیہہ کو ضرورت ہوتی ہے اپنی خدمت مفت نذر کرتے ہیں۔ فی الحقیقت ایسا ہی رواج کسی زمانہ میں یورپ میں بھی موجود تھا۹۔

گاؤں کی ابتداء

یہ بیان غالباً اس بات کے واضح کرنے کے لئے کافی ہوا ہوگا کہ قرون وسطی کا گاؤں، اگرچہ اوس اشتراکیت کے اصول پر مبنی نہیں تھا۔ جسکا ذکر مقرروں اور خطیبوں کی زبان پر نہایت خوشی سے آتا رہا ہے ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا منتظم متحد جماعت ہوتا تھا۔ زمانہ حال کے یورپین خودمختار کسانوں کے گروہوں سے قطعی مختلف ہوتا تھا۔ جن میں اگر اتحاد اور تعلق کا رشتہ اگر کوئی پایا بھی جاتا ہے تو محض اسیقدر کہ وہ ایک ہی زمیندار کے مزارعین ہیں۔

دو رائیں۔

اب جماعت دیہی کی ابتدا ر کے متعلق دو متضاد رائیں، بلکہ کسیقدر تلخ و ترش، پیش کیجا رہی ہیں۔ اگر ایکطرف بڑے بڑے زبردست مناظر، مسٹر سی بوم، پروفیسر وینوگراڈوف پروفیسر میٹلینڈ اور موسیو فسٹیل دو کولانژ جیسے متبحر عالم و فاضل و مہذب متین۔ اشخاص ہیں تو دوسری جانب بدقسمتی سے چند خاص نظریات کے حامی بعض کم درجہ کے علما ہیں جن میں سے بعض معمولی تہذیب و اخلاق کا ہمیشہ پاس نہیں رکھتے جو علما و فضلا کا لازمہ ہونا چاہئے۔ المختصر، چھوٹی چھوٹی فروعات سے قطع نظر کرتے ہوئے۔ دونوں متضاد رائیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) صحیح نمونہ کا گاؤں ابتداءً رشتہ داروں کا ایک گروہ تھا جو صرف اپنے لئے کام کیا کرتے تھے۔

(۲) گاؤں ابتداءً زرعی غلاموں کا ایک مجموعہ تھا جو اپنے آقا کی خدمت کیا کرتے تھے۔

کسی قدر مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ ان علما و فضلا کی آرا قطعی بے بنیاد ہیں اور

ہم نہایت خوشی کیساتھ ایک ایسا حل پیش کرتے ہیں جس سے یہ معمی بھی کھلجائیگا اور دو نو آرام سے کام بھی لیا جائیگا۔

ایک لمحہ کے لیئے اپنے اوس بیان پر غور کر کے جو پہلے ”تنظیم قبیلہ“ پر حوالہ قلم کر چکے ہیں، ہمکو یاد آجائیگا کہ، اول اول، اگرچہ اوسط درجہ کے اہل قبیلہ ایکدوسرے کے آزاد رشتہ دار تھے مگر ہر قبیلہ کیساتھ ایک جماعت اجنبیونکی بھی لگی رہتی تھی، جن کی حالت نہایت ادنیٰ اور خادمانہ درجہ کی ہوتی تھی علاوہ ازیں یہ بھی یاد آئیگا کہ متمول قبیلہ والے اکثر اپنے مویشی کا کچھ حصہ بطور قرض غریب آزاد اہل قبیلہ کو بالعوض کچھ سالانہ لگان اور متعدد ضیافتوں کے دید یا کرتے تھے۔ تیسرے ہمکو یاد آئیگا کہ ہر قبیلہ کا ایک سردار یا رئیس ہوا کرتا تھا جس کو بعض حقوق امتیازی حاصل ہوتے تھے اور جس کو اہل قبیلہ کیطرف سے متعدد و مختلف تحفہ تحایف و نذرانے پیش کیئے جایا کرتے تھے۔ اب ان امور کے دیکھنے سے فوراً آبائی جماعت کی تقسیم قریب قریب اونھی درجوں میں ہوجاتی ہے جو آجکل ایک معمولی جماعت دیہی میں نظر آتے ہیں اور جنکا ذکر ہم اوپر کر چکے۔ قبیلہ کا سردار یا رئیس تو آجکل ”وہ خدا،، (دیا آغا،، ہے، تھوڑی زمینوں والے اہل قبیلہ مزارعین ہیں اور اجنبی یا غیر لوگ جھونپڑیوں میں رہنے والے زرعی غلام ہیں۔

قبائلی اور دیہی تنظیم ترکیب میں مماثلت

مگر ایسا اتفاق شاید کبھی کبھی واقع ہوتا ہے کہ دونوں میں مشابہت ہوجائے۔ مگر اوس کو مدنظر رکھکر ہم کوئی حق نہیں رکھتے۔ کہ قبیلہ اور گاؤں میں کسی تعلق کا ثبوت پیش کریں۔ فی الواقع ایسے بہت سے فرق ہیں جنکے وجوہ بیان کیئے جانے چاہئیں اور انھیں فرقوں کی توجیہ سے چشم پوشی کرنیکی وجہ سے بہت سے مورخین کا، جو عالمانہ تاریخ نویسی کے دعویدار ہیں، مضحکہ اوڑایا گیا ہے۔ مثلاً قبیلہ میں وہ شخص جو غریب ہونیکی وجہہ سے قرض پر مویشی لیتا ہے۔ اپنا کرایہ رئیس قبیلہ کو ادا نہیں کرتا بلکہ مالک مویشی کو دیتا ہے مگر گاؤں میں جو خدمتیں بیگار رہیں کیجاتی ہیں وہ محض مالک اراضی کی ہوتی ہیں۔ درحقیقت قبیلہ اور گاؤں میں ایک درمیانی درجۂ ارتقائی ہے یعنی جرگہ۔ اور اسی جماعت کی نوعیت اور ابتداء کے دریافت کرنے کے لیئے ہمکو غور فکر کرنی چاہیئے

فلائتھ

خوش قسمتی سے اوس کا دریافت کرلینا چنداں مشکل نہیں ہے اگر ہم ایک بار آئرستان کے قدیم قوانین پر پھر نظر ڈالیں تو ہم کو ایک بڑی شخصیت نظر آئیگی جس کو فلائتھ کہتے ہیں اور جس کا تعلق مستقلاً ایک خاص علاقہ سے ہے جس میں حسب ذیل اشخاص رہتے ہیں :-

(۱) اوس کا کنبہ یا وہ لوگ جستے اوس کی تیوسط طبقہ ذوکو رشتہ داری ہے اور جو ایک مصنوعی طور سے آپس میں متفق معلوم ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو فینے (Fine) کہتے ہیں۔

(۲) اوس کے مزارعین، جو ہیں تو اوس کے اہل قبیلہ مگر اونھوں نے اوس سے مویشی وغیرہ قرض لئے ہیں۔ (جیسا ہم اوپر بیان کر چکے)

(۳) طبقہ "غیر کفو"، یا اجنبی لوگ (فوجی وغیرہ) جو خواہ کسی قسم کی تقسیم اندرون قبیلہ ہونے سے یا خود برضا و رغبت اوس کی پرورش میں آگئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس فلائتھ یا ذمیندار کے مرتبہ تک پہونچنے کے لئے متمول مالک مویشی کو کم از کم اسی مال و دولت میں تین نسلیں گذرنی چاہئیں۔ موجودہ زمیندار سے تیسری پشت میں کوئی شخص بشرطیکہ وہ متمول رہا ہو اور اب بھی ہو مگر اوسی علاقے میں زمیندار بنجاتا ہے مگر اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اس کا مستقل قبضہ اس علاقہ پر ہوا کیونکر؟

دورشبانی میں زمین کی تقسیم در تقسیم نہیں ہوتی تھی۔

یہ امر صاف صاف طور پر معلوم ہے کہ خالص دور شبانی میں قبیلہ کے اندر اراضی کی تقسیم مستقل طور پر نہیں ہوتی تھی۔ قبیلہ کے ہر شخص کا حصہ زمین ایکڑوں یا بیگھوں سے شمار نہیں ہوتا تھا بلکہ مویشیوں بھیڑوں بکریوں سے ہوتا تھا۔ یہ بظاہر تقسیم اراضیات کا بہت آسان طریقہ معلوم ہوتا ہے بمقابلہ اس کے کہ زمین کو پیمائش کرنیکی تکلیف گوارا کیجائے اور ہر شخص کے لئے زمین کے حصے لگائے جائیں۔ موسم کے لحاظ سے مویشی ادھر ادھر پھرا کرتے تھے۔ اور ان کے پیچھے قبیلہ والے اپنے خیمے اور مختصر اثاث البیت لئے ہوتے تھے۔ اور اگر گمان غالب ہے کہ برائے نام "خانہ بدوشانہ معاشرۃ کل کائنات یہی ہوتی ہوگی۔ مگر اب دکنبوں کی کثرت کیوجہ سے ہمکو فرض کرنا پڑیگا کہ فن زراعت کچھ کچھ رائج ہوتا گیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ آوارہ گردی کی زندگی روز بروز ناممکن محسوس

ہونے لگی۔ یہ بات مان لیجائے کہ اول اول زمین کے جوتنے بونے والوں نے اوس زمین کو صاف کر کے زیر کاشت لیا جو پیشتر سے قبیلہ والوں کے قبضہ میں نہیں تھی کچھ دنوں بعد جلد یا بدیر، جب فن زراعت میں ترقی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم اس باب کے شروع میں بیان کر چکے ہیں، تو لوگ اپنی زمینوں کو چھوڑنے پر رضامند نہ ہوئے مگر سوال یہ ہے کہ یہ قدیم ترین زمین کے جوتنے بونے والے کون لوگ تھے؟ صاف ظاہر ہے کہ وہی اجنبی یا غیر کفو طبقہ تھا جو قبیلہ کے ساتھ لگا رہتا تھا۔ جس قبیلہ کے سخت کاموں سے تعلق تھا، اور جس پر سامان خوراک کی کمی کا اثر سب سے پہلے پڑا تھا۔ اسطرح رفتہ رفتہ قبیلہ کا کل علاقہ متمول قبیلہ والوں میں تقسیم ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی مزارعین اور "غیر طبقہ" بھی تقسیم ہوا۔ اور جب اسی حالت میں تین پشتیں گزر چکیں تو پھر اوس کا قبضہ پورا نہیں اوٹھ سکتا تھا۔ آئرستان کے بارہ میں ایک پرانی نظم میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ تمام ملک ۱۸۴ قبائلی علاقوں میں منقسم تھا۔ ہر علاقہ کی تقسیم ۳۰ حلقوں یا کنبہ کی زمینوں میں ہوتی تھی، ایک حلقہ میں ...۳ مویشی چر سکتے تھے اور ۱۲ ہل کی زمین ہوتی تھی۔ ایک ہل کی زمین ۱۲۰ ایکڑ شمار کیجاتی تھی یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ اعداد و شمار صحیح ہیں مگر واقعات میں کوئی شک بھی نہیں۔

اس کا ثبوت تاریخ ویلز سے

ویلز کے قوانین میں صرف برادری اور قبیلہ کا ہی پتا نہیں چلتا جو اپنے موروثی علاقہ میں مستقلاً آباد ہیں، بلکہ ایک اور ضمنی تقسیم کا بھی نشان ملتا ہے جس کو "گویلی" (Berber) کہتے ہیں اور جو ایک "بربر" (Gwely) چھوٹے رئیس قبیلہ کے ماتحت ہے، جو تین پشت والے خاندان کا سردار ہے۔ لفظ "گویلی" جس کے لغوی معنی پلنگ یا چارپائی ہیں، مضبوط خاندانی تعلقات کیطرف اشارہ کرتا ہے۔ اور فی الواقع ویلز کے قوانین میں ایک قدیم آبائی گھرانے کا دلچسپ بیان ملتا ہے جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً ایک قوطی گرجا کے نمونہ کا ہو گا جس میں ان ستونوں کی پشت پر جن پر چھت تھی اور جس سے مراد گرجا کا وسطی حصہ تھا وہ مقام تھا جسکو آجکل کی اصطلاح میں "ٹرانسیپٹ" کہتے ہیں مگر قوانین میں "گویلی" آیا ہے "یعنی خاندانی اراضی (Tir Gwelyawg) جس کو آئرلینڈ والے "ادوربا" کہتے ہیں، خاندانی زمین ہے جو اوسی علاقہ میں تین پشت قبضۂ خاندان میں چلی آتی ہے۔ اور جس میں مزارعین اور زرعی غلام بھی ہیں ویلز میں

اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ کاشتکاری کا کام اول اول التوڈس (Alltuds) یعنی اجنبی لوگوں نے شروع کیا تھا۔ قبیلہ کے آزاد آدمی خاص طور پر مویشی پالنے کے کام میں مصروف رہتے تھے۔

اسکاٹلنیڈ سے ثبوت

اسکاٹلنیڈ کی تاریخ سے جو ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے خصوصاً جس کا تعلق کوہستانی علاقہ سے ہے، ہمکو کفو، یا قبیلہ کی شاخ، کا نام ملتا ہے جو زمین پر مستقل قابض ہوکر رہتا ہے اور کاشتکاری کرتا ہے۔ یہ گویا اراضی پر قابض۔ کاشتکاری جماعت کی فرد ہے۔ گویا اسطرح سے اجب طریقہ جاگیری، چودھویں صدی عیسوی سے شروع ہوگیا تھا، کسیقدر رائج ہوچکا تھا، پورا علاقہ عموماً چار طبقوں میں تقسیم ہوتا تھا ایک[۱] جاگیر خاصہ یعنی آقا کی سیر، دوسرا[۲] مزرعہ جات یعنی طبقہ اعلیٰ کی زمینیں، جنکو "منظور نظر" مزارعین کہتے تھے، تیسرے[۳] دوہل کی زمین (جو عام طور پر دوہل کے لئے کافی اور رقبہ میں ۱۲۶ ایکڑ کے قریب ہوتی تھی) یہ چھوٹے کسانوں کے زیر کاشت ہوتی تھی جو مویشی بھی زمیندار سے لیا کرتے تھے۔ چوتھے نوکروں کے کھیت یا باڑے، جو چھوٹے ٹکڑوں میں ہوتے تھے اور جنپر اون جھونپڑیوں والوں کا قبضہ ہوتا تھا جو اپنا زیادہ تر وقت آقا یعنی "زمیندار" کی سیر میں صرف کرتے تھے۔ یہ بھی گویا قریب قریب وہی ترتیب ہے جو آیرستان اور ویلز میں تھی

گاؤں میں برادری

اس طرح ہمکو معلوم ہو گیا، بشرطیکہ ہمارا بیان صحیح ہوا کہ وہ مصنفین جو اس بات پر مصر ہیں کہ گاؤں کی ابتدا برادری کے گروہ سے ہوئی بہت کچھ صحت پر ہیں اور اون کی دلیلوں کی بہت سی معنی خیز قدیم رسوم و رواج کے آثار سے بلا واسطہ تائید ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک رسم "رضاعۃ" ہے یعنی جماعت کے متمول افراد کا اپنی اولاد کو پرورش کیلئے غربا کو سپرد کر دینا۔ دنیا جانتی ہے کہ قدیم زمانہ میں رشتہ رضاعۃ کو بھی کنبہ کی رشتہ داری کے قریب قریب مساوی شمار کیا جاتا تھا، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس رسم کی بدولت جماعت کم از کم یہ دعویٰ کرنا چاہتی تھی کہ وہ سب آپس میں رشتہ دار بھائی ہیں۔ علاوہ ازیں اسیقدر وسعت کیساتھ "بھائی بکر" یعنی لڑکی کی قیمت کا رواج جاری تھا۔ سکین لوگوں میں "مرشت" (Merchet)

ویلز والوں میں "امو بیر" (Amobyr) کہتے تھے، یہ ایک رقم ہوتی تھی جو کسی گاؤں والے کی شادی کے موقع پر سردار یا رئیس کو دیجایا کرتی تھی۔ اور غالباً اوس "دلھن کے مول" کی بچی کھچی نشانی ہے۔ جو قدیم زمانہ میں بیوی کے ورثا وصول کیا کرتے تھے۔ مزید براں بعض اصطلاحات مثلاً "برادری" جس کے معنی بعض حصص ہندوستان میں گاؤں ہیں، اور فی زماننا غیر متمدن ممالک میں غیروں کو اپنے گاؤں کی زمین خرید لینے پر نارضامندی، سب باتوں کا یہی نتیجہ ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

امارت دیہی

دوسری طرف وہ مصنفین بھی اجنکی رائے یہ ہے کہ گاؤں کی ابتدا بجائے برادری کے قبیلہ کی امارت دیہی سے ہے، اپنی تائید میں بہت کچھ رکھتے ہیں۔ برادری کے اندر غیر کفو رعایا، جو کچھ اہم خدمت انجام دیتا ہے اوس سے قطع نظر کر کے ہمکو یہ بات فراموش نہ کر دینی چاہئے کہ جہاں کہیں بھی ہمکو قدیم کاشتکارانہ معاشرت کے آثار ملینگے وہاں ہم ضرور کسی ایسی چیز کو دیکھینگے جو کسان بطور "ابواب" و "حقوق" ادا کرتے ہیں اگر ہم پچھلے زمانہ کے اضافوں کو انگریزی ول کا ڈین گلڈ جیسے مسلمانوں کا خراج، چھوڑ دیں، جن کا ہم کہیں اور بیان کرینگے، ہمکو "خوراکی" یا "ضیافت" کی رسمیں بھی نظر آتی ہیں، جو مویشی قرض لینے والا قرضخواہ کو اور قرض خواہ اپنے سردار کو دیتا تھا۔ اور علاقہ کی تمام زمینوں کیطرف سے "سردار" و "رئیس قبیلہ کو کچھ رقم بطور خراج بھی ادا کیجاتی تھی۔ برادری کے سرداروں کی طرح رئیس قبیلہ کے قبضہ میں بھی بغرض گذارہ خاص حصہ زمین کا ہوتا تھا۔ اور اس اراضی کو وہ اکثر دوسرونکو بغرض کاشت دیدیتا تھا جو اوس کو معاوضہ میں زمین کی پیداوار کا کچھ حصہ ادا کرتے تھے مزید براں اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جب اراضی کثیر ہوتی تھی، تو کوئی حوصلہ مند کنبہ والا افتادہ اراضی پر جدید نوآبادی بسا کر مزرعہ قائم کر لیتا تھا اور اس نئے گاؤں میں اپنے متعلقین اور ساتھیوں کو آباد کر لیتا تھا۔ اور اس صورت میں وہ اس نئے گاؤں کا مالک بنجاتا تھا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ امارت دیہی اور برادری دونوں نہایت زبردست قدیم جماعتی اصول اساسی ہیں۔ مقدم الذکر پر خیال کسیقدر زیادہ جمتا ہے اور اوس میں یگانگت اور یکسانیت پیدا ہوتی ہے مگر موخر الذکر کی بنیاد قوت بالا کے

احترام مالکانہ خصوصیات پر مبنی ہے اور اوس سے اطاعت پیدا ہوتی ہے۔ ایسے معاشرتی فرد کے لئے دیہی کہ زراعتی گاؤں میں یکسانی اور اطاعت دونوں انتظاماً ضروری ہیں۔

باب ۷

صنعت و حرفت اور انجمن اہل حرفہ

دھات کا کام

کسیقدر ریبے جا تعمیم کیساتھ عموماً اصطلاح "صنعت و حرفت" کاشتکاری، شکار، اور پرورش حیوانات کے علاوہ اور تمام کاموں کے لئے استعمال کیجاتی ہے۔ لہذا ایک معنی میں "دور وحشت" کے اندر بھی ایک قسم کی صنعت و حرفت پائی جاتی ہے۔ جب "غول" کی عورتیں شکار شدہ جانوروں کی کھالیں نکالکر اپنے غاروں اور درخت کی چھال کی جھونپڑیوں میں دباغت کرتی ہیں۔ "عہد شبانی" میں اس سے بھی زیادہ کہنا چاہیے جبکہ چرواہے کی بیوی اور لڑکی گلوں کی اون کاتکر کپڑے بنتی ہیں اور گائے بھینسوں کا دودھ دوہکر اوس کا مکھن، پنیر، گھی، وغیرہ بناتی ہیں۔ مگر "دور زراعت" میں مختلف صنعت و حرفت پر زیادہ زور پڑتا ہے۔ جبکہ کاشتکار مختلف آلات کشاورزی طلب کرتے ہیں۔ اور اس طلب کا سلسلہ تاریخ تمدن کے ایک اور اہم مضمون سے ملا ہوا ہے یعنی دھات کی چیزیں بنانیکا فن۔ قدیم ترین آلات کاشتکاری بیشک لکڑی اور پتھر کے بنے ہوتے تھے۔ مگر جبتک دھات کے بنے ہوئے آلات سے کام نہ لیا جائے اوس وقت تک فن زراعت میں معتدبہ ترقی نہیں ہوسکتی۔

لوہے کا استعمال

ابتو یہ معقول طور پر واضح ہوگیا کہ "شبانی قومیں" بھی کسیقدر دھات کی چیزیں بنانا جانتی ہیں۔ ہومری سورما برنجی خود و بکتر اور نیزہ و شمشیر، شامی انبیا کے غیر منقوش سکہ جات (جو وزن سے شمار ہوتے تھے) افریقی قبائل کے طلائی و نقرئی زیورات اور قدیم ترین زمانہ کی برنجی یادگاریں جو متواتر زمین سے کھود کر نکالی جارہی ہیں تمام چیزیں اس واقعہ کیطرف اشارہ کرتی ہیں کہ دھاتوں کی چیزیں بنانیکا فن بہت ہی قدیم ہے۔ لیکن یہ امر قابل غور ہے کہ یہ تمام چیزیں نرم دھاتوں کی بنی ہوئی ہیں جو پتھر کے ہتوڑے سے بنائی جاسکتی ہیں۔ اور جنکو ٹھنڈی

حالت میں پیٹ کر جس صورت میں چاہیں بنا سکتے ہیں۔ اصلی انقلاب اوس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان لوہے کی چیزیں بنانا سیکھ لیتا ہے جس کا کام بغیر آگ میں تپائے نہیں بن سکتا۔ مگر جو چیز بن جاتی ہے وہ پرانی دھاتوں کی اشیا سے بے انتہا سخت ہوتی ہے اور وہ کام کرسکتی ہے جو پہلی چیزیں ہرگز نہیں کرسکتی تھیں یہ خیال کرنیکے بہت سے وجوہ موجود ہیں کہ کچی دھات کو پگھلا کر اصلی دھات نکالنے کا کام یورپ میں پیدا نہیں ہوا بلکہ ممالک مشرقیہ، غالباً مصر سے، لایا گیا تھا جہاں لوہے کی چیزیں بہت ہی قدیم زمانہ سے بنائی جاتی تھیں۔ ایک روشن دماغ جرمن مصنف نے قدیم زمانہ کی آریہ معاشرت کا نقشہ کھینچنے کی کوشش کی ہے اور "زبانوں" کی شہادت پیش نظر رکھکر ظاہر کیا ہے کہ آریہ زبان بولنے والی اقوام میں "لوہے" کے لئے کوئی عام لفظ عالمگیر وسعت کیساتھ رائج نہیں ہے۔ اور اس واقعہ سے وہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ "آہن سازی" کا فن یورپین اقوام نے مغربی یورپ میں نقل مکان کرنیکے بعد حاصل کیا تھا۔ خیر جو کچھ بھی ہو مگر یہ صحیح ہے کہ یورپین اقوام فن آہن سازی میں دنیا کی دوسری اقوام پر بہت عرصہ سے سبقت لیگئی ہیں۔

آہنگر

اب یہ بات بخوبی ظاہر ہوگئی کہ فنون (زمانہ حال کی اصطلاح میں) کی ابتدا لوہار کے ممتاز پیشہ سے شروع ہوتی ہے۔ اور درحقیقت کہا جاسکتا ہے کہ اسی پیشہ سے دنیا کے اور کام بھی نکلے۔ آہنگر لوہا تپا کر گاؤں والوں کے نہ صرف ہل کا پھار Ploughshare اور ہنسیہ بناتا تھا بلکہ اوس سے بھی زیادہ ضروری اشیا، تلواریں اور نیزے بھی۔ یہی وہ شخص تھا جس نے، جوں جوں ترقی ہوتی گئی، لوہے کی مینخیں بنائیں جنھوں نے پرانی ہڈیوں اور لکڑی کی کیلوں کی جگہ لے لی۔ اسی شخص نے آہنی چاقو بنائے جنھوں نے پرانی پتھر کی بنی ہوئی کلہاڑیوں اور دھاردار چقماق کی چھریوں کو برطرف کردیا۔ اور اسی شخص نے آہنی ہتھوڑا بنایا جس نے پرانے بیڈھنگے چقماقی ٹکڑے کو علیحدہ کردیا۔ جس میں سوراخ کرکے ایک چوبی دستہ ٹھونک دیتے تھے۔ اگر کوئی شخص جس کو ضروری معلومات حاصل ہو صبر و ضبط کیساتھ "پیشۂ آہنگری" کی تاریخ لکھے اور تمام عہدوں میں اوس کے تدریجی نشو و نما کو ظاہر کرتا جائے اور تمام ممالک کا خیال رکھے تو وہ تاریخ معاشرت کی بے انتہا خدمت کریگا

مگر خیر اب بھی جو کچھ معلوم ہو سکا ہے وہ بھی بہت معنی خیز ہے۔ مثلاً یہ امر صاف طور پر ظاہر ہے کہ مدتوں تک یورپ میں یہ فن ہرتے پھرتے۔ خانہ بدوش غیر ملکیوں کے ہاتھ میں رہا۔ ممکن ہے کہ وہ ہمارے موجودہ (آوارہ گرد اقوام) جیپسیوں Gypsies کے آباواجداد ہوں جو اپنے پیشہ کے اسرار کو نہایت احتیاط کیساتھ محفوظ رکھتے تھے اور ہرگز کسی کو نہیں بتلاتے تھے یہ "جیپسی" والا تخیل واقعی اوس خیال سے مطابق ہوتا ہے کہ یورپ میں فن آہن سازی اجنبیوں کا لایا ہوا ہے۔

فنون کی تخصیص

اگر ہند و یورپی اقوام نے، جیسی کہ توقع تھی، اپنی اوس طبعی مناسبت سے کام لیکر جو دنیا میں اونکی اعلیٰ ترقی کا سب سے بڑا راز ہے، آخرکار اس فن کو اپنا ہی کرلیا، اور "اسمتھ" "آہنگر" Smith نام کے بہت سے خاندان (جرمن میں شمڈٹ (Schmidt) فرانسیسی میں "فیور" (Favre) وغیرہ) اس باتکے شاہد ہیں کہ یہ پیشہ بہت ہر دلعزیز تھا۔ اسی پیشہ سے دوسری شاخیں نکلیں مثلاً نجار یا بڑھئی۔ جو میخوں، ہتوڑا اور "نہانی" (لکڑی کھودنے کا اوزار) سے لکڑی کا کام کرتا ہے۔ موچی جس نے لوہار کی سوئی اور رانپی لی۔ علیٰ ہذ القیاس اب پُرانے پیشوں میں بھی اس بات کا رجحان نظر آنے لگا۔ کہ اونکو خاص کرلیا جائے۔ اور اب بجائے اس کے کہ ہر خاندان اپنا بنتا، چھپر باندھنا، روٹی پکانا اور شراب کشید کرنا وغیرہ، اپنا کام آپ کرنا، ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ایک پیشہ ایک ایک خاص جماعت نے لے لیا، اور جُلاہے، کمہار، نانبائی، اور کلال[1] وغیرہ بنگئے۔

تجارت

لیکن اشیاء کے بنانیوالوں اور پیدا کرنیوالوں کو یاد کرنیکے ساتھ ہی ہمکو اسیقدر مہتم بالشان ایک طبقۂ پیشہ وران کو بھی فراموش نکردینا چاہیے، یعنی تجار یا تبادلہ کنندگان۔ درحقیقت یہ امر باور کرنیکے وجوہ موجود ہیں کہ بلحاظ ترتیب تبادلہ کا نمبر پیداوار سے اول ہے۔ وحشیان آسٹریلیا کوئی چیز قابل تذکرہ نہیں بناتے مگر وہ اپنی بعض قدرتی پیداوار کا اون اشیاء سے تبادلہ کرلیتے ہیں جن کی اون کو ضرورت پڑتی ہے یعنی اگر ایک گروہ کسی ایسے ملک میں شکار کھیل رہا ہے جہاں ایک خاص قسم

---

[1] یہ ایک عجیب اور دلچسپ واقعہ ہے کہ انگلستان میں شراب کشید کرنیکا کام پہلے عورتیں کرتی تھیں ممکن ہے کہ فارسی دختِ رز اور عربی بنت العنب بھی یہی مناسبت رکھتے ہوں۔ مترجم

کے سبز پتھر پائے جاتے ہیں جن کو کلہاڑی بنانے کے واسطے بہت اچھا سمجھا جاتا ہے، تو وہ اپنے بعض نوجوانوں کو اس قیمتی پتھر کے ٹکڑے دیکر بھیجدینگے تاکہ کسی دوسرے قبیلہ سے بعض خاص پرندوں کے پروں سے تبادلہ کر لائیں جنکو آرائش و زیبائش کیلئے اعلیٰ درجہ کا شمار کیا جاتا ہے یہ قدیم طرز کے سوداگر اجنبی گروہ کے پڑاؤ پر جاتے ہوئے بعض رسوم ادا کرتے ہیں اور نامعلوم زمانہ سے رائج دستور کے مطابق اونکو حق حاصل ہوتا ہے کہ بطور مہمان کے سمجھے جائیں، دشمن نہ شمار کئے جائیں۔ کسی افریقی سردار کے پاس جب کوئی اجنبی شخص ملنے جاتا ہے تو کچھ نہ کچھ تحفہ تحائف نذر کرتا ہے، یہ رسم گویا اوسی قدیم رواج کی یادگار ہے۔ کیونکہ یہ بات قابل غور ہے کہ سردار مذکور ہمیشہ یہ اخلاق برتتا ہے کہ اون تحائف کے بدلہ کوئی اور تحفہ اپنی طرف سے واپس کر دیتا ہے بہرحال ہمکو ان واقعات میں "قانون بازار" کی قدیم ترین جھلک معلوم دیتی ہے۔ اور یہ خود بھی تاریخ تمدن کا ایک قابل قدر عنصر ہے۔

مبادلہ اور بیع و شری

درحقیقت تجارت زمانۂ دراز سے اپنی قدیم صورت میں بذریعۂ مبادلہ ہوتی چلی آئی ہے، یعنی ایک شئے دوسری سے بدل لی جاتی ہے۔ اس طرز تجارت کے نقصانات صاف ظاہر ہیں۔ مثلاً ایک فرقہ کے پاس کثرت سے شترمرغ کے پر ہیں اور وہ اون کو علیحدہ کرنا چاہتا ہے مگر اون چیزوں کو لینا نہیں چاہتا جو دوسرا فرقہ معاوضہ میں دے سکتا ہے۔ لہذا ظاہر ہے کہ اون میں کوئی معاملہ نہیں ہو سکتا۔ جماعت کے اندر یہ ممکن تھا کہ قرضدار اور قرضخواہ کا حساب کتاب رکھکر معاملہ طے ہو جاتا۔ مگر اجنبیوں کے درمیان بلکہ حریفوں میں، ایسا ہونا محال ہے۔ کبھی کبھی کوئی چیز، جیسے افریقہ میں کوڑیاں "معیار قیمت" قرار دے لی جاتی ہیں۔ اور اون میں قیمت ادا کیجا سکتی ہے۔ مگر اس طریقہ پر یہ اعتراض عائد ہوتا ہے کہ یہ چیزیں خود کوئی ذاتی طور پر قیمتی نہیں ہیں۔ لہذا ممکن ہے کہ جو جماعت ان چیزوں کو قبول کرے اوس کو نقصان پہونچے۔ اس طریقے میں بہت بڑی ترقی اوس وقت ہو جاتی ہے جب کوئی عام مطالبہ کی چیز، جیسے بیل معیار قیمت قرار پا جاتی ہے اس صورت میں ہمکو مبادلہ اور فروخت میں فرق معلوم ہو جاتا ہے۔ وہ جماعت جس کو شترمرغ کے پروں کی ضرورت ہے مگر اوس کے پاس وہ چیز نہیں ہے جس کی فریق ثانی کو

خواہش ہے پروں کے بالعوض ایک خاص تعداد بیلوں کی دیدیتی ہے۔ اب گویا بیل پروں کی قیمت ہو گئے، اور یہ بقول علمائے اقتصادیات قیمت ہے معیار تبادلہ کی صورت میں اس بیان کا ایک عجیب ثبوت ہمکو اس واقعہ سے ملتا ہے کہ جب قیمتی فلزات نے بیلوں کی جگہ لے لی۔ کیونکہ فلزات ایک جگہ سے دوسرے جگہ سہولت سے جاسکتی ہیں اور آسانی سے گھستی بھی نہیں اور اسی لئے درحقیقت زیادہ مناسب ہیں، قدیم ترین سکہ جات جو ہمکو دستیاب ہوئے ہیں اونپر اکثر بیل کے سر کی ضرب یعنی نشان پایا گیا ہے۔ مگر ہمکو یہ فرض نہیں کر لینا چاہئے کہ ٹکسالی سکوں نے فورا بیلوں کی جگہ لے لی۔ غیر ٹکسالی معیار قیمت کا ایک درمیانی درجہ بھی ہے جو بذریعہ وزن کام دیتا تھا بہت کچھ ثبوت اس واقعہ کا ابتک ملتا ہے۔ مگر ہمکو زیادہ دور جانیکی ضرورت نہیں ہے کیونکہ خود انگریزی لفظ "پونڈ" ہی موجود ہے، جو ایک خاص قیمت کا وزن بھی ہے اور سکہ بھی!

تنظیم فنون وپیشہ جات

اب کسیقدر یہ بات دیکھنے کے بعد کہ فنون اور پیشے مع ایسی دو شاخوں پیداوار اور تبادلہ کے کیونکر پیدا ہوئے، ہم دوسری طرف توجہ کرتے ہیں اور جسطرح فن زراعت کے بارہ میں بحث کی تھی اوسی طرح دیکھتے ہیں کہ پیشوں کی تنظیم کیونکر عمل میں آئی، یعنی کون سے رسم ورواج پیدا ہوئے جنسے پیشے بخوبی چلے۔

گاؤں کے کاریگر

اس میں کوئی شک نہیں کہ اول اول اس امر کی کوشش کیگئی تھی کہ صنعت وحرفت کو نظام دیہی میں قائم کر دیا جائے۔ اگرچہ "آہنگر" بوجہ "غیر کفو" ہونیکے اہل قبیلہ میں آسانی کیساتھ جذب نہیں کیا جاسکتا تھا اور اسی وجہ سے ہم لوہار کی جھوپڑی گاؤں سے علیحدہ یا کچھ فاصلہ پر پاتے ہیں، تاہم گاؤں کا لوہار فی الواقع گاؤں کا ایک مسلمہ ادارہ ہو گیا اور ابتک ہے۔ یہی حال دوسرے پیشوں اور حرفتوں کا ہوا۔ بڑھئی، موچی، درزی، جلاہا، کمہار، اور نانبائی، مشرقی ممالک میں گاؤں کے ابتک اجزائے لاینفک ہیں۔ اور ممالک یورپ میں بھی بیشتر ایسے ہی تھے۔ قدیم سوداگر کی جگہ ہم آجکل گھومنے پھرنے والے بساطی دیکھتے ہیں جو اپنی گٹھری یا بقچہ لادے ہوئے گاؤں گاؤں پھرتا ہے، اور اگرچہ خود گاؤں والا نہیں ہے مگر کم از کم دیہات کے سلسلہ کی ایک کڑی ضرور ہے

بازار

مگر جوں جوں صنعت و حرفت مخصوص ہوتی گئی اور پرانے پیشوں میں سے نئے نئے پیشے نکل نکل آئے تو لوگوں کو رفتہ رفتہ یہ بات معلوم ہونے لگی کہ اگر کسی خاص حرفہ کے آدمی ایک مرکز میں جمع ہو جاتے ہیں تو کام بہت اچھا ہوتا ہے۔ بشرطیکہ مرکزی مقام اوس خاص پیشہ کے لئے مناسب ہو۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ صنعت و حرفت کے شہر کیطرف مائل ہونیکی ابتدا اسی بات سے ہوئی تھی اور یہی آجکل اہل حرفہ کی خصوصیت ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شہروں اور قصبوں کی ابتدا اہل حرفہ کے تدریجی اجتماع سے ہوئی۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ محفوظ اور قلعہ بند شہروں اور قصبوں نے اہل حرفہ کی توجہ اپنی طرف مائل کی۔ امر متنازعہ فیہ ہے۔ مگر یہ بہت کچھ صحیح ہے کہ گاؤں کے قدیم ادارات میں "بازار" حاضر رہے، اور بازار کے وجود کا ارتقائے حرفت سے بہت ہی قریبی تعلق ہے۔ مگر وہ نواح کے گاؤں والے بازار میں زرعی پیداوار خرید نے نہیں آئینگے اگر آئینگے تو اون چیزوں کے لئے جنکو خاص طور پر "صنعتی" کہا جاتا ہے۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ بازار کی لازمی خصوصیت یہ ہے کہ وہ "رقبۂ غیر جانبدار" ہوتا ہے۔ جہاں مختلف جماعتوں کے آدمی ایکدوسرے کے علاقہ پر قدم رکھے بغیر جمع ہو سکتے ہیں۔ اگر انگریزی لفظ "مارکیٹ Market" پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کا مادہ "مارک" یا "مارچ March" ہے، جسکے معنی "سرحد" ہیں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ بازار کا مقام اکثر ایسی جگہ ہوا کرتا تھا جہاں دو تین اضلاع کی سرحدیں ملتی تھیں خیر اگر ہوتا تھا یا نہیں ہوتا، بہر تقدیر یہ ضروری بات ہے کہ بازار ایک "امن و امان" کی جگہ ہونی چاہیے۔ زمانۂ مابعد میں بازاروں اور گذریوں کے مقامات پر جو بڑی بڑی صلیبیں پائی جاتی تھیں اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بازاروں کو کلیسا نے اپنی خاص حفاظت میں لے لیا تھا بعد کو بادشاہوں اور شہنشاہوں نے بھی اپنی بازار گاہوں کو محفوظ رکھنا خاص طور پر ضروری سمجھا۔ مگر یہ بات بتلانا بہت دشوار ہے کہ جب مملکت اور کلیسا کا وجود ہی نہیں تھا تو بازاروں کے امن امان کو کیونکر قائم رکھا جاتا "دور وحشت" میں یہ ضروری ہے کہ خریدار اور فروخت کنندہ واقعی کبھی ایکدوسرے سے ملنے نہیں پاتے۔ فروخت کنندہ اپنے مال کو اجنبی پڑاؤ کے پاس لاتا ہے

اور پوری طرح سے زمین پر کھلا چھوڑ کر ہٹجاتا ہے۔ جو شخص اوس مال کو خریدنا چاہتا ہے
وہ نکلکر آتا ہے۔ مال کا معائنہ کرتا ہے اور جو چیز وہ اوس کے تبادلہ میں دینا چاہتا ہے
اوس کو مال کے پاس رکھکر خود بھی ہٹجاتا ہے۔ فروخت کنندہ ایکبار پھر آتا ہے، تبادلہ
کی چیز دیکھتا ہے اور اگر اوسکا اطمینان ہو جاتا ہے تو اوسکو لیکر چلا جاتا ہے اور اپنا
مال خریدار کے لیجانیکے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ اگر وہ تبادلہ کی چیز سے مطمئن نہیں ہوا
تو اپنا مال لیکر چلا جاتا ہے۔ اب یہ کہنا فضول ہے کہ وحشیوں کا طرز تبادلہ کسیقدر دقت
طلب ہے، مگر دقت جس چیز کو کہتے ہیں وہ اونکی نظروں میں کوئی قدر و قیمت
نہیں رکھتا بلکہ وہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ دقت ہوتی کیا بلا ہے۔ پدرسری یا آبائی معاشرت
کے زمانہ میں غالباً یہ فرض کر لیتے تھے کہ "بازار گاہ کے دیوتا" کسی پر اسرار طریقہ سے
خود بازار کے امن کے محافظ ہیں۔ بہرحال جس چیز کو مشرقی زبان میں "بازار"
کہتے ہیں وہ فی زمانا بھی آبائی طرز کی قصباتی زندگی کی ایک خصوصیت ہے۔

برادری ہم پیشگان

مگر قدیم زمانہ کے آدمی کے خیال کے یہ بات قطعی خلاف ہے کہ وہ
ایک بڑی جماعت میں انفرادی طور پر الگ تھلگ تنہا اور غیر محفوظ
رہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ شبانی مشاغل نے نشو و نما پاکر قبیلہ
کی صورت قائم کی، جس میں یکجدی رشتہ، باہمی دشمنی (جس کی وجہ سے ایکدوسرے
کی امداد کی جرأت پیدا ہوتی تھی) اور پرکھا پوجا تھیں۔ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ
فن زراعت کے سلسلہ میں برادری پیدا ہوئی جس میں زبردست انتظام خاندان
دقیق انتظام قبضۂ اراضی اور راعی و رعایا کی حفاظت و خدمت کے فرائض تھے
اسیطرح سے جب صنعت و حرفت کو نشو و نما ہوئی تو "انجمن اہل حرفہ" وجود میں آگئی
جب کسی پیشہ ور نے خود کو غیر جگہ اپنی برادری و خاندان سے علٰحدہ دیکھا تو اوس نے
اپنے ساتھیوں یا ہم پیشہ کی ایک انجمن قائم کر لی جو قریب قریب برادری و خاندان
کے ہی برابر تھی، جسکو وہ چھوڑ کر آیا تھا۔ غالباً اول اول تو یہ محض ایک انجمن امن و امان
تھی، پھر اسپر ایک قسم کا مذہبی رنگ چڑھگیا۔ ممکن ہے کہ خاندان کی "پرکھا پوجا"
کی تقلید کیگئی ہو۔ قرون وسطی کی انجمن اہل حرفہ کا بھی ہمیشہ کوئی سرپرست ولی
ہوتا تھا، اور اگرچہ اوس کے ارکان خود کو اوس ولی کی اولاد ہونیکا یقین نہیں

کرتے تھے، مگر اکثر ظاہر ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ آخر میں یہ "انجمن" اپنی نوعیت میں بہت زیادہ صنعتی ہوگئی اور اوس کے مشاغل اب زیادہ تر، کام اور قیمتوں کا انتظام پیمانہ اور معیار کا تعین، کارخانوں کا معائنہ غیروں کا اخراج، وغیرہ وغیرہ رہنے لگے۔ لیکن جسقدر بھی ہم اس انجمن کا غور سے مطالعہ کرتے ہیں ہمکو اوس میں قدیم "برادری" کی مشابہت نظر آتی ہے۔ برادری کیطرح یہ بھی قطعی موروثی تھی۔ انجمن حرفہ کے کامل حقوق حاصل کرنے کے لئے سب سے بڑا دعویٰ یہ ہوتا تھا کہ سائل کا باپ بھی انجمن کا رکن تھا یا رہا تھا۔ پیدائشی حق کی عدم موجودگی میں "امیدواری" ہی چارہ کار ہوتا تھا۔ مگر "نوآموز کی حیثیت" بھی "تبنیت" سے ملتی جلتی ہوتی تھی "انجمن اہل حرفہ" کے زمانہ میں نوآموز اپنے اوستاد کے گھر رہا کرتا تھا، اوسیکے ساتھ کھانا کھاتا تھا، اوسیکے ساتھ عبادت کرتا تھا، اوسیکے ذمہ کپڑے پہنتا تھا اور وہیں کام سیکھتا تھا۔ الغرض بالکل بیٹے کیطرح ہوتا تھا جسطرح کسی برادری کا آدمی اپنے نام کے آگے یا پیچھے بطور شناخت یا اپنے مورث اعلیٰ کا نام لگا دیتا تھا۔ اسیطرح انجمن اہل حرفہ کا رکن بھی خود کو اپنے پیشہ کے نام سے پکارا کرتا تھا بعض قابل مبصرین کا قول ہے کہ ہندوستان کے اندر ذات پات کی تفریق بھی محض موروثی پیشوں کی پیچیدگیوں سے پیدا ہوئی۔ آخری زمانہ میں انجمن اہل حرفہ اپنے اراکین کے بچوں کے لئے مدارس اور یتیم خانے بھی بنواتی تھی۔ اُن کے جنازہ کے ساتھ جاتی تھی، مذہبی پند و وعظ کی محفلیں منعقد کرتی تھی، اپنے ممبروں کو "بھائی" کے لقب سے پکارتی تھی، اپنا ایک سردار یا چودھری رکھتی تھی، ممبران کے باہمی تنازعات کا فیصلہ کرتی تھی اور جسطرح کہ کوئی منتظم خاندان کرتا ہے اسیطرح وہ بھی اپنے اراکین کو آپسمیں مقابلہ کرنے سے منع کرتی تھی۔ القصہ اپنے زبردست ترقی یافتہ معاشری پہلو اپنے اکل و شرب، اپنے جلسوں و ضیافتوں کیوجہ سے وہ ایک خاندانی گروہ سے بہت زیادہ مشابہ تھی۔

اس طرح سے ہمکو معلوم ہو گیا کہ آبائی یا پدرسری معاشرہ نے کمابیش دلی طور پر ترقی پذیر تمدن کی ضروریات کو بطور خود پورا کرنیمیں کامیابی حاصل کی جب کبھی کوئی جدید اختراع دماغی کسی نئے پیشہ کی صورت میں جلوہ گر ہوئی، آبائی معاشرہ اوس کو

چلانیکے لئے خود کو ترتیب دینے پر کشادہ دلی کیساتھ آمادہ ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ آبائی معاشرہ کی بنیاد ایسے اصولوں پر قائم تھی جو فطرت انسانی میں نہایت عمیق جگہ حاصل کئے ہوئے تھے اور ہیں، اور جن اصولوں میں یہ صفت ہے کہ ہر حالت میں اپنا احساس کرائیں۔ ایکبار ہم پھر مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موضوع کو ختم کرنے سے پہلے آبائی معاشرہ کی اون خصوصیات کا مختصراً خلاصہ کر دیں جو اوسمیں اور زمانۂ حال کی سیاسی معاشرت میں وجہ اختلاف تھیں۔ کیونکہ اگلے باب میں ہم انھی پر غور کرینگے۔ اس تقابل پر ہم جسقدر غور کریں۔ اوسیقدر کم ہے جس قدر صحت کیساتھ ہم ان اختلافات پر غور کرینگے۔ اسی قدر ہم موجودہ حالتوں کو صحت کیساتھ سمجھ سکینگے

۱۔ شخصی بنیاد۔ آجکل ہم "مقام یا علاقہ" کو معاشرہ کی بڑی بنیاد سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ باوجودیکہ فن زراعت کے جاری ہونیسے "خانہ بدوشی" یعنی ادھر اودھر گھربار لئے پھرنے کی زندگی ختم ہو چکی تھی، مگر آبائی معاشرہ خود کو ہمیشہ ہی سمجھتی رہی کہ اوس کی جماعت کی بنیاد "نسل" پر ہے، "علاقہ" پر نہیں ہے۔ "انجمن اہل حرفہ" نے بھی خود کو "ایک برادری" خیال کیا، محض "ہمسایہ" نہیں سمجھا۔ اگرچہ واقعی کسی خاص "انجمن" کے افراد اکثر ایک ہی قصبہ میں قریب قریب رہتے تھے، مگر اس رہنے کا سبب محض یہ تھا کہ وہ ایک "انجمن" کے ارکان ہیں یہ نہیں تھا کہ چونکہ وہ ایک جگہ رہتے ہیں اس لئے وہ انجمن کے ارکان ہیں۔ برادری اور قبیلہ کی بنیاد اس سے بھی زیادہ شخصی تعلقات کی بنیاد پر ہے علاقہ یا مقام پر نہیں ہے

۲۔ علیحدگی۔ آبائی معاشرۃ کی یہ خصوصیت "شخصی بنیاد" کا نتیجہ ہے۔ عام قاعدہ یہ تھا کہ کسی خاص نسل کا رکن بننے کے لئے اوس نسل میں پیدا ہونا ضروری تھا۔ آبائی معاشرۃ نے یہانتک کیا کہ طریقۂ تبنیت، یعنی متبنیٰ کرنیکا طریقہ بھی، جو خلاف قاعدۂ فطرت ہے، قبول کر لیا اگرچہ اوس کے لئے قواعد و ضوابط نہایت احتیاط کیساتھ مرتب کئے تھے، لیکن آجکل کی مملکتیں عموماً جس کشادہ دلی سے قابل اطمینان غیر ملکی تارکان وطن کو قبول کر لیتی ہیں، اگر اسبات کو آبائی معاشرہ دیکھتی تو نفرت و حقارت سے منھ پھیر لیتی۔ زمانۂ حال کی مملکتوں کا اعتقاد کثرت تعداد نفوس پر ہے، آبائی جماعتیں ایسا نہیں کرتی تھیں

بعض اشخاص یہ خیال کرنیکی طرف مائل نظر آتے ہیں کہ آبائی معاشرۃ کا طریقہ صحیح تھا۔ یہ سوال ایسا ہے کہ آیا نسل کو خالص اور مخلوط ہونے سے پاک وصاف رکھنا اور بحیثیت ایک آزاد اور خود مختار جماعت کے معدوم ہو جانا زیادہ پسندیدہ ہے یا غیر نسلوں سے مخلوط ہو کر پھلنا پھولنا۔ تاریخ عالم شاہد ہے کہ یہی دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں اسکے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آتی۔ نسلی غیریت ہی تھی جو قدیم یونانیوں کی "شہری مملکت" کی تباہی کا باعث ہوئی، اور یہی چیز تھی جس سے رومتہ الکبریٰ کی قسمتوں کا پھول مرجھاتے مرجھاتے رہگیا تھا۔ تمام دنیا کا یہ کلیہ ہو گیا ہے کہ خالص نسلیں کمزور وضعیف اور مخلوط نسلیں طاقتور اور توانا ہوتی ہیں۔

۳۔ رسم ورواج کا تعین

رواج ودستور، جیسا کہ ہم دیکھینگے، زمانۂ حال کے طرز معاشرت پر بیحد اثر رکھتا ہے، مگر اتنی بات ضرور ہے کہ فی زماننا آئین کچھ کچھ تغیر وتبدیل ہوتی چلی جاتی ہے۔ آبائی معاشرہ کے رسوم ورواج سخت بہت ہیں اگرچہ اسمیں کوئی شک نہیں کہ اون میں کسیقدر تغیر پیدا ہو جاتا ہے مگر ایک ایسی جماعت جسکا فرض ہی یہ ہو کہ آبائی روایات کو قائم رکھے وہ جہانتک ممکن ہو سکتا ہے کسی قسم کی بدعت یعنی جدّت کو کیونکر گوارا کر سکتی ہے سر ہنری مین نے، ایک ہندوستانی گاؤں کا دلچسپ قصہ بیان کیا ہے جہاں حکومت انگریزی نے بہم رسانی آب کا انتظام کر دیا تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ گاؤں والوں کو سرکاری قواعد سے دربارۂ مناسب استعمال آب مطلع کر دیا گیا تھا۔ لندن کے کسی محلہ میں اگر ان شرائط پر بہم رسانی آب کا انتظام کیا جاتا تو وہاں کے لوگ بیحد خوش ہوتے۔ مگر ہندوستان کی آبائی معاشرہ کے لئے یہ خیال کہ نئی رسمیں سرکاری قلم سے ایجاد کیجاتی ہیں سخت ناگوار گذرا۔ اور جب تک ایک عقلمند سرکاری افسر نے بزرگان دیہہ کو اسطرف رغبت نہ دلائی (نہ معلوم کیونکر) کہ وہ گاؤں میں ہر کس وناکس کو سمجھا دیں کہ یہ قواعد نئے نہیں ہیں بلکہ نہ معلوم کس زمانہ کے ہیں، مگر معلوم صرف ابھی ہوئے ہیں، اسوقت تک مشکلات رفع نہ ہوئیں اگرچہ "انجمن اہل حرفہ" آبائی جماعت کی ایک جدید ترین صورت ہے مگر وہ بھی اپنے قوانین موضوعہ کی قدامت پر فخر کیا کرتی تھی۔ ہندوستان میں

"ذات پات" کی رسم بھی آبائی معاشرہ کے دستور کی انتہائی سختی کا نتیجہ ہے۔ جب ہم کبھی "ناتغیر پسند مشرق" کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو ہمارا منشا اون ممالک مشرقیہ سے ہوتا ہے جو آبائی معاشرہ کے اصولوں کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں۔

آبائی معاشرہ کی "ناتغیر پسندی" کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ایک بڑی حد تک کسی مقابلہ کو بھی پسند نہیں کرتی"۔ مقابلہ کے ہر قدم پر جدت کی ضرورت پڑتی ہے۔ کامیاب مقابلہ کرنیوالے کی کامیابی کا بھید یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے طریقۂ خاص پر کام بہتر کرتا ہے اس میں بھی شک نہیں کہ انسان کامیاب اوسوقت بھی ہو سکتا ہے کہ کام اوسی طریقہ پر کرے جیسے اوس کے حریف مگر کرے اچھا اور اس حد تک اگر غور کیا جائے تو آبائی معاشرہ میں مقابلہ کا مادہ موجود ہے۔ مگر تجارتی تقصیرات جنکو "منڈی روکنا اور ٹھوک خریدی" "سبقت کرنا" کہتے ہیں؛ اور جنکو آبائی معاشرہ کے صرف آخری مدارج میں صحیح تسلیم کیا گیا ہے۔ ایسی مثالیں ہیں جنسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اوس معاشرت میں مقابلہ کی کس حد تک اجازت دیجا سکتی تھی "پیش بندی کرنا" کے معنی صرف یہ ہیں کہ اپنے ہمسایوں سے پہلے مال خرید لینا" تاکہ فراہمی اشیاء اپنے قبضہ میں رہے اور دام اچھے ملیں۔ جیسا کہ اصطلاح سے خود ظاہر ہوتا ہے یہ اس امر کی کوشش کرنا ہے کہ مال بازار میں جانیسے پیشتر خرید لیا جائے "ٹھوک خریدی" کے معنی یہ ہیں کہ عام قیود سے قطع نظر کرکے زیادہ تعداد میں چیزیں خرید و فروخت کرنا" تاکہ ارزاں فروخت کرے اور خریداروں کو مائل کرے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے زمانہ کا بیقصور اور غیر مضرت رساں اور فی الحقیقت مفید "بنیا۔ پنساری" ابتداءً اس قسم کے جرائم پیشہ طبقہ کا ایک رکن تھا۔

۴۔ فرقہ بندی۔ یاد رہے کہ ہمنے لفظ "کمیونزم" (Communism) یعنی "اشتمالیت" استعمال نہیں کیا۔ آبائی معاشرہ "اشتمالیت پسند" نہیں ہے یعنی وہ کسی شخص کے ذاتی حقوق کو تسلیم کرنیسے انکار نہیں کرتی اور نہ وہ یہ چاہتی ہے کہ اپنے کل افراد کا پیدا کیا ہوا سامان اکٹھا کرکے اصول مساوات پر تقسیم کرلے۔ بلکہ وہ "فرقہ بند" ہے اس معنی میں کہ وہ ہمیشہ "گروہ بندی" کرکے بسر کرتی ہے۔ اوّل گروہ جسپر اوس کی براہ راست نظر پڑتی ہے "گھرانہ" ہے

جو زمانۂ حال کے خاندان سے کہیں بڑا ہے اور اوس میں دو یا تین پشتوں کے اشخاص (بیویاں، نوآموز اور زرعی غلام) ہو سکتے ہیں، اوس گھرانے کے اندر کوئی اعلیٰ اختیار دخل در معقولات نہیں کرسکتا - اسی قاعدہ کا درجہ بدرجہ خیال رکھاجاتا ہے جو تعلق "گھرانے" کا برادری یا انجمن حرفہ کے ساتھ ہے، وہی درجہ برادری کا قبیلہ سے ہے - لیکن ہمارے یہاں مقتدر اعلیٰ ہر شخص کے افعال ذاتی کی براہ راست نگرانی کرسکتا ہے - اس تغیر کے وجوہ آگے بیان کیے جائینگے - مگر آبائی معاشرہ میں قبیلہ کی برادریوں میں منتشر ہوجانیکے بعد، رئیس قبیلہ صرف "سرداران برادری" سے براہ راست تعلق رکھتا ہے - یہ ممکن ہے کہ خود اوسکا بھی کوئی خاص کنبہ ہو اور اوس صورت میں وہ رئیس قبیلہ بھی ہو اور سردار کنبہ بھی - اسکے بعد سردار کنبہ صرف بزرگان خاندان سے تعلق رکھتا ہے، جسقدر بھی گھرانے اوسکی برادری میں ہوں اور بزرگان خاندان اپنے اپنے گھرانے کے افراد پر تسلط رکھتے ہیں - اگر ہم اس زمانہ کے کسی سرکاری افسر سے کسی آبائی سردار کے منصب کا تقابل کریں تو فی الواقع ہماری غلطی ہوگی سرکاری عہدہ دار ایک مطلق العنان حکومت کیطرف سے صاحب اختیار ہے خواہ وہ حکومت شخصی ہو یا پارلیمنٹی آبائی جماعت کا سردار محض اپنی قوم کے رسم و رواج کا انتظام کرتا ہے -

اگر کسی صاحب کو آبائی جماعت کے مزید حالات کے مطالعہ کا شوق ہو تو وہ مہربانی فرماکر مسٹر وارڈ فاؤلر کی چھوٹی سی دلچسپ کتاب "قدیم یونانیوں اور رومانیوں کی شہری مملکتیں" (The city states of the Greeks and Romans.) ملاحظہ فرمائیں - یونانیوں کی نام نہاد شہری مملکت آبائی معاشرہ کے اصولوں کا بہترین نتیجہ تھی - اور نظام معاشرت کے لحاظ سے آجتک کوئی مملکت اوسکا مقابلہ نہیں کرسکی - مگر افسوس ہے کہ اوس میں بھی ذاتی نا اتفاقی سے مہلک عناصر موجود تھے - جنکی وجہ سے اوسپر قبل از وقت تباہی آگئی دوسری طرف "مملکت بلدیۂ روما" نے، جو اگرچہ اپنی حریف یونانی ریاست سے پاکیزگی میں کم درجہ رکھتی تھی، عین وقت پر آبائی معاشرہ کے اصولوں سے دست بردار ہوکر اپنے ارکان کے لئے دنیا کی سلطنت پیدا کردی -

نمونہ نمبر (۳) زمانہ حال کا سیاسی معاشرہ

باب ۸

مملکت اور جاگیرداری

"مملکت" یا "سیاسی معاشرہ" کی ابتداء "فن حرب" کی ترقی سے ہوئی جنگ سے سیاسی معاشرہ کے ابتداء ہونے سے افسوس ہوتا ہے مگر یہ بات ہے واقعی صحیح۔ تاریخی لحاظ سے یہ بات ثابت کرنیمیں ذرہ برابر بھی دقت محسوس نہیں ہوگی کہ آجکل کے نمونہ کی تمام سیاسی جماعتوں کی ہستی کی بنیاد کامیاب فنون جنگ پر پڑی۔ لہذا قدرتاً اونکی تنظیم جنگی اصولوں پر کرنی پڑتی ہے مگر یہ سچ ہے کہ پیچھے پیچھے پُرانے (آبائی) خیالات کا بھی خلط ملط ہوتا ہے۔ یہ بات اچھی ہے کہ فوجی طرز معاشرت کے جہاں قبائح ہیں وہاں اوس کے محاسن بھی موجود ہیں۔

فنون جنگ کی نشوو نما

اس مقام پر یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ اگرچہ معاشرت بظاہر نہایت پُرامن طریقوں پر اپنی تنظیم کرنے میں کامیاب ہو چکی تھی، پھر کیا وجہ ہوئی کہ جنگی اصولوں میں اسقدر حیرتناک ترقی ہوئی؟ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جنگ ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی ہے قبیلہ سے قبیلہ، برادری سے برادری بلکہ گاؤں سے گاؤں اور قصبہ سے قصبہ لڑتا رہا ہے۔ مگر یہ لڑائیاں ایک قسم کی پشتینی جنگ کی نوعیت رکھتی تھیں، یعنی دو چار دن کے لئے اگر خاموشی ہو جاتی تھی تو دو چار دن کے لئے جنگ۔ یہ اوس باقاعدہ اور مصمم محاربہ کے طرز کی لڑائیاں نہیں ہوتی تھیں جن پر سلطنتوں کی بنیاد پڑی۔ ان کو بجائے ہنر جنگ کے بے ہنری کی جنگ کہنا چاہئیے۔

ترقی آبادی

اگرچہ ہم یقین کیساتھ ترقی فنون جنگ کے اسباب پر بحث نہیں کرسکتے۔ مگر دو ایک ایسے امور کا ظاہر کر دینا جو وجہ ترقی ہوئے

چنداں دشوار نہیں ان میں اول اور مقدم ترین امر ترقی آبادی ہے۔ جس کے ذریعہ وجہ کفاف پر بار پڑنے لگا۔ طبعی حالتوں میں یہ ترقی ہمیشہ مستقل طور پر جاری رہتی ہے۔ اور اسپر مختلف طریقوں سے بحث کیجا سکتی ہے بعض اوقات کوئی وبائی مرض پھیل جاتا ہے اور ضرورت سے زیادہ آبادی کو جو فاقوں سے کمزور ہو جاتی ہے صاف کر دیتا ہے بعض اوقات لوگوں کے غول کم آباد اقطاع کیطرف نقل وطن کر جاتے ہیں یہ اگرچہ کثرت آبادی کی مشکلات کا عارضی علاج ہے مگر اسکو اصلی علاج سمجھنا چاہئیے۔ بعض اوقات پھر ایسا ہوتا ہے کہ کسی جدید ایجاد کیوجہ سے سامان خوراک بہت پیدا ہونے لگتا ہے۔ جسکی مثالیں، شکاری کا شبان اور شبان کا کسان ہو جاتا ہے۔ آخر میں یہ بھی ہوتا ہے کہ بڑے پیمانہ پر جنگ چھڑ جاتی ہے اور یا تو کمزور قوموں کا استیصال ہی ہو جاتا ہے یا طاقتور قوم اونکو مغلوب کر لیتی ہے

ترقی دولت

دوسرا سبب ممکن ہے ”کثرت اندوختہ“ یعنی جوڑی ہوئی یا جمع کی ہوئی دولت کی بہتات ہو، جو کامیاب زراعت یا صنعت وحرفت سے حاصل ہوئی ہو۔ ”شبانی دولت“ کا یہ قاعدہ ہے کہ اوس کو نہایت سہولت سے جہاں جی چاہے لیجا سکتے ہیں۔ ایک کمزور قبیلہ اپنے خیموں کو لپیٹ بھیڑ بکری اور مویشی کو ہنکا، جب چاہے خطرہ سے باہر ہو سکتا ہے۔ مگر کسان کی دولت اسقدر سہولت کیساتھ منتقل نہیں ہو سکتی۔ اوسکی دولت اوس کے کھیتوں میں ہوتی ہے جنمیں اُسنے اسقدر محنت سے کھیتی کی ہے یا اوسکے کھلیانوں میں ہوتی ہے جہاں اوسنے غلہ بھر رکھا ہے۔ اوس نے ایک مستقل ”گھر“ بنا رکھا ہے جسکو وہ جبتک سلامتی کی امید اور سانس کی آس ہے ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ کسان بیچارہ فوجی قسمت آزماؤں کا مرغوب شکار ہوتا ہے۔ اور کسان سے زیادہ ”پیشہ ور“ آدمی ہے، جس کا بھرپور سرمایہ لوٹ مار کے لئے مرغوب چیز ہے۔ حرفتی قصبات، اونکے گوداموں اور اونکی دوکانوں کی لوٹ مار کے لٹیرے خواب دیکھتے ہیں جسوقت جنرل بلیوشر کو سنیٹ پال کے گرجا کے گنبد کی چوٹی سے لندن کی سیر کرائی گئی تو اوسکی زبان سے بیساختہ نکلا کہ لوٹ مار کے لئے بہترین شہر ہے، یہ پیشہ ور سپاہی کی قدیم جبلت تھی۔

ترقی آلات حرب

ایکبار اور یہ امر قدرتاً فرض کیا جا سکتا ہے کہ فلزاتی کام کی

ترقی سے جنگجویانہ رجحان میں بھی جان پڑ گئی - آہنی بلکہ اوس سے زیادہ فولادی اسلحہ اور زرہ بکتر کی پرانی تیر کمانوں اور چرمی ڈھالوں اور چار آئینہ کی فوقیت سے لوگوں کا جی قدرتاً لڑنے کو چاہا - اور سب سے زیادہ "تخصیص حرفہ" کی طرف رجحان جو جیساکہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ترقی کا بہترین اصول ہے، آلات حرب کی اس نشو و نما سے فطرتاً ایک خاص جنگجویانہ طبیعت کا طبقہ پیدا ہونے لگا یعنی آجکل کے پیشہ ور سپاہی، قدیم زمانہ میں ہر شخص سپاہی ہوا کرتا تھا - مگر جسقدر تمدن و تہذیب میں ترقی ہوتی گئی، لوگ کثرت سے دیگر کاموں میں دلچسپی لینے لگے اور فن جنگ محض ماہرین کا کام رہگیا یہ واقعہ براہ راست مملکت کی ابتداء سے تعلق رکھتا ہے -

جرمن جنگی گروہ

اوس دلچسپ بیان میں، جسمیں تاسی توس Tacitus نے انگریزوں کے تیوتن نژاد Teutonic اجداد کا اونکے آبائی وطن میں حال لکھا ہے، ہم ایک نہایت معنی خیز خصوصیت دیکھتے ہیں - اس مورخ نے جرمن "رئیس قبیلہ" اور "سالار جنگ" میں امتیاز دکھلایا ہے، رئیس کو اوسکی نجابت خاندانی اور شرافت نسبی کیوجہ سے منتخب کیا جاتا تھا - اور سالار کو اوسکی شجاعت اور شہامت کیوجہ سے مصنف نے ظاہر کیا ہے کہ "سالار جنگ"، کو قسمت آزما اور حوصلہ مند رفقاء کی ایک جماعت گھیرے رہتی تھی، جو عام شبانی زندگی میں کچھ حصہ نہیں لیتے تھے بلکہ اپنے قبیلہ کی مدافعت یا دوسرے قبائل کے خلاف لوٹ مار کی مہموں میں مصروف رہکر متواتر جنگوں میں زندگی بسر کرتے تھے، یہ "رفقاء" اپنے سردار کے دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے، سردار کے گھر کی مستورات اونکو کھانا کپڑا دیتی تھیں اور جو مال غنیمت کسی مہم میں ہاتھ آتا تھا اوسکو وہ اپنے سردار کیساتھ تقسیم کر لیتے تھے - جسقدر عقیدتمندی اور وفاداری کا اظہار وہ اپنے سردار کیساتھ کرتے اوسکو مصنف مذکور نے نہایت پرجوش الفاظ میں تحریر کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ اگر سردار جنگ میں کام آجاتا تھا تو اوسکے رفقاء جیتے جی میدان جنگ سے پلٹنا ذلت سمجھتے تھے، اور جس روز اونکو بدقسمتی سے شکست ہو جاتی تھی تو سردار کے لاشہ کے چاروں طرف اونکی لاشوں کا ڈھیر ہو جاتا تھا غالباً اس گروہ "رفقاء"، میں ابتداءً ایک ہی برادری کے افراد ہوا کرتے تھے - مگر

بعد میں یہ لوگ محض رضاکار ہونے لگے جو فقط قسمت آزمائی اور سپاہیانہ زندگی بسر کرنے کے شوق میں شریک جماعت ہو جایا کرتے تھے۔ یہ "سالار جنگ Heretoch کے "خدام" Thanes کہلاتے تھے۔

مملکتوں کی بنیاد

جب کوئی "سالار جنگ" یا "سپہ سالار" اپنے جنگجو و جرار رفقاء کی مدد سے کسی وسیع رقبہ کے خاص علاقہ پر قبضہ کر لیا کرتا تھا تو "مملکت" کی بنیاد پڑ جاتی تھی۔ اور اگر عملی طور پر دیکھا جائے تو ایسا ہمیشہ دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے ضرور ہوتا ہے۔

استحکام

جب سپہ سالار اپنے قبیلہ پر بحیثیت حکمراں قائم ہو جاتا ہے تو وہ ہمسایہ قبائل پر اپنی حکومت کو وسعت دینے لگتا ہے۔ حتی کہ وہ ایک بڑے علاقہ کا فرماں روا ہو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نویں صدی میں انگلستان کے اندر بھی یہی واقعہ گذرا تھا، جب "ہفت شاہی" Heptaechy کی برائے نام "قبائلی سلطنتیں" سالہا سال تک اقبال و زوال کی صورتیں دیکھنے کے بعد شاہ ایگبرٹ کی ماتحتی میں کم و بیش استحکام پذیر ہو گئیں۔ یہی کیفیت ممالک ناروے اور سویڈن کی ہوئی جہاں بیشمار قبائل مل ملا کر بالآخر آپس میں ایک ہو گئے اور سخت جنگ و جدل کے بعد تین سلطنتوں میں قائم ہو گئے۔ یعنی ناروے، سویڈن اور ڈنمارک۔ یہی حال اسکاٹلینڈ، ویلز اور آئرستان کا بھی گذرا۔ اور یہی حشر وسطی یورپ کا ہوا۔ درحقیقت جو سلطنت استحکام پذیر ہو کر بنتی ہے وہ ہمیشہ اپنے قدیم (عناصر) چھوٹے چھوٹے حصوں میں منتشر ہو جانیکے خطرہ میں رہتی ہے۔

نقل وطن

دوسری صورت کسی "مملکت" کے وجود میں آنیکی یہ ہے کہ وہ یا تو غیر اور اجنبی ملک میں نقل وطن کرنے سے بنتی ہے یا جنگجو سپاہیوں کی جماعت کی دیار غیر میں فتوحات سے زمانۂ قدیم میں سلطنت لومباردی Lombardy کی بنیاد کی یہی تاریخ ہے[1]۔ اور یہی ہسپانیہ میں مغربی گوطیوں کی

---

[1] جرمن اقوام نے رومن اقوام کو فتح کر کے اس سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی۔ بعد میں وہاں بہت آدمی نقل وطن کر کے بھی پہونچ گئے۔

(Visigothic) کی تاریخ ہے۔ اسی سے ملتی جلتی اور کارہائے نمایاں سے روشن نارمن (Norman) قوم کی تاریخ ہے جو نویں صدی میں روس پر حکمراں قوت ہو گئی، اور جس نے دسویں صدی میں نارمنڈی (Normandy) کی خود مختار اور آزاد نوابی ریاست قائم کی، گیارھویں صدی میں انگلستان کی جدید سلطنت بنائی اور بارھویں صدی میں جزیرہ صقلیہ کی سلطنت اور بیت المقدس کی چندروزہ ریاست کی بنیاد ڈالی۔

مملکت کی نوعیت

ان واقعات سے جو جدید قسم کی جماعت قائم ہوئی وہ اپنی سابقہ نوعیت سے قطعاً مغائر تھی۔ پہلے تو یہ کہ وہ قطعی ملک سے تعلق رکھتی تھی یعنی اوس کی نوعیت خاص طور پر ملکی تھی۔ جو شخص اونکے حدود ملکی میں رہتا تھا۔ بلکہ جو شخص وہاں اتفاق سے آبھی جاتا تھا، وہ اونکی رعایا خیال کیا جاتا تھا، اور اوسکا فرض تھا کہ انکے احکام، خصوصاً احکام اسلحہ بندی کی تعمیل کرے یعنی جب وہ حکم دیں اونکی طرفسے ہتیار باندھکر لڑنے کو تیار ہو جائے۔ اگرچہ اونکے فرماں روا خود کو اپنے قبائل کے نام سے منسوب کرتے تھے (مثلاً انگریزوں کا بادشاہ، فرانسیسیوں کا بادشاہ) مگر اونکا اختیار حکمرانی کل حدود و علاقہ مقبوضہ کے اندر ہوتا تھا۔ اس جدید جماعت کی طرز معاشرت "جنگی وفاداری" تھی یعنی اپنے فرمانروا اور سپہ سالار کی وہ وفادارانہ تعمیل حکم اور عقیدتمندانہ اطاعت جسکے طفیل بہت سے فاتح مغلوب اقوام کی گردنوں پر پاؤں رکھنے کے قابل ہو گئے تھے۔ بیشک نسلی افتخار کا زمانہ دراز تک بہت کچھ اثر تھا اور کوئی عاقبت اندیش اور دانشمند فرماں روا اس احساس کیطرف سے چشم پوشی نہیں کر سکتا تھا۔ مگر اب یہ اتحاد و اتفاق کا خاص رشتہ نہیں رہا تھا۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ حاکم اور اوس کے رفقا رمختلف النسل ہونے لگے۔ بعض اوقات تو بقیہ کل رعایا سے مختلف المذہب بھی ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک کامیاب فرماں روا کثرت رفقار کو مدنظر رکھکر، ہمیشہ غیر ملکی رفقار بلاتا رہتا تھا، جنکی قومیت کی وہ چنداں پروانہ کرتا تھا۔ بشرطیکہ اہل سیف یا اہل قلم ہونیکی حیثیت سے وہ قابل امتیاز خدمات انجام دے سکیں۔ اور آخر یہ کہ چونکہ جدید حکمراں شخص عموماً اعلی دماغ اور خیالات کا آدمی ہوتا تھا۔ اسلئے وہ اپنے ملک

کے دروازے غیر ملکی قسمت آزماؤں کے لئے کھولدیتا تھا، خواہ وہ سوداگر ہوں مقتدایان دین ہوں یا مدرسین، اور یقین کرتا تھا کہ ایسا کرنیسے اوسکی شہرت اور دولت میں اضافہ ہوگا مملکت کے ابتدائی ایام میں تو اس حکمت عملی سے بہت مشکلات کا سامنا ہوتا تھا مگر بالآخر جدید روح تمام دقتوں پر غالب آگئی۔

ایک جدید طرز کا مذہب

اسکے بعد قبائلی نظام معاشرت کی قدیم علیحدگی بھی بُری طرح سے شکست کردالی گئی۔ جیسا کہ ہم بیشتر دیکھ چکے ہیں۔ اسکا انحصار، اپنی تاریخ کے آخری زمانہ میں، محض "پرکھا پوجا" پر تھا۔ مگر یہ ایک عجیب بات ہوئی کہ ادھر تو مغربی ممالک میں مملکت کا قیام ہوا۔ اودھر ایک جدید مذہب نے غلبہ حاصل کرنا شروع کردیا جسکی خاص خوبی یہ تھی کہ وہ کسی ملکت سے وابستہ نہ تھا اگر منکسرانہ مذہب عیسوی کا "مملکت" کے جارحانہ فوجی نظام سے تعلق پیدا کیا جائے تو غالباً کسیقدر مضحکہ انگیز معلوم ہوگا۔ مگر یہ واقعی سچ ہے کہ قبائلی تعصبات کے توڑنے اور عظیم سیاسی جماعتوں کے قائم کرنے میں مسیحیت نے بڑا حصہ لیا سب سے جو روشن ترین مثال ہمارے سامنے آتی ہے ہم اوسکو لیتے ہیں۔ وسطی یورپ میں شاہ (Clovis) کلووس کے مذہب عیسوی قبول کرنیکا ایک درخشاں اگرچند روزہ فرنگی سلطنت کے قیام سے بہت بڑا تعلق تھا۔ صوبہ برگنڈی اور سیکسن قوم کے مشرکین کو مسیحی فرنگیوں نے مغلوب کرلیا تھا۔ مسیحیت کے نام سے "شارل اعظم" (Charles the Great) نے کوہستان "پرانیز" (Pyrenees) میں عربوں کی فاتحانہ رو کو روکدیا تھا اور "مسیحی دنیا" کے حدود قائم کردیے تھے اگرچہ اوائل زمانہ میں مسیحیت غربا، اور ادنی درجہ کے لوگوں کا مذہب تھا مگر جب بادشاہ اور شہزادے مسیحی ہونے لگے تو شمالی اور مغربی یورپ میں بڑی بڑی فتوحات حاصل ہوگئیں۔ صوبہ کینٹ (Kent) کے شاہ اتھلبرٹ (Ethilbert) عیسائی ہوجانا علامت تھی اسبات کی کہ کسی دن انگلستان بھی عیسائی ہوجائیگا شاہان "ہفت شاہی" ایک ایک کرکے عیسائی ہوگئے۔ اور جو شخص عیسائی ہوجاتا تھا۔ اوسپر بادشاہ خوب مہربان ہوتا تھا۔ جب لوگوں نے "ایک بادشاہ اور ایک مذہب" کا شور مچانا شروع کیا تو تمام پُرانی قبائلی تقسیمیں دور ہوگئیں اور

انگلستان کی کل آبادی ایک قوم ہو گئی اور "کلیسا" اور "مملکت" کے گہرے
تعلقات قائم ہو گئے۔ مسیحیت سے زیادہ مذہب اسلام نے قبائلی بندشوں اور
رسم و رواج کو دور کیا اور بڑی بڑی سلطنتیں قائم کیں جیسے سلطنت مغلیہ
ہندوستان میں، شاہ اسمٰعیل صفوی کی سلطنت ایران میں اور سلطان محمد
فاتح کی سلطنت قسطنطنیہ میں۔

جدید امراء

ایک مرتبہ اور جدید سیاسی نظام معاشرت یعنی "مملکت" نے
رسم و رواج کے اقتدار سے روگردانی کی۔ "جنگجوئی" کے
اندر فطرتاً "مقابلہ" داخل ہے۔ کیونکہ "مقابلہ" کے معنی "تنازعہ" ہیں اور تنازعہ
جنگ کی جڑ ہے۔ چھوٹی چھوٹی لڑائیاں مقررہ روایات کے مطابق لڑ لینا ممکن ہے
مگر ایسی جنگ کو لڑائی نہیں بلکہ کھیل کہتے ہیں۔ اصلی لڑائی موت و حیات کی جنگ ہوتی ہے
اور ہر فریق حتی الامکان فائدہ اوٹھانیکی کوشش کرتا ہے۔ "اگر فریقین میں سے کیسکو
کوئی شخص نیا طریقہ یا نئی بات بتادیگا۔ جس سے وہ دشمن کو شکست دے سکے
تو وہ اوسکو شکریہ کیساتھ قبول کرلیگا۔ وہ اسکو بھی نہیں پوچھیگا کہ آیا اس فعل کو اوسکے
آباؤ اجداد نے ممنوع قرار دیا ہے یا نہیں۔ زمانۂ حال کی حمیت انسانی کے جذبات بھی
خونخوار جنگی مقابلہ پر بہت کم اثر ڈال سکے ہیں۔ اور اگر رفتہ رفتہ حمیت انسانی اور
خوف خدا کا اثر غالب ہوا تو وہ جنگ کی بنیاد ہی اوکھیڑ کر پھینکدیگا۔ پھر اگر جنگ ہوگی
بھی تو محض کھیل تفریح کے طور پر" اور یہی اوسکا مقصد ہے۔ سلطنتوں کے بانی مبانی
وہ کامیاب سیاسی شخص تھے۔ جنھوں نے جدید جماعتی ترکیبوں، جدید طریقوں اور
قدیم روایات کے خیال کو بالائے طاق رکھکر، کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ کیونکر ممکن
ہو سکتا تھا کہ اونکے سخت عہد فرماں روائی میں قدیم روایتی اور رواجی معاشرہ کا
سلسلہ قائم رہتا۔ اونکا معیار "قابلیت" تھا، رواج و دستور نہیں تھا۔ اگر وہ
دیکھتے تھے کہ کوئی شخص عمدہ سپاہی عمدہ گویا یا عمدہ انشا پرداز ہے تو بلا لحاظ مذہب و
قومیت وہ اوسکو اپنے دربار میں طلب کرلیتے تھے وہ جانتے تھے کہ خود اونکی
حالت مذبذب ہے اور وہ اپنے تحفظ اور سلامتی کے لئے کوئی دقیقہ اوٹھا نہ رکھتے
تھے۔ اور اونکا سب سے زیادہ قابل اعتبار طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے پاس قابل ترین

اشخاص کو رکھتے تھے جن تک اونکی دست رس ہو سکتی تھی۔ جب تمام یوروپ میں آبائی معاشرہ شکست ہوئی تو مفہوم "اعانت" میں بھی گونہ تغیر واقع ہو گیا۔ قدیم خاندانی شرفاء اور دولتمندوں، قبیلہ اور برادری کے مقدس خاندانوں کے ارکان اور بڑے بڑے مالکان مویشی کے بجائے "شاہی امراء" پیدا ہو گئے جنکی اعلیٰ خصوصیت صرف یہ تھی کہ وہ بادشاہ کے منظور نظر اور اوسکے منتخب کردہ ہوتے تھے۔ عہد بربریت کے قوانین میں، جنمیں قدیم تیوتانی طرز معاشرت کا بہت کچھ تذکرہ کیا گیا ہے لکھا ہے کہ "خاندانی شرفاء" کی جگہ "خدام شاہی" نے لے لی تھی۔ ممکن ہے کہ یہ لوگ کسی زمانہ میں غلام ہوں مگر اونکے لئے صرف اتنا ہی کافی تھا کہ حاکم وقت نے اونکو اپنے رفقاء کی جماعت کا ایک رکن تسلیم کر لیا تھا۔ واقعی بہت سی صورتوں میں تو یہ تغیر اصل سے زیادہ نمایاں تھا۔ اور واقعی قبائلی سردار بھی بادشاہ کیطرف سے خطاب حاصل کرنیکے خواہشمند ہو گئے تھے۔ بہرحال تغیر بہت زیادہ نمایاں ہو گیا تھا اور اوس نے مزید تغیرات کے لئے راستہ صاف کر دیا تھا۔ گویا اس تغیر نے پرانی آبائی معاشرہ پر "مملکت" کا غلبہ قائم کر دیا تھا۔

نظام جاگیری

آخری امر یہ ہے کہ "مملکت" ایک شخصی یا انفرادی نوعیت رکھتی تھی، اس میں "فرقہ بندی" کو کوئی دخل نہیں تھا۔ اصطلاحات کو ذرا غور سے سمجھنا چاہیے تاکہ غلط فہمی کا موقع نہ پیش آئے۔ مطلق العنان حکمرانوں کا یہ خواب کہ وہ اپنے حدود سلطنت میں ہر شخص پر جسطرح جی چاہے حکم چلائیں، خوش قسمتی سے آجتک محتاج تعبیر ہے۔ مگر حکمراں کا رجحان ہمیشہ یہ رہا ہے کہ اپنے اور اپنی رعایا کے افراد کے درمیان جو کچھ درمیانی رکاوٹیں حائل ہوں اونکو رفع کر دے۔ ہر عقلمند فرماں روا اس بات کو جانتا تھا کہ یہ کام صرف بتدریج انجام پذیر ہو سکتا ہے۔ اون سپاہیوں نے جنھوں نے کامیاب سلطنتیں قائم کی تھیں، خواہ وہ اجنبی حوصلہ مند قسمت آزما ہوں یا ہمسایہ قبائل کے من چلے فوجی سردار ہوں، دیکھا کہ اونکی رعایا کے درمیان ایسے اشخاص موجود ہیں۔ جنکو مختلف درجوں کے کچھ نہ کچھ اختیارات حاصل ہیں، اور اگرچہ اونکے اختیارات کی حد تکمیل کے درجہ کو تو نہیں پہونچتی تھی مگر وہ اپنا احترام کرانیکے ضرور عادی تھے

فاتح حکمراں ان لوگوں کے اختیارات بہت کم سلب کرتا تھا، اگر کرتا تھا تو محض اوسوقت جب وہ اوسکی شرائط کو نہیں مانتے تھے۔ فاتح کی شرط صرف یہ ہوتی تھی کہ وہ "اپنے اختیارات کا سرچشمہ خود فاتح کی ذات کو تسلیم کریں"۔ چونکہ یہ بات محض خیالی اور لفظی تھی اسلئے عموماً معاملہ طے ہو جانیمیں بہت کم دقت واقع ہوتی تھی بلکہ اون معاملات میں بھی قریب قریب کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی جنمیں اطاعت و وفاداری کیساتھ خراج کا بھی مطالبہ ہوتا تھا۔ مغلوب سردار نہایت ہوشیاری اور صحت کیساتھ اپنے قبیلہ یا برادری کے افراد پر زرخراج کی رقم کو پھیلا دیتا تھا۔ اگر فاتح اس بات کو پسند کرتا تھا کہ وہ علاقہ مفتوحہ جو مغلوب سردار کے قبیلہ یا کنبہ کے قبضہ میں ہے خود فاتح کی ملکیت یا نذرانہ سمجھا جاکر بطور امانت قبضہ میں رکھا جائے، تو اس مطالبہ کی بھی چنداں پروا نہیں کیجاتی تھی۔ کیونکہ اہم ترین بات تو یہ تھی کہ اپنی زمین خود قبیلہ یا برادری کے قبضہ میں رہے اگر مغلوب سردار سے گفت و شنید نہیں ہوتی تھی یا وہ میدان جنگ میں کام آجاتا تھا تو فاتح اپنے "رفقار" میں سے کسی شخص کو اوسکی جگہ مقرر کر دیتا تھا اور اسطرح گویا مفتوحہ علاقہ پر زیادہ مضبوط گرفت قائم کر دیتا تھا۔ اب یہ قدرتی بات تھی کہ فاتح کے "مستاجرین" (Vassals or Tenauts) اس میں زیادہ سہولت سمجھتے تھے کہ وہ اوس جاگیر کو اپنی طرف سے خاص اپنے مستاجرین دولت کو اونھی شرائط پر تقسیم کر دیں جن پر خود اونھوں نے فاتح سے حاصل کی تھی۔ ہم جانتے ہیں کہ درحقیقت ان تعلقات کے جراثیم پیشتر ہی سے موجود تھے یعنی جب آبائی معاشرہ میں معاوضہ پر مویشی قرض دینے کی رسم جاری ہوئی تھی۔ گر بعد ازاں فن زراعت کے رواج پا جانیسے زمین کا تعلق طرز معاشرت سے بہت زیادہ ہو گیا۔ اور اسطرح گویا "قرضۂ اراضی" مغلوبیت کی علامت بنگیا بعض اوقات یہ معاملہ واقعی ہوتا تھا اور ایک شخص ایسی اراضی دوسرے کو قرض پر دیدیتا تھا جسپر قبضہ رکھنے کا فی الحقیقت وہ خود حقدار تھا۔ گر اکثر معاملہ کی نوعیت محض مصنوعی ہوتی تھی، یعنی ادنی آدمی اعلی کو اپنی زمین حوالہ کر دیتا تھا اور پھر اوس اعلی آدمی سے وہی زمین بطور قرض واپس لے لیتا تھا۔ یہ رواج جسکو اصطلاح میں "رسم جواز" (Commendation) کہتے تھے "قرون تاریک" میں براعظم یورپ پر عام طور سے جاری تھا۔ اور اسکی ابتداء یوں ہوتی تھی کہ جنگ و جدل کے

زمانہ میں کمزور آدمی کے لیئے بہترین صورت یہی ہو سکتی تھی کہ کسی طاقتور شخص کی ماتحتی قبول کرکے اوسکا "وابستہ" بنے اور اسطرح اپنی حفاظت کرائے۔ مگر آخرکار یہ رواج مویشی اور اراضی تک محدود نہ رہا۔ اہل حرفہ کی انجمن یا انکے مجموعہ کے یہ حقوق کہ وہ اپنے افراد پر خود تسلط رکھیں اور یہ کہ غیروں کو اپنی انجمن سے خارج کردیں، آخرکار بادشاہ کیطرف سے عطا کیئے جانے لگے اور اسطرح گویا قصباتی زندگی پر بھی وہی رنگ چڑھگیا۔ مذہبی عہدے بھی (مع آمدنی) حاکم اعلی کیطرف سے بطور تحفہ یا مرحمت حاصل کیئے جانے لگے اور اسطرح گویا مذہبی خدمات کیساتھ "مراعات کلیسا" (Benifice) کی اصطلاح کا تعلق پیدا ہوگیا۔ الغرض نظام معاشرت کے جملہ شعبہ جات پر بتدریج "جاگیرداری" (Feudal) رنگ غالب آگیا۔ اور ایک لحاظ سے پرانی آبائی معاشرہ کی مشابہت پیدا ہوگئی جسمیں ایک گروہ کے اندر دوسرا گروہ ہوتا تھا۔ فرق صرف اس بڑے اصول میں تھا کہ کسی شخص کے ذاتی حقوق اب بہ لحاظ حسب نسب یا جماعت کی رکنیت قرار نہیں پاتے تھے بلکہ کم ازکم یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ حقوق کسی اعلی شخص کیطرف سے بالعوض خدمات موعودہ حاصل کیئے گئے ہیں۔ طبقات اعلی میں یہ خدمت فی الحقیقت فوجی ہوتی تھی، اور یہی وہ بات تھی جس سے جدید نظام سلطنت کا تعلق جدید نظام معاشرت سے ظاہر ہوتا تھا مگر طبقہ ادنی میں زر معاوضہ یا اصلی خدمات زیادہ عام تھیں۔ کسان اپنی اراضی کے معاوضہ میں یا تو زمیندار کی خدمت کرتا تھا یا لگان دیتا تھا۔ اور قصبے کے اہل حرفہ بادشاہ یا نواب کو پروانۂ تجدید حقوق کے بالعوض سالانہ رقم ادا کرتے تھے۔ مذہبی گروہ کو بھی اپنے "مربی" کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگنی پڑتی تھیں۔

ثبوت

جسقدر ہم آگے بڑھتے جائینگے ہمپر "جاگیرداری" کی نوعیت اور نتائج زیادہ منکشف ہوتے جائینگے یہاں صرف اسیقدر کافی ہوگا کہ یہ دیکھ لیا جائے کہ اس واقعہ کا "تاریخ سیاسیات" میں کیا مقام ہے یہ خالص آبائی اور خالص سیاسی طرز معاشرت کے درمیان سلسلہ کی کڑی ہے موسیو لونیو (M Longnon) کی مساعی جمیلہ سے بہر نوع اس امر کا جغرافیائی پتا چلگیا ہے کہ فالوی قوم کی پرانی قبائلی نوآبادیات اور مغربی فرنگی سلطنت کی جاگیرات

"ال تمغہ"[1] فی الحقیقت ایک ہی تھیں۔ اسیطرح مسٹر اسکین بھی یہ بات ثابت کرنیمیں کامیاب ہوگئے ہیں کہ اسکاٹلینڈ کی "نوابیان"[2] اور املاک[3] جو گیارھویں صدی میں تھیں درحقیقت "جاگیرداری کے لباس میں قدیم آبائی قبائل اور برادریوں کی سرداریاں تھیں۔ اگر کافی ثبوت مل گیا تو ہمکو معلوم ہوجائیگا کہ یہی بات انگلستان اور دیگر ممالک میں بھی تھی۔ بسا اوقات جاگیر پر اور عدم استقلال کے الزامات لگائے گئے ہیں یہی وہ باتیں ہیں جنکی ہمکو کسی ایسے ارتقا میں توقع ہوسکتی ہے جو خود تو ضروری اور عالمگیر نہیں ہے مگر کسی تغیر کو اعتدال پر لانیکا آسان اور سہل ذریعہ ہے۔ عام طور پر تصویروں کا ایک تماشا ہوتا ہے جسمیں ایک تصویر دیکھتے دیکھتے کچھ سے کچھ ہوجاتی ہے پرانی تصویر ایک دھندلے اور غیر واضح طریقہ سے بتدریج رنگ بدلجاتی ہے۔ جس کا اثر نظر فریب تو ضرور ہوتا ہے مگر کوئی خاص واضح خیال قائم نہیں کرتا اسیطرح "تصویر خانۂ تاریخ" میں جاگیر کا دستور گرگٹ کیطرح رنگ بدلتا ہے۔

---

[1] ال تمغہ (Fief)

[2] نوابیاں (Earldoms)

[3] املاک (Thanages)

باب ۹

ابتدائی سیاسی ادارات

یہ دیکھنے کے بعد کہ "مملکت" کا وجود کیونکر ظہور میں آیا اب ہم اپنے نقشۂ عمل کے مطابق آگے بڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اوسکی "تنظیم" کیونکر عمل میں آئی یعنی وہ ادارات کیونکر پیدا ہوئے جنسے اوسکا کام چلا۔ انہیں کسے مقدم ترین رواج "شاہی" کا ہے۔

شاہی۔ یہ ایک عام تاریخی واقعہ ہے کہ زمانۂ حال کی مملکت کی "شاہی" اوس ترک وطن اور فتوحات جدیدہ کا براہ راست نتیجہ ہے جنسے مملکت کی بنیاد پڑی۔ انقلاب فرانس کے بعد تک (جب معاملات دنیا میں شکست و ریخت واقع ہوئی تھی) اصلی فاتحان یورپ کے بہت سے ورثا اون تختوں پر بیٹھتے رہے جو اونکے آباؤ اجداد نے قائم کئے تھے۔ اگرچہ اب وراثتہً تخت نشینی کا سلسلہ اکثر ممالک میں شکست ہو گیا ہے لیکن وہ حالت جو بانیان مملکت نے قائم کی تھی ابتک چلی آتی ہے گو نام دوسرے پڑ گئے ہیں "شاہی" غالباً سیاسیات کا کامیاب ترین ادارہ ہے۔

مگر ہمکو یہ خیال کرلینے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے کہ پہلے بادشاہ اصلی "ادارات" تھے کیونکہ وہ تو محض "اشخاص منفرد" تھے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ قدیم ترین زمانہ کے بادشاہ کامیاب فوجی قسمت آزما، حوصلہ مند اور منچلے لوگ تھے جو کسی نہ کسی طرح بڑے بڑے علاقہ جات فتح کرنیمیں کامیاب ہو گئے تھے۔ اپنی ذاتی فراست اور قابلیت سے وہ اپنی جگہ کو قائم رکھتے تھے اور جن باتوں کو وہ اپنے حقوق سمجھتے تھے وہ لوگوں سے منواتے تھے۔ ہم آگے چلکر معلوم کرینگے کہ یہ حقوق کیا تھے۔ یہاں ہم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ قومیں جن کو ان

سپہ سالاروں نے مغلوب کرلیا تھا وہ انکو ایک عارضی قابل نفرت ہستیاں شمار کرتی تھیں اور سمجھتی تھیں کہ یہ لوگ چند روز بعد موت کے ہاتھ سے خود بخود معدوم ہو جائینگے۔ ان لوگوں کی ہستی قدیم معاشری خیالات کے قطعی منافی تھی وہ ضرورت سے زیادہ سخت ضرورت سے زیادہ منچلے اور ضرورت سے زیادہ قدیم رسوم کیطرف سے بے پروا تھے۔ اور یہ باتیں آبائی طرز معاشرت کے مناسب حال نہیں تھیں جو مرنجان و مرنج اور آرام طلب طریقوں پر مبنی تھی۔ اور جسطرح ختم ہونے والی آبائی معاشرت زمانۂ پاستانی کی تصویر تھی اسیطرح یہ لوگ بھی زمانۂ مستقبل کا آئینہ تھے۔

استقلال شاہی

خود بادشاہ لوگ بھی ان خیالات سے باخبر تھے۔ غالباً اسی واقعہ سے کہ وہ کامیاب سپاہی تھے وہ غیر معمولی قابلیت کی شخصیت بھی رکھتے تھے، صرف میدان جنگ میں ہی نہیں بلکہ انتظام مملکت میں بھی ایسے ایسے سردار جیسے کہ کلوویس، تھیوڈورک، الارک، اور اگبرٹ وہ لوگ نہیں تھے جو یہ سمجھنے میں غلطی کرتے کہ وہ اپنے اعلیٰ منصب کو ہمیشہ فوجی قوت سے قائم رکھ سکینگے اور یہی وجہ تھی کہ اگرچہ وہ زیادہ تر اپنی جنگجویانہ قوتوں سے رغبت رکھتے تھے، اور اگرچہ زمانۂ حال کی شاہی کی جنگی ابتداء ابھی تک ہرگز دلوں سے فراموش نہیں ہوئی تھی، مگر پھر بھی وہ اپنے اختیارات کے ثبات و قیام کے لئے دیگر حقوق کی استدعا کرتے رہتے تھے۔

شاہی میں سرداری جذب ہوگئی

ان میں سب سے زیادہ دانشمندانہ استدعا یہ تھی کہ بادشاہوں نے اپنی ذات میں قبائلی سردار کی جسکو اونھوں نے مفتوح کرکے بیدخل کر دیا تھا، ذات و صفات کو جذب کر لیا یہ ممکن ہے کہ بعض صورتوں میں یہ بادشاہ درحقیقت صحیح معنی میں قبائلی طبقۂ امراء کے ارکان ہوں اگرچہ غالباً مغلوب و منکوب قبائل میں سے نہیں تھے۔ اکثر صورتوں میں وہ محض من چلے سپاہی تھے جنھوں نے اپنے مناصب اعلیٰ سخت جنگ آزمائیوں سے حاصل کئے تھے۔ مگر اونھوں نے بہت جلد جھوٹی باتیں بنا کر، جنکا غالباً ادنیٰ سیدھے سادے زمانہ ہی میں اعتبار کیا جاسکتا تھا، لوگوں کے دلوں میں یہ بات پیدا کرنیکی کوشش کی کہ وہ تو اونھیں قدیم خاندانوں کے ارکان ہیں جن کو اونھوں نے مغلوب کر لیا تھا قدیم زمانہ کے یورپین بادشاہ کا شجرۂ نسب عموماً کسی ایسے مشہور شجاع

وبہادر تک پہونچا کرتا تھا جو اوس قبیلہ یا قبائل کی دیومالا میں نہایت ادب واحترام کیساتھ یاد کیا جایا کرتا تھا جنپر بادشاہ حکومت کرتے تھے۔ ایک نہایت آسان طریقہ اپنی رعایا کی قبائلی جبلت سے اپنی ذات کو مانوس کرانیکا یہ تھا کہ بادشاہ عموماً مغلوب قوم کے سب سے بڑے سردار کی دختر سے شادی کرلیا کرتا تھا۔ اگرچہ آبائی معاشرہ کے سخت آئین وقوانین کے بموجب کسی شیخ کے حقوق ومراعات لڑکی کی نسل میں منتقل نہیں ہوسکتے تھے مگر یہ اتحاد خیالی طور پر نہایت قیمتی اثر ڈالتا تھا۔ اور یہ حکمت عملی، جیساکہ اکثر بعد کے زمانہ میں مفید ثابت ہوئی، بیشک ایک غاصب کی حالت کو مستحکم کرنےمیں خوب امداد پہونچاتی تھی۔

آبائی خیالات کے اس دانشمندی کیساتھ اپنی طرف مائل کرنیکا زبردست نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ بہت جلد منصب شاہی موروثی ہوگیا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ابتداء میں سپہ سالار کی جگہ بذریعۂ انتخاب ملا کرتی تھی، اگرچہ وہ انتخاب اس قسم کا نہیں ہوتا تھا جیسا آجکل کی مجالس اور انجمنوں میں، بلکہ اس معنی میں ہوتا تھا۔ کہ کسی شخص کو اس عہدہ کے حاصل کرنیکا حق بذریعۂ حسب ونسب حاصل نہیں ہوتا تھا۔ سپہ سالار کا انتخاب ہمیشہ وہ لوگ کیا کرتے تھے جو اوسکی شجاعت وشہامت کے مداح ہوتے تھے مگر شاہی کی کامیابی کیلئے یہ بہت ضروری تھا کہ وہ موروثی ہوجائے اور یہ بات عام طور پر جبلت انسانی میں داخل ہے۔ کہ ہر آدمی کم ازکم اس بات کا خواہاں ہوتا ہے کہ اپنی اولاد کے لئے بڑا منصب چھوڑ جائے چنانچہ قدیم بادشاہوں کی تمام قوتیں اسی مقصد کی تکمیل میں صرف ہوتی تھیں اور اونکی کامیابیوں کا خاص سبب اونکا آبائی معاشرہ کے خیالات کو قبول کرلینا ہوتا تھا۔ "شاہی بذریعۂ انتخاب" کے خواہاں ئے لاطائل سیاسی وہم پرستوں کو نظر آتے ہیں۔ اُن کے پر از اخلاق نظریہ کے مطابق آزادی انتخاب سے بہترین آدمی حاصل ہوسکتا ہے۔ اور اگر فی الحقیقت سچ پوچھا جائے، جیساکہ واقعات تاریخی سے ظاہر ہوچکا ہے، اوس کا نتیجہ سہ گانہ نتائج میں سے ایک ضرور ہوتا ہے۔ یا تو ملک متخاصم جماعتوں میں تقسیم ہوکر پارہ پارہ ہوجاتا ہے (جیساکہ پولستان کا حشر ہوا) یا منصب شاہی کے حقوق ومقبوضات

سلہ تاریخ میں اسکی مثالیں موجود ہیں۔ انگلستان میں کرامویل اور فرانس میں نپولین نے ایسا ہی کرنا چاہا تھا۔

بتدریج ضبط ہوجاتے ہیں، اور بطور رشوت جو صلہ مند امیدواروں کیطرف سے ممتاز انتخاب کنندگان کو بخش دیے جاتے ہیں (جیسا کہ مقدس سلطنت روما کا حال ہوا) یا انتخاب کرنے والے عمداً کسی ایسے شخص کو منتخب کر لیتے ہیں جسکا عدم وجود برابر ہوتا ہے، جس کا کوئی دشمن ہی نہیں ہوتا اور جو دوسرے کے تار پر کٹھ پتلی کیطرح ناچتا ہے۔ یہ ہے حالت آجکل کے جمہوریہ انتخابی صدارت کی جو دراصل بادشاہی ہے گو نام مختلف ہے۔ صرف اوسوقت جبکہ سخت خطرات رونما ہوجاتے ہیں اور اوسوقت بھی جبکہ انتخاب کرنے والے قطعی ایماندار ہوتے ہیں، یہ ممکن ہوتا ہے کہ انتخاب کے ذریعہ سے فی الحقیقت کوئی عمدہ آدمی منتخب ہو سکے۔

انتخابی بادشاہت کے نشانات قدیم

فی الواقع یوروپین بادشاہتوں میں سے اکثریت غالب میں انتخابی سردار مقرر کرنیکی روایت چند پشتوں تک جاری رہی اور اوس میں اسقدر رجان باقی تھی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ اس رواج میں کچھ حقیقت ہے۔ یہ رسم عملاً اس خیال سے پیدا ہوئی تھی کہ ولیعہد کو بوجہ کسی جسمانی یا دماغی عارضہ کے جو نمایاں طور پر ظاہر ہو محروم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن موروثی اصول وراثت کو اگرچہ قبول کر لیا گیا تھا گر اوسکی ظاہری صورت زمانہ حال کے مطابق نہیں تھی بلکہ پرانی آبائی معاشرہ والی صورت کے مطابق تھی۔ یہ صورت کچھ زیادہ عرصہ تک جاری رہی اور اوسکے ذریعہ سے تخت و تاج خاندان شاہی کے ذکور میں کسی عمر ترین شخص کو حاصل ہوتا تھا، آخری بادشاہ کے بیٹے کو حاصل نہیں ہوتا تھا یہ[1] خاندانی وراثت کی پرانی رسم روس میں سترھویں صدی تک جاری رہی۔

بادشاہت مذہبی ہوگئی

ان ذرائع سے بادشاہت "ایک ادارہ" یا حکومت کا کاروبار چلانیکی ایک مستقل کل ہوگئی۔ لوگ اس بات کو ضروری اور قدرتی سمجھنے لگے کہ اون پر کسی بادشاہ کو ضرور حاکم ہونا چاہیے۔ مگر پرانے بادشاہوں نے ایک دوسرا نہایت قابل تعریف عمل کیا جب کہ اونھوں نے کلیسا سے مدغم ہو کر ایک

[1] سلطان محمد سادس تک ترکوں میں بھی یہی رواج تھا۔ جمعیت عالیہ ملیہ انگورہ نے اس قدیم دستور کو توڑ دیا اور حکومت جمہوریہ قائم کی۔ مترجم۔

مذہبی رنگ اختیار کر لیا۔ ہمکو ابھی تک یہ دیکھنے کا موقع نہیں ملا کہ اس مذہبیت کی ابتدا کیونکر ہوئی۔ یہاں بھی صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ملکیت کے قیام کے اوائل میں کلیسا اور بادشاہت کے گہرے تعلقات کے مشہور واقعہ پر توجہ دلائی جائے۔ تمام مسیحی دنیا میں اسقف اور پادری لوگ بادشاہ کے سب سے بڑے مشیر اور بادشاہت کے سب سے زیادہ پرجوش حامی تھے۔ اور بادشاہ لوگ جو بڑے بڑے قیمتی تحائف اور نذرانے اُن لوگوں کو پیش کرتے تھے اونکا معاوضہ ممنون و مشکور کلیسا ربادشاہ کی شخصیت اور منصب کے متعلق ایک زبردست شان ولایت و تقدس پیدا کر کے ادا کر دیا کرتا تھا تدہین (سر پر پاک روغن لگایا جانا) و تخت نشینی کے دن سے لگا کر وفات کے روز تک جبکہ اوسکی قبر پر نزول رحمت و برکت کی دعائیں مانگی جاتی تھیں، بادشاہ کے محافظ و مصاحب ہمیشہ معتقدان مذہب (عیسائی) ہوا کرتے تھے۔ مشرق خصوصاً اسلامی ممالک میں، مذہب و سلطنت کا تعلق اور بھی زیادہ گہرا ہے کیونکہ مسلمانوں میں امیر المومنین خلیفۃ المسلمین بھی ہوتا ہے۔ گو بعض مسیحی ممالک میں اس قسم کی ایک اصلی مثال پائی جاتی ہے جس میں کلیسا کے اسقف اعظم کا منصب موروثی ہو گیا ہے اور دنیاوی حکمرانوں کے ہاتھ میں ہے۔ خود یورپ میں بھی کلیسا اور بادشاہ کے درمیان گہرے تعلق کا پیدا ہو جانا "پرکھا پوجا" کے متعلق آبائی معاشرہ کے دستور و رواج کے احیاء کے خلاف بہترین امکانی پیش بندی تھی۔

۲۔ مجلس خاص

ہم دیکھ چکے ہیں کہ جب بادشاہی ناقص اور ابتدائی حالت میں تھی تو سپہ سالار کے اطراف میں ہمیشہ ایسے رفقاء یا ساتھی رہا کرتے تھے جو کامل طور پر اپنی خدمات اوسکو اس شرط پر سپرد کر دیتے تھے کہ وہ اونکے اخراجات کا کفیل ہو اور اونکو اوج مراتب کے مواقع دے۔ جب ترقی کرتے کرتے سپہ سالار "بادشاہ" بنگیا، تو یہ رفقاء کی جماعت اوسکی "مجلس خاص" بنگئی چونکہ بادشاہ اور اوسکے مصاحبین ایک غیر اور مخالف ملک میں ہوتے تھے اس لئے اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ تحفظ باہمی کے لئے دونوں میں کامل اتحاد قائم رہے۔ بغیر ان اعیان دولت کی مدد کے بادشاہ اپنے مفتوحہ علاقہ پر قبضہ نہیں رکھ سکتا تھا۔ اور بغیر اوس کی قابلانہ رہنمائی کے ان اعیان دولت کو خطرہ ہوتا تھا کہ ایک ایک کر کے مخالفت ملکی کے شکار نہو جائیں۔ بادشاہ کی کامیابی اوس کے مصاحبین اور رفقاء کی دولتمندی

کے مرادف تھی، اور مصاحبین اور رفقار کی قناعت و بہبود بادشاہ کی سلامتی کے ہم معنی ہم فی الحال اس قسم کے کسی نظریہ کو بالائے طاق رکھے دیتے ہیں کہ اوس قدیم زمانہ میں بادشاہ کے افعال پر تسلط یا نگرانی رکھنے کا مجلس خاص کو کوئی حق حاصل تھا جسقدر حالات بادشاہ اور اوسکے اعیان دولت کے تعلقات کے بارہ میں ہمکو ملے ہیں اون سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ، اگر بادشاہ غیر ہر دلعزیز ہونیکی کچھ پروا نہیں کرتا تھا، تو وہ جو چاہے کرسکتا تھا۔ اگرچہ مجلس اعیان کو عوام الناس قدیم قبائلی مجلس بزرگان کا جانشین سمجھکر بہ نگاہ وقعت دیکھتے تھے مگر درحقیقت وہ بادشاہی خدام کی ایک جماعت تھی جس کا انتخاب اوس کی مطلق العنان مرضی پر منحصر تھا۔ بہرحال مجلس خاص کا وجود بلا شبہہ بہت جلد بادشاہ کے مطلق العنان رجحانات طبع میں ایک سنگ راہ ہوگیا ایک نظریہ قائم ہوگیا کہ اچھا بادشاہ اپنے مشیران دولت سے اکثر مشورہ کرتا ہے اور اونکی رائے کو سنتا ہے۔ اب اس جگہ سے اوس مقام تک صرف ایک قدم بڑھانیکا کام تھا کہ بادشاہ کو اپنے مشیروں سے مشورہ کرنا چاہیئے۔ اور بعد ازاں لازمی طور پر مشورہ کرنا چاہیئے اور اس صورت سے گویا مجلس خاص اوس چیز کا تخم ہے جسکو ہم فی زمانناد ستوری حکومت کہتے ہیں۔ مگر آزادی عوام کی پشت پناہ ہونے سے بہت پہلے مجلس اعیان بحیثیت ایک قائم شدہ مسلمہ دستور کے بادشاہی کی بھی بہت خدمتیں انجام دے چکی ہے اور یہ کم از کم چار صورتوں میں تھیں:۔

(۱) اوس نے تسلسل کو قائم رکھا

یہ ممکن ہے کہ بادشاہی دوامی ہو مگر حقیقت میں بادشاہ مرجاتا ہے۔ اور ایک بادشاہ کے انتقال اور دوسرے کی تخت نشینی کے درمیان کا وقفہ عموماً بہت نازک ہوتا ہے مزاج کی قوتیں اختلال پیدا کرنیکے لئے تیار رہتی ہیں۔ ایک پرانا مورخ لکھتا ہے۔ "آج تو بادشاہ کی آنکھ بند ہوئی اور آج ہی ملک میں غدر پھیل گیا۔ اور جسکا بس چلا اوس نے فوراً دوسرے کو لوٹ لیا"۔ اس بات کا ہر وقت موقع دیتا ہے کہ پرانے خیالات عود کر آئیں اور لوگ اوس پرانے زمانہ کی آرزو کرنے لگیں جب کہ ہر شخص جس کام کو بہتر سمجھتا تھا وہ کر گذرتا تھا۔ ہمکو یاد رکھنا چاہیئے کہ درحقیقت ایک کامیاب بادشاہی کارانستہ بہت سی پرانی اور ہر دلعزیز رسموں کے خلاف ہوتا ہے۔ مثلاً بادشاہی ہرگز اجازت نہیں دیتی کہ انتقامی جنگیں یا تاخت و تاراج کی مہیں جاری رکھی جائیں غالباً

قدیم مذاہب والے بھی اکثر بادشاہی سے ناراض ہو گئے ہیں - بادشاہی نے بعض ایسی باتوں کے رواج کی اجازت دیدی ہے جو قدیم متعصب خیالات والے کی نظروں میں مکروہ ہیں - اور اسمیں کوئی شک نہیں کہ اوس نے خراج کی مقدار بھی بہت زیادہ وصول کی ہے - پس اکثر لوگ اس بات کی تمنا رکھتے ہیں کہ ادھر موقع ملے اور ادھر وہ بادشاہی کے خلاف بغاوت کر بیٹھیں - مگر مجلس اعیان کا وجود ان نازک اوقات میں آڑے آجاتا ہے - اگرچہ لفظی اعتبار سے بادشاہ کی موت مجلس خاص کے انتشار کے مرادف ہوتی ہے مگر حقیقت میں مجلس خاص کے ارکان ابھی اس امید سے قائم رہتے ہیں کہ ممکن ہے بادشاہ کا جانشین بھی اونکو ہی مقرر کردے - اور اس اثنا میں وہ سیاسی کل کو چلتا رکھتے ہیں -

(ب) اوس نے روایات کو قائم رکھا -

جدید قائم شدہ بادشاہی کو سب سے بڑا خطرہ یہ رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی خلاف معمول بات کے کئے جانے سے رعایا ناراض ہو جائے - بادشاہی کو ایسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے - جو نہ معلوم کس زمانہ سے رسوم و رواج کے پابند چلے آتے ہیں - اگرچہ بادشاہ کو ایک حد تک تبدیلیاں کرنی پڑتی ہیں لیکن اگر وہ دانشمند ہے تو وہ یہ کام حتی المقدور بہت کم کریگا - سب سے زیادہ اوسکو غیر ضروری تغیرات سے احتراز کرنا لازم ہے بعض حالتوں میں ایسا ہوتا ہے کہ کسی بُری حکمت عملی پر عمل کئے چلے جانا بمقابلہ اوسمیں مناسب تغیر کر دینے کے زیادہ بہتر ہوتا ہے - اوسط درجہ کا آدمی خصوصاً اگر وہ آبائی طرز معاشرت کا ہو، جدت کو مشتبہ نظر سے دیکھتا اور اوس سے نفرت کرتا ہے مگر بمقابلہ ایک خاص حکمران کی مجلس خاص پر جدت طرازیوں کا بہت ہی کم گمان ہوتا ہے - کیونکہ اگر حکمت عملی میں کوئی تغیر واقع ہو جاتا ہے تو ارکان مجلس کو نقصان پہونچتا ہے - مجلس خاص اکثر صورتوں میں ہمیشہ جدتوں کی مخالف ہوگی -

(ج) اوس نے بعض طعن کا سدباب کیا

ہم بیان کر چکے ہیں کہ حکومت خصوصاً جدید قائم شدہ حکومت کم از کم کسی حد تک ضرور ناپسندیدہ ہوتی ہے - اگر حکومت کے اعمال و افعال کی برائی کا الزام کسی شخص واحد کے ذمہ پڑ جائے تو اوسکی حالت نہایت مخدوش ہو جائیگی - لیکن اگر یہی الزام اوس شخص کے مختلف مشیران کار پر تقسیم ہو جائے یا اگر ایسا ہی ہو کہ بہت سخت ضرورت کے وقت ایک دو مشیروں کو

ناراضی عامہ کی قربانی چڑھا دیا جائے، تو بادشاہ یا مملکت کے فرماں روا کو بہت فائدہ ہوگا۔ چونکہ مجلس خاص کے اختیار کی غیر شخصی حیثیت ہوتی ہے کہ اوسپر صیغہ متکلم یا فعل حاضر کا اطلاق نہیں ہو سکتا، اسلیئے وہ خارجی لعن طعن کو برداشت کر لینے کے بمقابلہ شخص واحد کے زیادہ قابلیت رکھتی ہے۔ ممکن ہے کہ مجلس کا یہ منصب شاندار اور خوشگوار خیال نہ کیا جائے مگر مملکت کی اس حیثیت سے یہ ایک بیش بہا چیز ہے۔

(د) اوس سے سرگرمیوں میں اضافہ ہوا

شخص واحد کی سرگرمیاں بہت جلد اپنی انتہا کو پہونچ جاتی ہیں۔ فریڈرک اعظم سا بادشاہ بھی بذات خاص اس بات کا علم زیادہ نہیں رکھ سکتا تھا کہ اوس کی سلطنت کے حدود میں کیا ہو رہا ہے۔ اور اگر اوسکے اعیان مجلس نہ ہوں تو اوسکو اتنا بھی معلوم نہیں ہو سکتا یہ لوگ خود مشاہدہ کر کے اور اپنے گماشتوں کے ذریعہ سے سلطنت کے حالات سے واقفیت حاصل کرتے ہیں، اور جو کچھ اونکو معلوم ہوتا ہے وہ بادشاہ کو سنا دیتے ہیں علم و عمل سے وہ کام کرتے رہتے ہیں۔ خود بادشاہ بذات خاص بہت کم کام کر سکتا ہے قدیم زمانہ میں بھی جبکہ بادشاہ کی حیثیت محض ایک جنگجو سپاہی کی ہوتی تھی، وہ اپنی تمام سلطنت کی حفاظت ایک ہی وقت میں نہیں کر سکتا تھا۔ اور جب اوسکے فرائض میں آگے چلکر اضافہ ہو گیا تو وہ سلطنت کا کام بھی تنہا نہیں کر سکتا تھا۔ مگر اوسکی مجلس کے ارکان میں اضافہ ہو سکتا تھا اور اسطرح وہ اپنے پاس غیر محدود تعداد کارگزاروں کی رکھ سکتا تھا۔

۳۔ مقامی گماشتے

ابتک تو ہم یہی خیال کرتے رہے ہیں کہ بادشاہ کے اعیان دولت باستثناء چند روزہ وقفہ کے ہمیشہ بادشاہ کیساتھ میدان جنگ یا دربار میں رہے ہیں۔ یہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں پرانا خیال تھا۔ کیونکہ سپہ سالار کے احباب و رفقاء بہ زمانہ امن و صلح قصر بادشاہی میں رہتے اور اوسکے دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے۔ اور اس خیال سے ہنوز بے تعلقی نہیں کیگئی۔ زمانہ حال میں بھی بادشاہ کے اراکین دربار درحقیقت بادشاہ کی ذات کے ساتھ وابستہ رہتے ہیں۔ لیکن جب ایک تاخت و تاراج کرنیوالا سپہ سالار کسی علاقہ کا بادشاہ بنجاتا ہے تو اوسکو صرف تخت کے گرد ہی معاونین کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ علاقہ بھر میں اعوان و انصار کی ضرورت ہوتی ہے۔ گذشتہ باب میں ہم پیشتر ہی اسکے فوری انتظام کی ایک نظر جھلک دیکھ

چکے ہیں - فاتح نے ایسے با اختیار پرانے شیوخ کی بیعت (وفاشعاری) حاصل کرلی تھی جنھوں نے رضامندی سے اوسکی اطاعت قبول کرلی تھی اور اونکو اپنے نمایندہ کے طور پر اونکی قدیم جگہوں پر بدستور بحال رکھا تھا - یہ رواج تھا تو خطرناک مگر اون لوگوں کی جبریہ بیدخلی سے زیادہ خطرناک نہیں تھا - اگر بعض خاص حالتوں میں بادشاہ کسی اپنے معتمد خاص کو کسی فوت شدہ یا جلاوطن شدہ سردار کی جگہ مقرر کردیتا تھا تو حالت کسیقدر زیادہ محفوظ ہوتی تھی - اور جوں جوں پرانے امراء مرتے گئے اونکے بجائے معتمدان شاہی کے تقرر کی خاموش مگر انقلاب انگیز کارروائی باستقلال جاری رہی، حتی کہ تمام ملک کو اضلاع میں تقسیم کرکے ہر ضلع مرکزی حکومت کے کسی نمایندہ کے انتظام میں دیدیا گیا غالباً پرانے اضلاع کی حدود میں تبدیلی کو بہت کم دخل دیا گیا - مثلاً انگلستان کے اندر جو مقامی قسمتیں اس صدی کے اوائل میں تھیں وہ قدیم آبائی معاشرہ کے زمانہ کی فردیں تھیں - کونٹی یا شائر (صوبہ) کم از کم اکثر حالتوں میں کسی قبیلہ کی سکونت کا ضلع تھا - مثلاً "سسکس" (Sussex) یعنی وہ ضلع جہاں جنوبی سیکسن قبائل رہتے تھے - ڈورسٹ شائر و سمرسیٹ شائر وغیرہ جو قبائل ڈورسیٹاس و سمرسیٹاس وغیرہ کے مساکن تھے - فریمن کا خیال ہے کہ بعض صوبے ایسے بھی تھے جن میں کسی مقام کو قلعہ بند کرکے مستحکم کرلیا گیا تھا - جیسے بیڈفرڈ شائر، ہنٹنگڈن شائر، ڈاربی شائر وغیرہ، لیکن ایسا زمانہ مابعد میں ہوا ہوگا، اور اسکے ہمارے پاس متعدد ثبوت موجود ہیں کہ حلقہ (Hundered) اور قرون وسطی کے دیگر ادارات اغلباً ابتداءً میں کسی نہ کسی مخصوص برادری یا کنبے کے مسکن ہونگے اسکے بعد ملک کی تقسیم در تقسیم ہوگئی اور اس میں متعدد جاگیریں اور اسکے مستقر Mauor پیدا ہوگئے لیکن ہم اس سے قبل جاگیرداری کے نشوونما کے ضمن میں اس پر کافی بحث کرچکے ہیں، مگر ہمکو یہ فرض نہیں کرلینا چاہئے کہ جس شخص کو کسی ضلع کا مقامی ناظم مقرر کیا جاتا تھا وہ اون مشیران سلطنت کے حلقہ سے قطعی علحدہ ہو جاتا تھا جو ہر وقت بادشاہ کے پاس رہتے تھے - برخلاف ازیں اسمیں کوئی شک نہیں کہ بادشاہ کے بڑے بڑے امراء، مثلاً انگلستان میں "ارل" اور براعظم یورپ میں "ڈیوک" اور "کاؤنٹ" ہمیشہ مجلس خاص کے اجلاس میں بیٹھنے کا حق رکھتے تھے

اور کم از کم اجلاس کے زمانہ میں ضرور شریک ہوتے تھے۔ اینگلو سیکسن بادشاہوں کی مجلس عقلا میں ایک طرف تو الڈرمین اور دوسری جانب تھین ملتے ہیں انہیں سے متقدم الذکر بلاشبہ مختلف اصولوں کے عامل تھے اور موخر الذکر کی حیثیت بادشاہ کے خدام کی تھی جو مستقلاً دربار میں ہی رہتے تھے۔ لیکن یہ قرین قیاس نہیں ہے کہ چھوٹے چھوٹے مقامی زمینداروں کو اس مجلس میں نشست کرنیکا حق ہو۔

اس باب کو ختم کرنیسے پیشتر یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ وہ کیا فرائض تھے جو پُرانے بادشاہ مقامی نمایندگان کے ذمہ قرار دیا کرتے تھے؟ اسکا جواب ہم "ہمیس کرنگلا" (Hems Kringla) کے الفاظ سے زیادہ اچھا نہیں دے سکتے جو شاہ "ہیرلڈ" خوبصورت بالوں والے کے بارہ میں لکھتا ہے کہ وہ ملک ناروے کو "خراج محصولات اور جاگیروں" سے مغلوب کر رہا ہے۔

(۱) خراج

خراج ہی درحقیقت وہ چیز ہے جو فاتح کا اولین مقصد ہوتا ہے مورخین قدیم زمانہ کے جنگجو سپاہیوں کے بارہ میں بعض اوقات کہا کرتے ہیں کہ وہ محض ایک شوق پورا کرنیکی غرض سے جنگ کیا کرتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض قومیں ایسی ضرور ہیں جو محض شوق پورا کرنیکے لئے لڑتی ہیں، مثلاً نیوزیلینڈ کے "ماؤری" لنصف صدی پیشتر ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ لیکن عہد قدیم وجدید میں اکثر صورتوں میں جارحانہ جنگ کا اصلی سبب یا تو انتظام رہا ہے یا کسی نہ کسی صورت میں خیال مال غنیمت بعض اوقات مال غنیمت کا خیال محض عارضی ہوا ہے جیسا کہ قدیم "وائی کنگ" قوم کی تاراجی مہیں۔ مگر وہ جنگجو سپاہی جو "وائی کنگ" سے زیادہ دور اندیش ہے ایک قدم زیادہ بڑھا کر باضابطہ مسلسل لوٹ مار کیطرف نگاہ ڈالتا ہے۔ اسی غرض سے وہ ایک سلطنت کی بنیاد ڈالتا ہے اور جب وہ اس کام میں کامیاب ہو جاتا ہے تو خراج کی صورت میں مستقل رقوم تحصیل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ واقعی جس مزاج و قماش کے آدمی کا نقشہ کھینچنے کی ہمنے کوشش کی ہے اوسکو ایک کثیر رعایا پر حکومت کرنمیں بالذات ایک قسم کی دلفریبی معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ خیال کہ فرماں روائی زندگی محض رعایا پروری کیلئے ہوتی ہے!! سلطنت کے ابتدائی زمانہ میں بعد کو پیدا ہوا ہوگا اور وہ بھی بہت خفیف تنظیم سیاسی

کی ابتدائی حالت میں خراج کی ضرورت نہایت نمایاں طور پر ممالک مشرق کی مسلمان سلطنتوں میں نظر آسکتی ہے، جیسے کہ سولھویں صدی میں ھندوستان میں اکبر اعظم کی سلطنت مغلیہ یا بہ زمانۂ موجودہ ایران و ٹرکی کی سلطنتیں۔ خراج کی ابتدا بقول مسٹر بیڈن پوئل، زراعتی پیداوار پر محصول لگانے سے ہوئی۔ اور سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں تو یہ اسقدر بڑھا کہ کل پیداوار کا تہائی حصہ یعنی ایک ثلث ہوگیا۔ یورپین سلطنتوں کے بانیوں نے جنکو فتوحات میں سخت لوہے کے چنے چبانے پڑے تھے خراج کو ایک زیادہ مہذب لباس پہنادیا۔ فاتحوں نے آبائی زمانہ کے وہ معمولی نذرانے اپنے لئے مقرر کرلئے جو اہل قبائل عموماً بصورت "خوراکی" یا "ضیافت" اپنے قدیم سرداران کو دیا کرتے تھے علاوہ ازیں اونھوں نے صرف خاص کی اون اراضیات پر بھی قبضہ کرلیا جو روسائے قبائل کی سیر ہوا کرتی تھیں اور ان زمینوں کو اونھوں نے خاص مزارعین کو بغرض کاشت سپرد کردیا جو اونکا بصورت نقد یا جنس معاوضہ ادا کرتے تھے۔ اونھوں نے علاوہ انکے، غالباً پرانی رسموں کی بنیاد پر، اپنے حقوق بعض دیگر منفعت بخش ابواب پر بھی قائم کرلئے، جیسے دریا کی "شاہی شکار گاہ ماہی"، قیمتی فلزات (سونا، چاندی) کے معاون اور بڑے بڑے صحرائی جانوروں کی شکار گاہیں۔ یہ تمام چیزیں بحیثیت مجموعی انگلستان میں "محاصل صوبہ" کہلاتی تھیں اور عرصہ تک شاہی محاصل کی کثیر تعداد ان سے فراہم ہوتی رہی۔ بعض اوقات خاص خاص مواقع پر براہ راست آمدنی کا مزید مطالبہ بھی کردیا جاتا تھا جیسے انگلستان نڑھین گلٹ اور فرانس میں ویم وہ شہر و قصبات جنکو امتیازی حقوق حاصل تھے اپنے تجارتی حقوق کی حفاظت کے بالعوض معقول رقمیں دیا کرتے تھے۔ مطالبہ خراج کے لئے صرف مغربی یورپ میں محصول یا اجارہ کی صورت میں کوئی معقول بہانہ کردیا جاتا تھا، مگر مشرقی ممالک کی حلیم الطبعی جو سرکاری محصلوں کے سخت مطالبات کے سامنے سر تسلیم خم کردیتی ہے، موجودہ تہذیب کے میدان عمل میں کبھی نہیں دیکھی گئی۔

(ب) محصولات — علاوہ خراج کے فاتح کا ایک زبردست مطالبہ فوجی خدمت کا بھی ہوتا تھا۔ اگرچہ اونکے پاس اپنے خاص رفقا ہوتے تھے

جنکو "پیشہ ور سپاہی" کہا جاسکتا ہے۔ مگر وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتا تھا کہ ان لوگوں میں نئے نئے آدمی بھرتی کرتا رہے اور حتی الامکان اپنی رعایا کے بہترین حوصلہ مند نوجوانوں کو اپنی خدمت قبول کرلینے پر مائل کرلیتا تھا۔ مگر علاوہ اس "رضا کار فوج" کے اوسکو بغرض مدافعت ملک ایک زبردست ردیف فوج کی بھی ضرورت رہتی تھی تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جسطرح اوس نے دوسرونکو مغلوب کرکے اپنی سلطنت قائم کرلی ہے۔ اسی طرح کوئی دوسرا کامیاب جنگ آزما بھی اوسکے قدم نہ اکھاڑ دے۔ لہذا وہ ایک عام قانون بنا دیتا ہے کہ جسوقت طلب کیا جائے ہر شخص پر فوجی خدمت لازم ہوگی، تندرست آدمیوں کو صفوف جنگ میں شامل ہونا ہوگا اور کمزور آدمیونکو سڑکیں، پل اور قلعہ جات بنانیکا کام کرنا ہوگا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اون لوگوں میں جنسے فوجی خدمات کی توقع ہے اور اون میں جو بوجہ اختلاف مذہب یا ادنی معاشری درجہ کے فوج میں شامل نہیں کئے جاسکتے ایک امتیاز کردیا جاتا ہے۔ مگر چھوڑا کسی کو نہیں جاتا، جو فوجی خدمت نہیں کرسکتے اونپر ایک خاص فوجی محصول لگا دیا جاتا ہے یہ رسم آخر کار پھیلتے پھیلتے عام ہو جاتی ہے اور فوجی خدمات کے بجائے عام طور بصورت زر محصول قائم کر دیا جاتا ہے۔ پھر اسکے دو تین پشت بعد کوئی اصلاح پسند بادشاہ خدمات بالنفس تجویز کر دیتا ہے مگر معاوضہ بالکل بدستور قائم رہتا ہے۔

(ج) جاگیری اقتیارات

یہ درحقیقت وہ زبردست اور خاص اوزار تھے جنکے ذریعہ بادشاہ ٹیکس اور محصولات تحصیل کیا کرتے تھے۔ اوس زمانہ میں جبکہ ذرایع آمد و رفت بہت نامکمل تھے مرکزی حکومت کے لئے اپنی تمام رعایا سے تعلقات قائم رکھنا محال تھا۔ اور اسی لئے، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا، مفتوحہ علاقہ کے حصے بخرے کرکے بادشاہ کے رفقاء کے انتظام میں دیدیئے جاتے تھے۔ جو اوسی کیطرح کے قسمت آزما سپاہی ہوتے تھے۔ یا اون قدیم آبائی حکام کے ماتحت رکھا جاتا تھا۔ جو بادشاہ کی حکومت کو تسلیم کرلیا کرتے تھے۔ شاہی نقطہ نظر سے یہ حکام، خدام دولت ہوتے تھے لیکن باشندگان اضلاع کے نقطہ نظر سے وہ حاکم ہوتے تھے۔ اس خیال سے کہ یہ حکام سہولت کیساتھ اپنے اضلاع میں خراج اور فوجی جوان اکھٹا کرسکیں، ان لوگوں کو اپنے اپنے اضلاع میں خاص اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ ان اختیارات کو

یہ خود اور اونکے اضلاع کے باشندگان قدیم آبائی معاشرۃ کی نوعیت کا خیال کرتے تھے ۔ مگر بادشاہ انکو ہمیشہ اختیارات نیابت شمار کیا کرتا تھا اور واقعی اس بات کا یقین ہوا کرتا تھا کہ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو مقامی حاکم کا انتظام موثر کرنیکے لیے اوسکی امداد شاہی فوجیں کیا کرتی تھیں ۔ جب آبائی طرز معاشرت کے امرا مرکھپ گئے تو مقامی حکام پر شاہیت کا رنگ غالب آتا گیا حتی کہ اونکو شاہی نامزد کردہ شمار کیا جانے لگا ۔ تاوقتیکہ وہ خود، کو، جیسا کہ اکثر ہوتا تھا، بادشاہ کا باجگذار رئیس قرار نہیں دے لیتا تھا ۔

مقامی حاکم صرف تحصیل مالگذاری اور سپاہی جمع کرنیکا ہی ذمہ دار نہیں ہوتا تھا بلکہ اوسکا فرض تھا کہ اپنے ضلع میں امن و امان قائم رکھے ۔ بادشاہی با وقعت روایات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ ہمیشہ اندرونی فسادات کی بیخکنی پر مائل رہتی تھی ۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ آبائی طرز معاشرت کے زمانہ میں کسی شخص کا جان و مال اوس کے قبیلہ کی حفاظت میں ہوتا تھا، بعدہ کنبہ یا برادری کی حفاظت میں ہونے لگا ۔ مگر یہ تحفظ رفتہ رفتہ محض انتقام کی صورت میں مبدل ہو گیا اور یہ تدبیر کامل امن و سکون قائم کرنیسے قاصر رہی ۔ بادشاہی نے بھی اوائل میں قیام امن کا کام اپنے گماشتوں کے ہاتھوں میں سپرد کیا ۔ چنانچہ بادشاہ کے مقامی نمایندہ کو وہی وسیع اختیارات حاصل ہوتے تھے جو پولیس کو ہوتے ہیں اور انکے بالعوض اوسکی ذاتی حفاظت کے لئے غیر معمولی سزائیں تجویز کیجاتی تھیں ۔ بادشاہی کے قدیم ترین زمانہ میں اگر مقتول شاہی خادم ہوتا تو سہ گنا خون بہا وصول کیا جاتا تھا ۔ کچھ اور مدت گذرنے کے بعد وہی حکمت عملی پھر عود کر آئی اور جو شخص کسی مقامی حاکم کے خلاف ہاتھ اوٹھاتا تھا تو وہ سخت سزا کا مستوجب ہوتا تھا گویا اس طرح سے بوجہ اختیار تحصیل خراج، بوجہ فراہمی مردان مصافی، اور بوجہ قیام امن و سکون، بادشاہی نمایندہ مقامی درحقیقت اپنے پڑوسیوں کا "نواب" ہو گیا تھا ۔ اسطرح ہمیس کر نکلا کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے ۔

یہ بات غالباً آسانی سے سمجھی جاسکیگی کہ ایک ایسی مملکت جو صرف بادشاہ اور اس کے افسروں پر مشتمل ہوتی تھی اور جو ملک سے صرف خراج وصول کرنے اور سپاہی فراہم کر لینے ہی پر قناعت کرتی تھی، گویا مملکت کا ابتدائی نمونہ تھی ۔ ایسی ہی

مملکتیں ممالک مشرقیہ، مصر، آشور، اور ہندوستان میں تھیں۔ جب ایسی سلطنتیں ایسے لوگوں پر قائم ہو جاتی تھیں جو قدرتاً کاہل اور حلیم الطبع ہوتے تھے تو وہ صدیوں قائم رہتی تھیں۔ اور بیشمار دولت جمع کر لیتی تھیں، مگر اونکا توازن ہمیشہ غیر مستقل رہتا تھا اور اوس میں ذراسی تحریک سے اختلال رونما ہو جاتا تھا۔ اور واقعی مغربی یورپ میں کوئی سلطنت عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتی تھی تاوقتیکہ وہ اپنی اساسی حالت کو جدید انتظامات سے پایۂ مدار نہ کر لیتی۔ انھی انتظامات کے نشوونما و ترقی کا بیان ہم آگے چلکر کرینگے۔

باب ۱۰

مملکت اور ملکیت

ادارات سیاسی میں مسئلہ ملکیت سے زیادہ زیر بحث اور مہتم بالشان کوئی موضوع نہیں رہا۔ لہذا اس سے زیادہ "تاریخی طریق استدلال" کے اطلاق کے لیے کوئی اور موزوں سوال نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس استدلال میں بجز تذکرہ واقعات کے نہ جذبات کو دخل ہے نہ تعصبات کو واسطہ۔ اب ہم اپنا بیان اس سوال سے شروع کرتے ہیں کہ ملکیت کیا شے ہے؟ اور اصطلاحات سے قطع نظر کر کے اسکا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ یہ ایک حق ہے جو بنی نوع انسان یا اونکی ایک محدود جماعت کو بغرض استفادہ اون مختلف مفادات سے جو کسی مادی یا طبیعی چیز سے حاصل ہو سکتا ہے ودیعت کیا گیا ہے۔

ایک استحقاق

اس تعریف میں ایک دو امر خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ اوّل استحقاق سے کیا مطلب ہے؟ پھر اصطلاحات سے قطع نظر کر کے ہم جواب دے سکتے ہیں کہ استحقاق ایک قوت یا اختیار ہے جو عام خواہش کے مطابق محفوظ ہے۔ مثلاً اگر میں نے کوئی کتاب کھلے طور پر ایمانداری کے ساتھ خرید کی ہے تو رائے عامہ مجھکو اجازت دیتی ہے کہ میں اوسکو جس طرح چاہے استعمال کروں۔ قدیم زمانہ میں تو رائے عامہ کا اظہار رسم و رواج کی موہوم صورت سے ہوتا تھا۔ مگر زمانہ مابعد میں یہ بذریعہ قانون سازی ظاہر ہونے لگا اور اوسکا قیام عدالتوں اور حکام کے ذریعہ سے کیا جانے لگا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی استحقاق سے کام لیا جانا رائے عامہ کے خلاف پڑتا ہے جس کی وجہ یا تو یہ ہو سکتی ہے کہ بعض خاص حالتوں میں اوس استحقاق کو عمل میں لانا ناپسندیدہ شمار کیا جاتا ہے یا یہ کہ عام خیال ہی تغیر پذیر ہو گیا ہے۔ بہر حال استحقاق، پبلک (عام خیال) کی

ایک آفریدہ چیز ہے خواہ جدید ہو یا قدیم۔

بنی آدم کو ودیعت شدہ

ہم لکھ چکے ہیں کہ "ملکیت" ایک استحقاق ہے جو انسان یا جماعت انسانی کو ودیعت کیا گیا ہے۔ وہ تحریکات طبعی اور خواہشات نفسانی جنکی وجہ سے بنی نوع انسان میں ملکیت کا وجود قائم ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ فطرت حیوانی میں موجود ہیں۔ جس شخص نے کبھی کسی کتے کو کوئی ہڈی دباتے یا کسی بندر کو پھل چراتے دیکھا ہوگا وہ اس واقعہ کی صداقت میں ہرگز شک کو دخل ندیگا مگر ساتھ ہی ہم حیوانات کے بارہ میں لفظ ملکیت کبھی استعمال نہیں کرتے۔ کیوں؟ محض اسوجہ سے کہ خیال عامہ اونکی خواہشات کی تکمیل میں اونکی تائید نہیں کرتا۔ ہم محض پالو جانوروں کا وہ بھی بہت کم حد تک حق سمجھتے ہیں کہ زندہ رہنے کیلئے اوس پیداوار میں سے کچھ کھا پی لیں جو اونھی کی محنت سے پیدا کیگئی ہے۔ یہ بھی گویا ذرا سا ایک اخلاقی فرض ہے۔ انجیل میں حکم ہے "اوس بیل کا منھ مت باندھو جو غلہ کو کچل کر نکالتا ہے" لیکن اگر ضرورت پڑے تو ہم غلہ بچالینا تو درکنار کبھی خود بیل کو ذبح کر ڈالنے سے دریغ نہیں کرتے۔

محدود جماعت میں

پھر دیکھیے کہ ملکیت ایک حق ہے جو انسان یا محدود جماعت انسانی کو ودیعت کیا گیا ہے۔ اسکا مفہوم یہ ہے کہ اشیاء کے مشترکہ سرمایہ میں سے ایک حصہ کو کسی خاص شخص یا مختصر سی جماعت اشخاص کیلئے علیحدہ کرکے قبضہ دیدینا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ ہم بعض اوقات "ملکیت عامہ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مگر یہ صرف ایک تضاد لفظی ہے۔ یہ کہنے سے ہمارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شئے زیر بحث قطعاً کسی شخص کی ملکیت نہیں ہے۔ لہذا اوسکو ہر شخص استعمال کرسکتا ہے۔ جب درحقیقت ہمارا منشاء یہ ہوتا ہے کہ شئے مسؤل ایک خاص اور بڑی جماعت کی ملکیت ہے تو ہم لفظ "ملکیت" استعمال نہیں کرتے بلکہ کوئی ایسا لفظ کہتے ہیں جس سے مختلف خیال ظاہر ہوتا ہو۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ انگلستان قوم انگریز کا ملک ہے۔ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ انگلستان قوم انگریز کی ملکیت ہے تو ہمکو فوراً یہ تسلیم کرنا پڑتا کہ انفرادی طور پر انگلستان میں کسی انگریز کی کوئی ملکیت نہیں ہے۔ اور یہ بات صاف ظاہر ہے کہ کسقدر غلط ہے۔

ملکیت کا اثر موجودات پر ہے

پھر دیکھنا چاہیئے کہ استحقاق ملکیت صرف اون چیزوں پر ہوسکتا ہے۔ کیونکہ یہی درحقیقت وہ چیزیں ہیں جن پر علیحدہ قبضہ یا تصرف کیا جاسکتا ہے۔ شاعرانہ طور پر ہم "ملکیت خیالات" کا لفظ بھی استعمال کرسکتے ہیں مگر وہ انتہائی دقت جو اس قسم کے مال کی حفاظت میں ہمکو محسوس ہوتی ہے۔ خود بخود یہ بات ظاہر کردیتی ہے کہ یہ مال لفظ "مال" کے اصلی معنی سے قطعی جداگانہ نوعیت رکھتا ہے۔ افکار و خیالات فوری ہوتے ہیں ایک ہی قسم کا خیال ایک ہی وقت میں ہزاروں آدمیوں کے دل میں پیدا ہوسکتا ہے خیال کی نہ کوئی ابتدا ہوتی ہے نہ انتہا۔ وہ ایک مبہم چیز ہوتی ہے۔ پھر خیال فرمائیے کہ خیالات کی حفاظت اون ذرائع سے کیونکر ہوسکتی ہے جو ہم اپنے مال کی حفاظت کے لئے کام میں لاتے ہیں؟

عام اغراض کیلئے

آخر یہ کہ حق ملکیت جلب منفعت کا ایک استحقاق ہوتا ہے (خواہ وہ مفادات معلوم ہوں یا غیر معلوم) جو کسی شئے سے حاصل ہوسکتی ہے۔ یہی مقام اس موضوع میں مشکل ترین ہے اور یہی اسکی تاریخ کی کلید ہے مقننین کہتے ہیں کہ ملکیت ایک عام حق ہے۔ مثلاً ہمنے حیدرآباد سے بلارم جانیکے لیئے ایک گھوڑا کرایہ کیا۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ گھوڑا ہمارا مال ہے اگر ہم اوس گھوڑے کو ایک معینہ مدت کے لیئے بھی کرایہ پر لے لیں تب بھی ہم اوسکو اپنا مال نہیں کہہ سکتے۔ اگر اوس گھوڑے کیساتھ ہمارے ایسے تعلقات ہوں۔ کہ جب چاہیں اوس پر سواری کریں، گاڑی میں جوتیں، بار برداری کا کام لیں یا جب چاہیں اوسکو فروخت کرڈالیں یا مار ڈالیں درحقیقت جو جی چاہے اوسکے ساتھ کریں اور خیال عامہ کے خلاف نہ گذرے، تب ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ گھوڑا ہمارا مال ہے۔ انسداد غلامی کے بعد بنی نوع انسان پر بھی حق ملکیت ساقط ہوگیا ہے مگر ہم جانتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے پر کچھ خاص حقوق رکھتا ہے مثلاً آقا کا حق نوکر پر، شوہر کا حق بیوی پر، و علیٰ ہذا القیاس۔ مگر یہ حقوق محدود اور مستقل ہیں۔

ایک جدید خیال

لہٰذا اگر ہم حق ملکیت کا مفہوم تو وہ لیں جو زمانہ حال میں سمجھا جاتا ہے اور انسان کی قدیم تاریخ پر نظر ڈالیں اور سمجھیں کہ

اوس زمانہ کے آدمیوں کے نزدیک بھی اسکا یہی مطلب ہوگا تو ہماری بہت بڑی غلطی ہوگی۔ ہماری ابتدا ہی غلط ہوگی۔ ہمکو یہ سوال نہیں کرنا چاہئے کہ اوس زمانہ میں حق ملکیت کسکو حاصل تھا؟ بلکہ یہ سوال کرنا چاہئے کہ اوس زمانہ میں کوئی شئے مملوکہ بھی تھی یا نہیں؟

ممکن ہے کہ زمانۂ حال کے اشخاص کو یہ سوال مہمل معلوم ہو لیکن ممکن ہے کہ اگر ہم زمانۂ حال ہی کی کوئی مثال لیکر اوسپر غور کریں تو یہ سوال اسقدر مہمل نہیں معلوم ہوگا۔ وسیع معنی میں اگر دیکھا جائے تو فی زماننا دنیا کے کھلے سمندر کسی کی ملکیت نہیں کیوں؟ اسکی وجہ محض یہی ہے کہ بحالت موجودہ اگر سمندروں سے کوئی استفادہ حاصل ہو سکتا ہے تو وہ صرف یہی کہ تجارت اور آمد و رفت کا فائدہ اوٹھایا جائے۔ اور چونکہ سمندروں میں اسقدر جگہ اور وسعت ہے کہ دنیا کے تمام جہاز اون پر چل سکیں اس لئے ملکیت کا سوال نہیں اوٹھتا مگر ہم آسانی کیساتھ دیکھ سکتے ہیں کہ ایک نہ ایک دن یہ سوال ضرور اوٹھیگا۔ اور ہم نہایت عمدگی کیساتھ اون اسباب کو بھی سمجھ سکتے ہیں جنکی بنا پر یہ سوال پیدا ہوگا۔ اگر بحری تاروں کے لگانیکا سلسلہ بہت وسعت پذیر ہو گیا یا سواحلی سمندروں میں دنیا کے خرچ کے لئے کافی مچھلیاں نہ رہیں تو ہم بہت جلد دیکھینگے کہ مختلف سلطنتیں کھلے سمندروں پر بھی نہایت اشتیاق کیساتھ ملکیت کا دعوی کرینگی۔ اور ملکیت [illegible] کے فوائد میں اضافہ ہونیکے ساتھ ہی ہم اس سے بھی زیادہ بات یہ دیکھینگے کہ سمندری علاقہ بھی مختلف سلطنت میں مختلف طور پر تقسیم ہو جائیگا۔ تاکہ اول درجہ تک تو ہم پہونچ ہی چکے ہیں یعنی ہمنے اپنے علاقوں کے متصل سمندروں پر ملکیت قائم کرلی ہے۔ اور چونکہ یہاں سے سلطنتوں کو شکار ماہی جہاز رانی توپوں سے نشانہ بازی وغیرہ کا فائدہ پہونچتا ہے۔ اس لئے یہ وجہ کافی ہے کہ وہ سمندر اون سلطنتوں کے مقبوضات ہیں۔

یہ ہے گویا تاریخ حق ملکیت کی کلید بطور ایک ادارہ خصوصی کے یعنی ارتقائے علم۔ جب لوگ مادی اشیار کے فوائد سے زیادہ زیادہ واقف ہوتے گئے اوسیقدر اشتیاق کیساتھ مکمل طور پر وہ اونپر قبضہ و تصرف کرتے گئے۔ اور اسطرح گویا ہمارے لئے حق ملکیت کی تاریخ کا مطالعہ کرنا محال تھا جبتک ہم یہ نہ معلوم کر لیتے کہ وسائل قدرت کے بارہ میں انسان کا علم بتدریج ترقی پا گیا۔ ابہم اسکا صاف طور پر خلاصہ کر سکتے ہیں:۔

اول درجہ یعنی شکاری معاشرۃ میں انسان کی ضروریات صرف شکارگاہوں، فرودگاہوں اور اسلحہ تک محدود ہیں۔ انسان جانتا ہے کہ جسقدر کسی خاص علاقہ کے اندر زیادہ

شکار کھیلا جائیگا اور اوسیقدر وہاں شکاری جانور کمیاب ہوتے جائینگے لہذا اگر اون کی شکارگاہ میں مداخلت غیر ہو تو وہ اوسکو بری نظر سے دیکھتے ہیں۔ اسیطرح اونکی زندگی منحصر ہے کسی ایسی قرارگاہ پر جہاں پانی بکثرت ہو۔ لہذا اگر کوئی دوسرا شخص اون مقامات پر قابض ہو جہاں پڑاو ڈالنے کی اونکو عادت ہے تو اونکو سخت ناگوار گذریگا۔ افسوس ہے کہ سیاحوں نے جو وحشیوں کی طرز معاشرت کے بیان شائع کئے ہیں اگرچہ اون میں قدیم زمانہ کے اسلحہ کی شکل و شباہت اور مادی نوعیت پر توروشنی ڈالی گئی ہے مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ اون اسلحہ کی ملکیت کے بارہ میں وحشیوں کے کیا خیالات ہیں۔ لیکن اگر ہم فرض کرلیں کہ اسلحہ قدیم ترین اشیائے ملکیت تھیں تو ہم زیادہ غلطی نہیں کرینگے۔ جس کثرت کیساتھ وہ استعمال کئے جاتے تھے اور جس انتہائی کوشش کیساتھ وہ ٹھیک حالت میں رکھے جاتے تھے اور جس سہولت سے اونپر قبضہ کیا جاسکتا تھا یہ تمام باتیں بہت جلد تصرف و تسلط کا خیال پیدا کرسکتی ہیں۔ ملکیت کی جڑ استعمال کنندہ ہے۔ مال غنیمت کے فوراً حصے بخرے کرلئے جاتے ہیں مگر محبوب اور کثیر الاستعمال حربہ کی احتیاط کیساتھ حفاظت کیجاتی ہے۔ اس امر کے ظاہر کرنیکی بھی شہادت موجود ہے کہ مذہبی سامان جیسے مقدس پٹیاں، پرندوں کے پر اور پتھر، قدیم زمانہ میں بھی انسانی جماعتوں کے قبضہ میں آگئے تھے۔ مگر ایک وحشی کا ہتھیار چونکہ ایسی چیز ہے جسکو ایک وقت میں ایک ہی شخص استعمال کرسکتا ہے اس لئے اوسپر زیادہ سہولت کیساتھ قبضہ و تصرف ہوسکتا ہے۔

شکار کھیلنے کا علاقہ

اگر ہم یہ دیکھنا چاہیں کہ جو فوائد زمین سے حاصل ہوتے ہیں اونکے متعلق ایک وحشی کے نیم پختہ خیالات کیا تھے تو ہمکو چاہیے کہ موجودہ زمانہ کی شکارگاہ کی مثال سامنے رکھیں۔ شکارگاہ کا مالک یا شکاری، زمین پر راستہ چلنے، مویشی اور بھیڑ بکریاں چرانے یا غلہ بونے حتے کہ مکانات بنانے اور وہاں رہنے سے لوگوں کو منع نہیں کرتا۔ جب تک کہ لوگ شکار کو پریشان نہیں کرتے یا جنگل میں احاطہ بندی نہیں کرتے اوسوقت تک اونکو کچھ نہیں کہا جاتا۔ شکاری تمام علاقہ کو اپنا سمجھتا ہے۔ اور اگر کوئی دوسرا اجنبی غول گھس آتا ہے تو اوسکو ناگوار گذرتا ہے مگر وہ دعویٰ نہیں کرتا کہ علاقہ میری ہی ملکیت ہے۔

عہد شبانی

اگر ہم ایک قدم آگے بڑھائیں تو ہم بعض تغیرات ایسے دیکھتے ہیں جن سے ملکیت کے بارہ میں بنیادی خیال کو اور ترقی ہوتی ہے گلہ بان کا اپنے مویشیوں اور گلہ کے ساتھ مسلسل رہنا سہنا، جو زیادہ فوائد اوس کو اون جانوروں سے

حاصل ہوتے ہیں (کھال، اُون، دودھ وغیرہ) اونکا احساس اون کے تعلقات کو جانوروں کے ساتھ اور مستحکم کردیتا ہے۔ اس منزل معاشرت میں کہا جاسکتا ہے کہ ”مال منقولہ“ (مویشی درجۂ ملکیت کو پہونچ گیا تھا بلکہ ”درجۂ انفرادی ملکیت“ کو۔ اور اسی طرح بیویوں بچوں اور غلاموں کا حال سمجھ لینا چاہئیے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جہاں انسان کو اپنی محنت کے معاوضہ یا قیمت کا احساس ہوا وہ فطرتًا اوس معاوضہ یا قیمت پر تصرف کرنا چاہتا ہے۔ قانون قدیم کے وہ الفاظ جو ایک بزرگ خاندان کا تعلق اوس کے اجناس مویشی سے قائم کرتے ہیں اون کے مفہوم میں وہ تعلقات بھی داخل ہیں جو اوسکے اپنی بیویوں، بچوں اور غلاموں کے ساتھ ہیں۔ یہ بات تو آگے اکثر ہوئی ہے کہ مختلف قسم اموال میں فرق و امتیاز قائم ہوگیا ہے۔ پہلی نظر میں تو یہ معلوم ہوگا کہ بزرگ خاندان کے گھر میں پیدا ہونا داشت کے لئے طبعی حق پیدا کردیتا ہے۔ ملک سویڈن کے نہایت قدیم اور دلچسپ قاعدہ کے موجب پرانے زمانہ کے مقدمات سرقہ میں یہ ضابطہ برتا جاتا تھا کہ مدعی کو یہ کہنا پڑتا تھا کہ گھوڑا یا بیل متنازعہ خود اوس کے گھر پیدا ہوا اور اس کے تھان پر پلا تھا مگر گمان گذرتا ہے کہ جوں جوں قبیلہ برادریوں میں اور برادریاں گھرانوں میں منقسم ہوتے گئے وہ پرانا خیال کہ مال غنیمت قبیلہ یا برادری کی مشترکہ ملکیت ہے، جاتا رہا۔ اور ہر کامیاب مویشی پکڑنے والا اون حیوانات پر اپنا ذاتی قبضہ کرنے لگا جو خود اوس نے گرفتار کئے تھے۔ بالآخر جب تبادلہ کا خیال ترقی کر گیا ہر شخص اوس چیز پر حق ملکیت قائم کرنے لگا جو اوس نے تبادلہ یا خرید کی تھی۔ مگر اس امر کے خود از منہ تاریخی میں بھی کافی ثبوت موجود ہیں کہ ”خریداری“ کو خصوصًا گلوں اور دھن کی ”خریداری“ کو بہ نظر اشتباہ دیکھا جاتا تھا اور جس شخص کے قبضہ میں کوئی اجنبی یا نیا بیل نظر آتا تھا اوس کو خدشہ ہوتا تھا کہ کہیں ایسا نہو کہ بالزام سرقہ مطعون کیا جائے۔ احتیاط اور اطمینان کیساتھ اس قسم کی خرید و فروخت صرف ”بازار“ یا دیگر معروف مقامات پر ہوسکتی تھی اور وہ بھی معقول گواہوں کے روبرو و قانون انگریزی میں اس قدیم ضابطہ کی یادگار ہنوز باقی ہے یعنی کھلے بازار کی خریداری خاص اہمیت رکھتی ہے۔

چنانچہ حق ملکیت کی تاریخ کے مدارج ہم حسب ذیل قائم کرسکتے ہیں:۔

(۱) تمتع۔ (۲) پیداوار و پرورش (۳) گرفتاری یا ضبطی (۴) تبادلہ یا خرید۔

عہد کاشتکاری

اب ہم معاشرت کے درجۂ کاشتکاری تک پہونچ گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس درجہ میں ہم ”ملکیت زمین“ کے زیادہ ترقی یافتہ خیال کے

سرے تک پہونچ گئے ہیں۔ شبان یا چوپان بھی اپنی "ملک" کی نسبت کچھ ایسا ہی خیال رکھتا ہے جیسا کہ شکاری۔ یہ گویا قبیلہ کے مواشی اور بھیڑ بکریوں کی چراگاہ ہوتا ہے۔ اس درجہ میں اجنبیوں کی مداخلت کا رشک وحسد کسیقدر زیادہ ہوتا ہے کیونکہ پالو جانوروں کا چرا لیجانا بمقابلۂ صحرائی جانوروں کے زیادہ آسان ہوتا ہے اور غالبًا اس درجہ میں لفظ "استعمال" کا مفہوم، جو اہل قبیلہ اپنی اراضی قبیلہ کے بارہ میں قائم کرسکتا ہے، زیادہ صاف اور واضح ہے مگر اراضی میں ہنوز کوئی شخصی یا ذاتی حق ملکیت قائم نہیں ہوا۔ کیونکہ زمین کو ابھی تک چراگاہ یا شکارگاہ سمجھا جاتا ہے۔ اور اُن اغراض و مقاصد کے لئے تقسیم اراضی کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی لیکن کاشتکار بہت جلد نئے خیالات پیدا کرلیتا ہے جب فن زراعت میں کوئی جدید ترقی اراضی کو زیادہ قیمتی کردیتی ہے تو وہ برادری یا گھرانہ یا شخص منفرد جس نے ترقی پیدا کی ہے اسکو بہت کم گوارا کرتا ہے کہ اوسکی ترقی یافتہ زمین دوسرے کے ہاتھوں میں چلی جائے یا وہ خود کسی اور اراضی پر چلا جائے جسپر کم محنت صرف ہوئی ہے۔ اسطرح گویا کاشتکاری کی زمین ایک برادری کی ملکیت ہوجاتی ہے جسکے ممبروں (ارکان) میں اوسکا وقتًا فوقتًا تبادلہ ہوتا رہا ہے اور آخر میں اگرجب یہ تقسیم بھی بند ہوجاتی ہے تو خاندان اور بالآخر شخص منفرد کسی خاص حصۂ اراضی سے تعلقات قابضانہ رکھنے لگتا ہے۔

زمانۂ حال کے خیالات سے اب بھی دور ہے

اگرچہ ترقی معاشرت میں یہ ایک لمبا قدم ہے۔ مگر اب بھی اسقدر دور ہے کہ ہمکو زمانۂ حال کے مفہوم "شخصی حق مالکانہ در اراضی" تک نہیں پہونچا سکتا۔ اب تک ہم اس درجہ تک پہونچے ہیں کہ ایک ہی شخص ایک ہی قطعۂ اراضی کو سالہا سال تک زیر کاشت رکھ سکتا ہے اور ممکن ہے کہ اوس کے بال بچے بھی اوس کے بعد ایسا ہی کریں۔ مگر زمانۂ حال کے مالکان اراضی کے لئے صرف اسی قدر کافی نہیں ہے۔

محدود تمتع

ابتدا میں تو ایک شخص زمین کو محض بہ غرض کاشت استعمال کرسکتا تھا۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ کاشتکاری کے معاشرتی نتائج میں سے اول اور اصلی نتیجہ یہ بھی تھا کہ گلہ بان یا مویشی چرانیوالے کیلئے خیمہ کے بالعوض ایک چوبی جھونپڑی ڈالدی تھی۔ اور کاشتکار کو اجازت تھی کہ گاؤں کے اندر ایک گھر بنالے اور اسمیں مستقل طور پر سکونت رکھے۔ اسکو یہ بھی اجازت تھی کہ اپنے مکان کے قریب باڑھ باندھ کر ایک مختصر سا باغیچہ یا چراگاہی احاطہ بنالے اور اوس سے اوس کے خاندان والے اور گھریلو جانور متمتع ہوں مگر اپنی زمین کا زیادہ تر حصہ (اگر یہ الفاظ استعمال کئے جاسکتے ہوں) اوسے صرف جوتنا بونا اور کاٹنا ہی نہیں پڑتا تھا

بلکہ مقررہ دستور العمل کے مطابق معینہ اوقات پر جوتنا بونا کاٹنا پڑتا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اوس کے ساتھی گاؤں والے شکایت کرتے مثلاً اگر وہ اس امر کی کوشش کرتا کہ اپنے قطعات اراضی میں بھیڑ بکری اور مویشی رکھے تو اوس کی وجہ سے دوسروں کی فصلیں برباد ہو جاتیں۔ علاوہ ازیں برادری کے وہ لوگ بھی اوس سے جلنے لگتے جو اب تک کشادہ چراگاہوں کے خواہاں تھے اور جو کاشتکاری کے جدید رواج کو بنگاہ نفرت دیکھتے تھے۔ دنیا کی تاریخ ان تنازعات سے بھری پڑی ہے۔ رومتہ الکبریٰ کے قدیم زمانہ میں امرا وغربا بھی سرکاری زمینوں پر یونہی لڑا کرتے تھے۔ اور زمانہ حال میں بھی آسٹریلیا میں شبانوں اور کاشتکاروں میں اسی بات پر جنگ و جدل ہوئی تھی۔

زمین علٰحدہ نہیں کیجا سکتی تھی

پھر دیکھیے کہ اگرچہ کاشتکار کے پاس مکان اور زمین ہوتی تھی مگر وہ اوسکو فروخت نہیں کر سکتا تھا۔ ازمنۂ قدیمہ میں زراعتی گاؤں ایک لگی لپٹی چیز ہوتی تھی۔ کوئی غیر آدمی کم از کم تمام گاؤں کی متفقہ رائے کے بغیر گاؤں میں قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ اہل برادری زمین ”خریدنا“ نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ اونکو زمین مفت مل سکتی تھی۔

مملکت کا عمل و دخل

مگر ”مملکت“ نے وجود میں آتے ہی معاشی اثرات کی شرکت سے، حق ملکیت کے ارتقا کا آخری درجہ پورا کر دیا۔ کہا جاسکتا ہے کہ اوسکی حکمت عملی کے نتائج دوگانہ تھے۔ اوس نے ”طبقۂ زمینداران“ کو پورا کیا اور ”جماعت دیہی“ کو معدوم کر دیا۔

۱۔ طبقۂ زمینداران

ہم دیکھ چکے ہیں کہ مملکت کی قدیم کارروائیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اوس نے اپنے علاقہ کے مختلف اقطاع میں اپنے نمایندے قائم کر دیے تھے تاکہ مالگذاری وصول کریں، فوجی بھرتی کریں اور امن وامان قائم رکھیں۔ ہم یہ بھی کافی یقین رکھ سکتے ہیں کہ جسوقت مملکت اپنے نمایندگان کا تقرر عمل میں لا رہی تھی اوسوقت اوس کا صاف خیال یہ نہیں تھا کہ جو اضلاع وہ اپنے نمایندگان کو سپرد کر رہی ہے اونپر مالکیت قائم کر لی جائیگی۔ مثلاً اگر حکومت کی طرف سے کسی شخص کو کسی ضلع یا کسی قسمت کا عامل بنایا جاتا ہے تو وہ اس شخص کو اوس ضلع یا قسمت کی زمین کا مالک نہیں بنا دیتی۔ قدیم زمانہ کی اصطلاح میں مملکت کیطرف سے زمینداری دیجاتی تھی زمین پر ملکیت نہیں دیجاتی تھی:۔

وراثت

مگر یہی تعلقہ داری آخر کار ہوتے ہوتے ملکیت بنگئی۔ اول اول تو مملکت کا نائب برادری یا قبیلے کا سردار ہوا کرتا تھا یا اوسکا نمایندہ ہوتا تھا۔ مگر

شیخ قبیلہ یا برادری کے سرگروہ کا منصب موروثی ہوتا تھا۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ زمینداری بھی اسی طرح موروثی ہوگئی۔ اسی طرح تاج وتخت بھی موروثی ہوگیا تھا۔ یہ فی الحقیقت جاگیرداری کے نظام کی ایک نمایاں خصوصیت تھی۔ لیکن جو منصب بطور وراثت حاصل کیا جاسکے وہ بہت جلد ملکیت بنجاتا ہے

لگان یا مالگزاری

دوسرے یہ کہ نائب السلطنت کو اپنے منصب کے بالعوض کچھ رقم پیش کرنی پڑتی تھی۔ اگر وہ نہیں کرتا تھا تو اوس کی زمینداری لے لیجاتی تھی اور دوسرے کو دیدیجاتی تھی۔ جن ممالک کا انتظام عمدہ تھا اون میں وہ رقم جو ادا کرنی پڑتی تھی معتدبہ اور معین ہوتی تھی۔ اور اسی واقعہ سے ایسا اثر پڑا کہ اوس کی ابتدا تاریکی میں جا پڑی۔ چند پشت کے بعد نائب اپنے علاقے میں ایک معینہ رقم کے بالعوض اپنی ملکیت قائم کرلیتا تھا۔

منافع

تیسرے یہ کہ نائب السلطنت کو یہ منصب اسواسطے دیا جاتا تھا کہ وہ اس سے منافع حاصل کرے، یہ مفید طریقہ کہ سرکاری عہدہ داروں کو معینہ تنخواہیں دیجائیں اور اون سے تمام وصولیابیوں کا سختی سے حساب لیا جائے، زمانۂ حال کی ایجاد ہے اور ابھی تک متمدن ومہذب ممالک میں بھی نامکمل ہے۔ مملکت کے اوائل ایام میں عام رواج یہ تھا کہ عہدہ دار سرکاری سے ایک مقررہ رقم پر معاملہ کرلیتے تھے۔ اور وہ وصول شدہ زرمیں سے بچت کا روپیہ اپنے پاس رکھتا تھا۔ یہ گویا سرکاری عہدہ دار کیلئے ایک براہ راست ترغیب تھی کہ جن لوگوں پر وہ حاکم کیا گیا ہے۔ اون سے وہ مطالبات کا اضافہ کرتا رہے۔ اور یہ بھی ایک وجہ تھی کہ وہ اس ضلع کو اپنا ہی سمجھنے لگتا تھا:۔

زمین

چوتھے یہ بات فراموش نہ کردینی چاہئیے کہ قریب قریب ہر چیز جو زمانۂ قدیم میں محصولات کی صورت میں آتی تھی وہ براہ راست کاشتکاری کے منافع سے ہوتی تھی۔ بالفاظ دیگر وہ براہ راست زمین سے آتی تھی۔ لہذا یہ قدرتی امر تھا کہ نائب السلطنت اپنی رعایا کی اراضی کو اوس لگان کی کافی ضمانت سمجھتا جو وہ ان سے وصول کرنا چاہتا تھا۔ اور جوں جوں آبادی بڑھتی گئی اور زمین کی قیمت میں اضافہ ہوگیا اس سے دو اہم نتیجہ نکلے۔ اول یہ کہ تعلقہ دار کو اس سے کافی ترغیب ہونے لگی کہ جو کاشتکار اپنا لگان ادا نہ کرے اوس کو بیدخل کردے۔ دوسرے یہ کہ اوس کی طبیعت اس بات کی طرف بھی مائل ہوئی کہ لوگوں کو نئی زمین توڑنے اور جوتنے کی رغبت دلائے کیونکہ اس سے لگان زیادہ وصول ہوتا تھا۔ یہ جدید مزرعے تعلقہ دار کی مرضی سے اوسی کے ضلع کی حدود میں رونما ہوتے تھے۔ ان

کارروائیوں اور اراضی کے ردوبدل سے تعلقہ وار خود اپنے آپکو اور دیگر لوگ تعلقہ دار کو ضلع کا مالک سمجھنے لگے۔ الغرض قدیم زمانہ کا تعلقہ دار زمانۂ حال کا زمیندار ہوگیا ہے سطحی نظر ڈالنے سے ممکن ہے ہم یہ کہیں کہ اس سے کوئی بڑا تغیر واقع نہیں ہوا اور یہ کہ فی الحقیقت وہی پرانے لفظ یعنی "آقا" "ماتحت" اور "خراج" بدلکر "زمیندار" "مزارع" اور "لگان" ہوگئے ہیں۔ لیکن لمحہ بھر تامل کرکے اگر غور کیا جائے تو ظاہر ہو جائیگا۔ کہ یہ مغالطہ ہے۔ کیونکہ اس میں فرض کیا گیا ہے کہ "زمین کی ہمیشہ قیمت وہی ہے" حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ زمین کی قیمت اضافۂ آبادی کیساتھ ساتھ بالاستقلال بڑھتی چلی جاتی ہے یا بالفاظ دیگر جسقدر زمین کی پیداوار کا مطالبہ بڑھتا جاتا ہے اوسیقدر اوسکی قدر و قیمت بڑھتی جاتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "اضافۂ قیمت کو کون لیگا" یا جیسا کہ اکثر کہا جاتا ہے "صفت کی ترقی" (Unearned increment) کا مالک کون ہے؟ فرض کیجئے کہ تیرھویں صدی میں ایک ایکڑ کی سالانہ کل پیداوار ا ہے۔ اور فرض کیجئے کہ اسکا پیداوار میں سے ب کی مقدار سلطنت کو بطور خراج چلی جاتی ہے۔ اور ج کی مقدار زمیندار لے لیتا ہے۔ (یہ وہ بچت ہے جو سلطنت کو ادا کر دینے کے بعد پس انداز ہوتی ہے) اور د کی مقدار کاشتکار کے پاس رہجاتی ہے۔ اور فرض کیجئے ب - ج - د مساوی ہیں ا کے۔ اب ایک سو برس کا زمانہ طے کرکے آگے بڑھ آئیے۔ اب اوسی ایک ایکڑ کی جسقدر پیداوار تھی اوس کی قیمت غالباً پانچ گنا زیادہ ہوگئی ہوگی ترقی یافتہ کاشتکاری کے طریقوں سے اوس کی پیداوار بہت زیادہ ہوگئی ہو یا ممکن ہے کہ اوس کی تہ کے نیچے کوئلہ کے طبقات نکل آئے ہوں، یا اوس قطعہ میں کوئی تعمیر بنانیکی ضرورت ہوئی ہو یا کوئی قیمتی پانی کا چشمہ اوس میں سے نکل آیا ہو۔ اب یہ اضافۂ قیمت کسکی جیب میں جاتا ہے؟ اب عام طور پر تمام دنیا میں اگر دیکھا جائے تو یہ تمام اضافہ "مالکان زمین" کی جیب میں گیا ہے جو زمین کو اپنی ملکیت بنا لینے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ عام طور پر اونھوں نے مملکت کو اوس رقم میں اضافہ کرنے نہیں دیا جو اونکو مملکت کے خزانہ میں داخل کرنا پڑتی ہے۔ اور ایسے واقعات بہت کم ہیں کہ اونکے مزارعین نے خود اونکو اضافہ لگان کرکے بڑھا ہوا

لگان یا مالگزاری لگانے نہیں دیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایکطرف تو مملکت اور دوسری طرف کاشتکار یا فرارع نے زمین کی قیمت میں اضافہ ہو جانے سے بہت کم فائدہ حاصل کیا ہے اور درمیانی شخص یعنی براہ راست "مالک زمین" یا "زمیندار"، بیحد دولتمند ہو گیا ہے۔ خصوصاً اون ممالک میں جہاں ترقی سب سے زیادہ ہوئی ہے۔ تمام سیاسی خدمات میں "زمینداری" ہی وہ چیز ہے جسکو شاندار معاوضہ ملا ہے۔ وہ طبقہ جو ابتدا میں مالگزاری وصول کرنیوالا اور مقامی امن وامان قائم رکھنے والا تھا اب زمین کا مالک بن بیٹھا ہے۔ اور اب لاکھوں کروروں نفوس کا راحت وآرام اونکے ہاتھ میں ہے۔ صنعت وحرفت کے قدیم مرکزوں میں زمیندار کی حیثیت کم نمایاں ہے اسوجہ سے کہ وہاں پُرانی مالگذاری کا بار شہر کے طبقات پر وزن کم پڑا ہے اور اونکی زندگی کسی خاص قطعۂ اراضی پر کم منحصر تھی پھر بھی بازاروں میں بیش قیمت حقوق کا وجود، محصول، قصبات میں دیگر حقوق جو بڑے زمینداروں کے ہاتھ میں ہیں، اس امر کو ظاہر کرتے ہیں کہ معاملات قصبات میں بھی قریب قریب ویسے ہی تھے جیسے دیہات میں۔ اگرچہ مواقع کم تھے۔ ملکیت زمین کا رواج ترقی پذیر ہو جانیکے بعد سے جن مقامات میں قصبات کو نشو ونما ہوئی ہے تو وہ منافع جو اون مالکان زمین نے اوٹھایا جنکے قبضہ میں مکانات اور تعمیرات کی زمین تھی، واقعی بیش قرار ہوا ہے۔

۲۔ جماعت دیہی کا انتشار

یہ خیال کرنا غالباً غلط ہوگا کہ اعیانیت کا رفتہ رفتہ زمینداری کی صورت اختیار کر لینا محض ملکیت اراضی کے دستور سے ہوا ہے اس سے تو صرف بڑے بڑے مالکان اراضی کا حال معلوم ہوتا ہے، مگر اُنکے علاوہ چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی بھی ہیں۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ اوائل زمانہ کاشتکاری کا معمولی گاؤں والا ایک معنی میں زمیندار بھی تھا۔ یعنی اکثر صورتوں میں جب تک وہ گاؤں کے رسم ورواج کا پابند رہتا، جبتک وہ بصورت زر یا محنت گاؤں کی ذمہ واریوں میں بقدر اپنے حصہ کے شرکت کرتا (یعنے لگان وغیرہ ادا کرتا) اور جب تک وہ اوس گاؤں کے رسوم کا پابند ہوتا، اوس کو زمین سے بیدخل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اوس کو وہ دوزبردست حق حاصل نہیں تھے جو فی زمانہ ہر مالک اراضی اپنا معمولی اختیار شمار کرتا ہے، یعنی خواہ

اپنے حقوق کو بیع یا ہبہ کردے یا اپنے قطعۂ اراضی کو جسطرح چاہے مصرف میں لائے۔ ان دو عنوانوں کے ماتحت ہم "جماعت دیہی کے انتشار" پر غور کرسکتے ہیں:۔

۱۔ انتقال حقوق

ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے قیام کے اوائل ہی سے مملکت نے جماعت دیہی سے پسندیدگی کا اظہار نہیں کیا۔ مملکت کی فوجی خصوصیات کا میلان یہ ہے کہ وہ شخصوں سے معاملہ کرے نہ کہ جماعتوں سے چنانچہ وہ پسند کرتی ہے کہ گاؤں کیساتھ صرف ایک شخص واحد یعنی زمیندار کے ذریعہ سے تعلق رکھے۔ اور جہاں وہ جماعت دیہی کے وجود کو تسلیم کرتی ہے تو وہ اوس کیساتھ اپنے نمایندہ کے توسط سے معاملہ کرتی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم بادشاہوں کے دلوں میں یہ اندیشہ تھا کہ گاؤں کی برادری کا وجود ایک صورت میں اون کی حکومت کے لئے باعث خطرہ ہے۔ قدیم بربری قوانین میں ایسی دفعات موجود ہیں۔ جن میں بادشاہوں نے حکم دیا تھا کہ ایک گاؤں کو خود باشندگان کو سزا دینے کا اختیار نہ ہوگا۔ قدیم بادشاہوں نے اپنے ایک اور اختیار پر اصرار کیا ہے اور وہ یہ کہ جو شخص ایک شاہی "پروانہ" لائے گا اسی کو گاؤں میں زمین لینے کی اجازت حاصل ہوگی۔ قدیم زمانہ میں اگر ایسا ہوتا تھا تو کسی قسم کی ظاہری تکلیف نہیں ہوتی تھی اس لئے کہ زمین وافر تھی۔ اور ہر گاؤں کے کنارہ پر افتادہ اراضی پڑی ہوتی تھی۔ مگر گاؤں والے اس بات کو نفرت وحقارت سے دیکھتے تھے۔ ممکن تھا کہ نووارد بھیس بدلے ہوئے کوئی جاسوس ہو اور کسی حد تک گاؤں کو اوس کی حرکتوں کیوجہ سے زیر بار ہونا پڑے اور ممکن ہے کہ فن زراعت میں اوس کے رنگ ڈھنگ مختلف ہوں۔ مگر بادشاہ اپنی بات منوا کر ہی چھوڑتے تھے۔

بیع وشریٰ

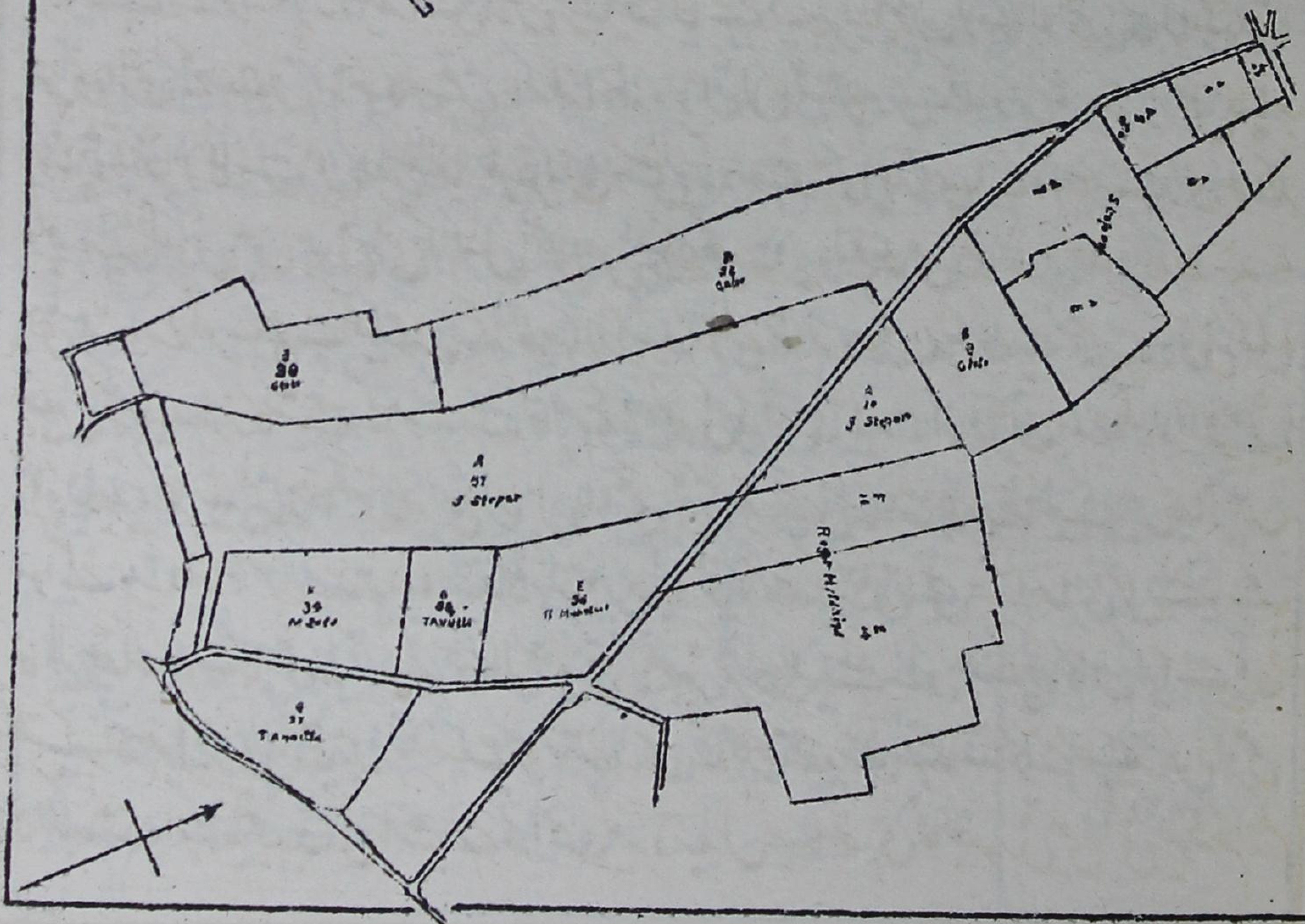
اس معاملہ میں ایک قدم اور بڑھا اور وہ اوسوقت جبکہ مملکت نے اراضی دیہہ کی خرید فروخت کو تسلیم کرنا شروع کردیا، کم از کم اوس زمین کو جو برابر والوں کے ہاتھ فروخت کیجاتی تھی۔ یہ امر باور کرنے کے کافی وجوہ ہیں کہ خود گاؤں کے اندر بھی ایک قسم کا ئل عرصہ سے ہوتا رہتا تھا جس کے ذریعہ سے کئی کئی قطعات اراضی شخص واحد کے ہاتھ میں آجاتے تھے مگر اجنبی کے ہاتھ اراضی کا فروخت کرنا بہت عرصہ سے منع تھا اور اگر اوسکا حق قائم بھی ہوتا تھا تو بہت کچھ جھگڑے کے بعد اس معاملہ میں مملکت کا سب سے بڑا حلیف کلیسا تھا جسکو اگرچہ نظام دیہہ کے اندر ہی بہت کچھ حاصل تھا یعنی اوس کے لئے عشر کا دستور قائم کردیا گیا تھا مگر پھر بھی وہ بطور وقف حاصل کرتے کرتے بڑے بڑے رقبے اراضی کے حاصل کرنیمیں کامیاب ہوگیا تھا خصوصاً بذریعہ وصیت نامونکے زمین چھوڑ دینے کا جو رواج بہت جلد ترقی پاگیا اوس کا ذمہ دار کلیسا ہی تھا اگرچہ یہ ایجاد اوس نے نہیں کی تھی۔ اور یہی رواج تھا جس نے اون تعلقات رشتہ داری کو توڑنے میں زیادہ حصہ لیا جن پر

نظام دیہی کا خاص طور پر انحصار تھا۔ آخر میں مملکت نے قانوناً جماعت دیہی کا خاتمہ ہی کر دیا اور قانون بنا دیا کہ قرضدار کی زمین قرضخواہ اپنے مطالبہ کے بالعوض لے سکتا ہے۔ غالباً بادی النظر میں جسقدر یہ عمل قدیم قبائلی اصول کے خلاف نظر آتا ہے اسقدر فی الواقع نہیں تھا۔ ان اصول کے بموجب، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، کسی شخص کے قصوروں کا ذمہ دار اوسکا خاندان بھی ہوتا تھا اور اس زمانہ میں جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں قرضہ زیادہ تر اوسوقت ہوتا تھا جب کوئی شخص خون بہا ادا نہیں کر سکتا تھا۔ مگر قدیم قاعدہ یہ تھا کہ قرض اگر بالمال ادا نہو تو وہ اپنی محنت کے ذریعہ سے ادا کیا جائے اسطرح سے اوس کی زمین برادری سے علیحدہ نہیں ہوتی تھی۔ ان باتوں کی قطعی قلب ماہیت کر دینے سے، یعنی قرضخواہ کو قرضدار کی زمین پر حق تصرف دیدینے سے، سلطنت نے گاؤں کی جماعتی نوعیت پر ایک آخری ضرب لگا دی تھی۔

(ب) احاطہ بندی

جماعت دیہی کے انہدام نے ظاہری صورت کھلے کھیتوں کی احاطہ بندی میں اختیار کر لی۔ جب تک گاؤں والوں کی زمینیں کھلے کھیتوں کی صورت میں باہر پڑی ہوئی تھیں اوسوقت تک، کم از کم بظاہر اور کسی حد تک عملاً گاؤں کے اندر جماعت کا وجود تھا۔ ممکن ہے کہ اقطاع اراضی کا ردوبدل تغیر و تبدل عرصہ سے موقوف ہو گیا ہو مگر خود مختارانہ اور آزادانہ کاشت ابھی تک محال تھی۔ ایک شخص جس کے پچاس ساٹھ زمین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اپنے ہمسایہ کی زمینوں کیساتھ ملے ہوئے پڑے ہوں تو وہ نہ تو تجربات کر سکتا تھا نہ اپنی مرضی کے مطابق اونکو کام میں لا سکتا تھا۔ اوس کو کاشتکاری کے اوسی دستور العمل کا پابند ہونا پڑتا تھا جو گاؤں میں رائج تھا۔ مگر قرون وسطیٰ کے اواخر میں یوروپ کے اندر بحث آ پڑی جو اکثر دلچسپ نظموں میں ہوتی تھی، بعض اشخاص "کھلے کھیتوں" کے حامی تھے اور "بعض احاطہ بند" یعنی باڑھ سے گھرے ہوئے کھیتوں کے۔ مقدم الذکر پرانا طریقہ تھا اور موخر الذکر جدید۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جدید طرز کاشت کے مویدوں کو اپنے طریقہ کی فوقیت ثابت کرنے میں بہت کم دقت پیش آئی۔ جدید طریقہ میں جفاکش غرابع کاہل ساتھی کی سستی سے بچتا تھا جو اپنے کھیت میں جھاڑیاں اوگنے دیتا تھا، اس سے حوصلہ مند کاشتکار جدید تجربات کرنیکے قابل ہوتا تھا۔ اس سے وہ اس قابل تھا کہ بجائے کاشت کرنیکے اپنی اراضی میں بھیڑ بکری چرا سکے۔ اور اسطرح اوس کو محنت بچ جاتی تھی کیونکہ بھیڑ بکری پالنے میں بہ نسبت کاشتکاری کے کم محنت پڑتی ہے۔ آخر نئے طریقہ کے حامی غالب آئے اور یہ تعجب کی بات ہے کہ اس تغیر و تبدل کیساتھ ہی خوبصورتی بھی آئی کیونکہ کم از کم

انگلستان کے اندر خوبصورت اور سرسبز باڑھوں کا وجود جو دیہات کے لئے مایۂ ناز ہے محض جدید طریقہ
کا نتیجہ ہے۔ بجائے اس کے کہ بہت سے چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی قبضہ میں ہوتے۔ کسان کے پاس
اوسیقدر رقبہ ایک ہی قطعہ اراضی کا ہو گیا۔ جسکو وہ جس طریقہ سے چاہے کام میں لا سکتا تھا۔



مگر اس تغیر و تبدل سے جماعت دیہی کا خاتمہ یا قریب قریب خاتمہ ہوگیا۔ مگر لوگوں کے قبضہ میں اعلیٰ درجہ کی ذاتی زرعی جائداد آگئی۔ کیونکہ جب یہ طریقہ رواج پذیر ہوگیا تو گاؤں کے منتشر افراد، بشرطیکہ اونھوں نے گاؤں کے تعلقات اور پرانے زمیندار کے اثر کو دور نہ کردیا ہو (جو بہت کم ہوتا تھا) ایک بڑے زمیندار کے علیحدہ علیحدہ مزارع ہوگئے جس کے ساتھ اون کے آئندہ تعلقات ہوتے ہیں، اور وہ ایک دوسرے کے تحفظ میں قوی ہوگئے جو اون میں سب سے زیادہ مالدار تھا اوس نے اونکو ایک اور راستہ دکھلایا۔ یعنی خاص گاؤں سے علیحدہ ہوکر خود اپنے گشت زار میں جاکر مکان بنالیا۔ اور وہیں رہنے لگا۔ اب گاؤں گھٹتے گھٹتے صرف جھونپڑی والوں کی بستی رہگیا۔ مزارعین کے پرانے مکانات تباہ و برباد ہوگئے یا لوگوں نے تقسیم کرنے مختلف طبقات میں نمایاں فرق ہوگیا۔ زراعتی مزدوروں کی حیثیت گاؤں والے سے گرتے گرتے محض جھتیوں کی رہگئی اور اون کا اراضیات سے کچھ تعلق نہ رہا۔ اب صرف افتادہ اراضی یا مشترکہ چراگاہ باقی رہگئی جس سے گاؤں کی قدیم نوعیت کا اظہار ہوتا تھا۔ بعد میں آگر یہ چراگاہیں بھی جاتی رہیں۔ اور اب گاؤں لوگوں کی ذاتی کارروائیوں کا میدان رہگیا ہے یعنی ایسی جگہ ہوگیا ہے جہاں ہر شخص "اپنی چیز کا جو جی میں آئے کرے"۔

یہ ایک طولانی اور دقت طلب قصہ تھا جو ہمنے بیان کیا ہے مگر کوئی شخص جس نے "ملکیت" کے دستور کا بذات خاص مطالعہ کیا ہے، یہ ہرگز نہیں کہیگا کہ اس کا بیان کرنا کچھ آسان کام ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ کم از کم دو باتوں کی تو پورے طور پر تشریح کردگئی ہے ایک تو یہ کہ "ملکیت" کا دستور، جیسا کہ بحالت موجودہ ہے۔ کوئی ایسی ایجاد نہیں ہے جو دفعتاً وجود میں آگئی ہو۔ اور جس کو کوئی فصیح و بلیغ مقرر "دو لفظوں" میں بیان کردے۔ برعکس ازیں یہ نتیجہ ہے ایک دراز تاریخی سلسلۂ علل کا، جس میں ہر علت نتیجہ سے کوئی نہ کوئی تعلق رکھتی ہے۔ پیشتر جو مدات ہمنے قائم کی تھیں یعنی تمتع، پیداوار، قبضہ، تبادلہ، اوسمیں ہمکو چاہیے کہ اب زمین واری، محاصل، اور اقتصادی ترقی کی مدات بھی شامل کردیں۔ انمیں ہر ایک مد ادارۂ "ملکیت" کے قائم کرنمیں کچھ نہ کچھ حصہ رکھتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگرچہ اسباب طبیعی یا قدرتی نے اس نتیجہ کو ظہور میں لانیکے لئے بہت کچھ کام کیا ہے مگر سب سے زیادہ طاقتور ہاتھ اس کام میں اوس خاص صورت ائتلاف کا رہا ہے جس کو ہم "مملکت" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

باب ۱۱

مملکت اور عدل

ہم عدل گستری کو مملکت کے ایک ناگزیر فرض کی حیثیت سے دیکھنے کے اسقدر عادی ہو گئے ہیں کہ یہ بات معلوم کرنیکے لئے یہ صورت حالات بھی زمانۂ حال کی ملکی تنظیم کیطرح ارتقائے تاریخی کا نتیجہ ہے، بہت سخت کوشش کی ضرورت پڑتی ہے۔ آجکل عدل و انصاف (وسیع معنی میں) انگلستان کے اندر صاحب تخت و تاج یعنی بادشاہ کے نام سے کیا جاتا ہے۔ مگر ہمیشہ یہی بات نہ تھی۔

عدل کے متعلق قدیم خیالات

ہم پیشتر دیکھ چکے ہیں کہ عدل کا اولیں تخیل "انتقام" یا "بدلہ" میں مضمر تھا۔ جہانتک شخصی خطا و قصور کا تعلق تھا قدیم طرز عدالت انتقامی جنگ تھا۔ اگر کوئی جرم اسقدر سنگین ہوتا تھا کہ اوس سے جماعت کے اخلاق و عزت پر بٹہ لگتا تھا تو اوسکا صرف ایک ہی علاج تھا۔ اور وہ یہ کہ خود جماعت مجرم کو خارج از ملت کر دیتی تھی۔

ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ اس معاملہ میں نرمی کا اولین قدم یہ تھا کہ بجائے انتقام کے "خون بہا" مقرر کر دیا گیا۔ قدیم ترین جرائم قریب قریب سب کے سب (تشدد) کے ہوتے تھے۔ لہذا اونکا علاج ظاہر اور قدرتی تھا۔ جب "حق ملکیت" کا رواج ترقی پکڑ گیا تو "سرقہ" ایک سخت جرم قرار دیا گیا اور اسکا قدرتی علاج "واپسی مال مسروقہ" مقرر کیا گیا۔ اور یہ واقعہ انتقام کی برائیوں سے مدد پاکر "ادائی قیمت" کی صورت میں قائم ہو گیا۔ جیسا ہم پہلے کہہ چکے ہیں قدیم آئین و قوانین میں "جرمانوں" کے طولانی نقشے ملتے ہیں جنمیں خاص خاص جرائم کے لئے خاص رقوم تھیں۔

مستند عدالتوں کی عدم موجودگی

مگر یہ امر ظاہر کرنا باقی ہے کہ آبائی معاشرہ میں کوئی ایسا کامل اختیار موجود نہیں تھا جو "ادائی جرمانہ" کے طریقہ کو پورے طور پر نافذ کر سکے۔ یہ ایک "رضا کارانہ" طریقہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

برادری یا قبیلہ کے بزرگ فریقین کو ترغیب دیا کرتے تھے کہ وہ جرمانہ قبول اور ادا کردیا جائے جو اونھوں نے کسی خاص جرم کے متعلق مقرر کیا ہے - لیکن اگر اونکے رغبت دلانیسے مقصد حاصل نہیں ہوتا تھا تو فریقین کے لئے آخری چارۂ کار انتقامی جنگ رہجاتا تھا یقصور کیجیئے کہ زمانہ حال میں کوئی عادل "زید سے کہہ رہا ہے کہ میاں جانے بھی دو - راضی نامہ کرلو اور معاملہ کو رفع دفع کرو"، لیکن فریق مظلوم نہیں مانتا تو مجبور ہو کر عادل صاحب فریقین کو چھوڑ دیتے ہیں کہ "بھئی تمہاری خوشی اچھالڑ بھڑ کر فیصلہ کرلو" اگرچہ عادل کا یہ طرز عمل ہمکو عجیب معلوم ہوتا ہے مگر یہ قدیم آبائی معاشرہ کے طریقہ انصاف کے بالکل مطابق ہے -

جرائم عامہ پر اس طریقہ کا اطلاق نہیں ہوتا تھا -

یہ بھی ظاہر ہونا چاہئے کہ "جرمانہ" کا طریقہ "جرائم عامہ" پر عائد نہیں ہوتا تھا یہ ایسے جرائم سنگین شمار کیئے جاتے تھے کہ اونکے لئے کوئی معاوضہ یا تدارک ہی نہیں ہوسکتا تھا جب اوس قسم کے جرائم کا ارتکاب ہوتا تھا تو تمام جماعت کا غصہ بھڑک اوٹھتا تھا چاروں طرف سے شور و غل مچتا تھا اور مجرم کو جماعت سے نکالدیا جاتا تھا - جرائم کے درمیان یہ فرق نہایت اہم اور معنی خیز ہے کیونکہ یہ تخم تھا جرائم قابل دست اندازی کا یعنی جنہیں حکومت ملزم پر مقدمہ چلائے اور محض قانونی نافرمانی ناقابل دست اندازی کا یعنی جنہیں فریق شاکی عدالت کے سامنے مقدمہ دائر کرے -

خیال انتقام کا اثر مابعد

وہ اساسی خیال کہ کسی شخص کی ذات کے خلاف اگر کوئی جرم کیا جاتا تھا تو اوسکو حق انتقام حاصل ہوجاتا تھا بشرطیکہ فریقین صلح کر کے قسما دھرمی نہ کرلیں، آبائی طرز معاشرت کے اواخر ایام تک قائم رہا بلکہ سیاسی طرز معاشرت تک بھی پہونچگیا - اوسکے عجیب و غریب آثار میں سے ایک وہ حق انتقام تھا - جو تاجر لوگ اواخر قرون وسطی تک کام میں لاتے تھے - مثلاً اگر کوئی بمبئی کا سوداگر کسی کلکتہ والے سوداگر کا قرضہ ادا نہیں کرتا تھا تو کلکتہ کے "تاجر"، انجمن تجار کے اراکین کسی دوسرے بمبئی والے سوداگر کا مال ضبط کرلیا کرتے تھے جو بدقسمتی سے اوسوقت کلکتہ میں ہوتا تھا - نظام "جاگیری" میں رسم انتقامی جنگ کی ایک ذریت "فیصلہ بذریعہ جنگ" رہگیا تھا اور یہ اوسوقت تک قائم رہا جب تک خود "نظام - جاگیری" ہی معدوم نہیں ہوگیا -

مملکت کی کارروائی

مگر اون جرائم کے بارہ میں جنکے لئے کوئی جرمانہ ہی کفارہ نہیں ہوسکتا تھا، مملکت نے اپنا اثر بہت جلد دکھلانا شروع کردیا - گمان غالب ہے کہ پرانی جماعتی سزا (یعنی خارج از ملت کردینا) زیادہ سختی کیساتھ قائم نہیں کیجاتی تھی

مثل مشہور ہے کہ جو بات ہر ایک سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی سے بھی تعلق نہیں رکھتی - اور یہی وجہ ہے کہ بہت سے سنگین جرائم کے مرتکب صاف بچ جاتے تھے - لیکن اگر جماعتی سزا دی بھی جاتی تو اوس سے مملکت کو کیا فائدہ متصور تھا؟ مملکت اپنی رعایا کے افراد کو ضائع کرنا نہیں چاہتی تھی خواہ وہ مجرم ہی کیوں نہوں - چونکہ وہ جماعت کے ہتھ چھٹ افراد تھے اسلیئے ممکن ہے کہ وہ اچھے سپاہی بن سکتے ہوں - لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ مملکت نے ان جلاوطن شدہ اشخاص کو جیساکہ ملک سویڈن کا قانون بتاتا ہے معافی دینی شروع کردی اور محض سزا دہی یا تعزیر پر اکتفا کی - سرکاری عہدہ دار کے کہنے سے چیخ پکار مچائی جاتی تھی - اور جب ملزم گرفتار ہو جاتا تھا تو اوسکو سزا دیکر چھوڑ دیا جاتا تھا - قرون وسطیٰ میں یہ طریقۂ تعزیر "جلاوطنی" سے موسوم ہونے لگا اور مملکت کے نزدیک بہت مرغوب ہو گیا کیونکہ اس طریقہ میں ملزم کی تمام جائداد و مال بحق سرکار ضبط ہو جاتا تھا -

شاہی امن و امان

مگر ایک دوسرے خیال کے نشو و نما پا جانیسے عدل شاہی کو اور بھی تقویت حاصل ہو گئی یعنی "شاہی امن و امان" کے خیال سے یہ امر فطری تھا کہ ایک جنگجو فرمان روا ہر ایسی چیز کو جس سے "نقض امن یا تشدد" ہوتا ہو بنگاہ نفرت دیکھے - لہذا مملکت کیطرف سے یہ اصول قائم کیا گیا "کہ کسی شخص کے جسم و جان کے برخلاف جرائم" "جرائم خلاف مملکت" شمار کئے جائینگے - یا جیسے فی زمانا الفاظ قانونی میں ظاہر کیا گیا ہے "امن و امان شاہی کے خلاف" اور جو شخص جرم خلاف مملکت کا ارتکاب کرے - اوسکو سزا کا خیال ہونا چاہیئے - اسی خیال کے سلسلہ میں "مامن" یا "جائے پناہ" کا رواج رونما ہوا جس سے قدیم زمانہ میں سزاؤں کے اندر اسقدر اصلاح ہو گئی - مثلاً کسی شخص کے ہاتھ سے اتفاقاً کوئی آدمی مر گیا - اس بات سے ڈر کر کہ مقتول کے رشتہ دار اوس سے خواہاں قصاص ہونگے - وہ قریب ترین معبد یا عبادتگاہ میں پناہ لے لیتا ہے اور اوسکے منتظم سے پناہ مانگتا ہے - یہ طریقہ توریت میں تفصیل کیساتھ بیان کیا گیا ہے (کتاب اعداد باب ۳۵ - و یوشع بنی باب ۲۰) اور چونکہ اسکے ذریعہ سے اتفاقاً اور عمداً ضرر رسانی مین امتیاز ہوتا ہے اسلئے یہ مسئلہ بہت مہتم بالشان ہے - یہودیوں کے یہاں "مامن" یا "جائے پناہ" معبد کے کاہن کے سپرد ہوتی تھی - اور قرون وسطیٰ کی تاریخ میں بھی رسم "انتقامی جنگ" کو

دبانیکے لئے "کلیسا میں پناہ لینے" کا طریقہ بہت ہی کام آیا۔ مگر آخر میں "امن وامان شاہی" کا اثر بیحد بڑھ گیا کیونکہ مملکت سب سے زیادہ طاقتور قوت تھی۔ اسی خیال کی ایک جدید صورت ایران میں ظاہر ہوئی ہے۔ جہاں تار برقی کے اجراء کی وجہ سے ایک سائل نے بہت فاصلہ سے شاہ ایران سے بغرض پناہ التجا کی۔ ہر شخص کو جو جوابی تار کے دام پہلے ہی داخل کردے شاہ کی خدمت میں عرض کرنیکا حق حاصل ہے جس شخص کو زد و کوب کا اندیشہ ہوتا ہے وہ سیدھا تار گھر کو چلا جاتا ہے اور وہاں جا کر شاہ کی خدمت میں اپیل ارسال کرتا ہے اور جواب کے انتظار میں وہیں بیٹھ جاتا ہے۔ چونکہ ایران میں تمام معاملات زائد از ضرورت غور وخوص کے بعد طے ہوتے ہیں اسلئے بیچارہ کو کئی کئی دن تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ مگر چونکہ تار کا دفتر شاہی ملکیت ہے اسلئے وہ "مامن" شمار کیا جاتا ہے۔ اور سائل جبتک وہاں رہتا ہے محفوظ رہتا ہے لہذا یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں کہ "پناہ گزینوں" کا ایک مختصر سا گروہ تار گھر میں پڑا نظر آتا ہے جسکو رشتہ دار خوراک پہونچاتے رہتے ہیں اور تار گھر کے احاطہ کے باہر اونکے "انتقام لینے والے" اشتیاق کیساتھ اونکا انتظار کرتے رہتے ہیں :۔

شاہی امن وامان کی وسعت

لیکن ایک ذرا سے غور وخوص کے بعد بہت سے جرائم کو "شاہی امن وامان" کے مفہوم میں شامل کر لینا بہت آسان ہے حالانکہ وہ جرائم فی الحقیقت کسی شخص کے جسم وجان کے خلاف نہیں ہیں۔ مثلاً جرم سرقہ جسمیں عموماً مضرت یا ضرر جسمانی نہیں ہوتا۔ اور ابتداءً اور نیز بہ لحاظ نوعیت افراد کے خلاف جرم تھا۔ مگر مملکت کا قول ہے کہ جرم سرقہ کا اقدام یا ارتکاب جوش انتقام پیدا کر سکتا ہے اور انتقام کے مفہوم میں "ضرر" شامل ہے۔ لہذا سرقہ اون جرائم میں داخل ہے جو خلاف مملکت ہیں جب مملکت کا مطالبہ پورا ہو جائے یعنی جب وہ ملزم کو کافی سزا دے چکے تو فریق ثانی کو اختیار رہے کہ ہرجانہ کی نالش کرے مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب حکومت کیطرف سے سزا دیجا چکتی ہے تو دوسرے کچھ نہیں کرتے۔ اس لئے سرقہ اور دیگر اسی قسم کے جرائم خالص معاملات فوجداری رہجاتے ہیں

غداری

تیسرے چونکہ مملکت ایک ادارہ فوجی بھی ہے اس لئے اوسکا رعایا کی اطاعت وفرمانبرداری سے خاص طور پر تعلق ہے۔

کوئی ایسا فعل جس سے اطاعت سے انحراف یا غداری ثابت ہوتی ہو، استحکام مملکت کے خلاف ایک براہ راست حملہ شمار کیا جاتا ہے۔ اور مملکت ایسے جرائم کی براہ راست سزا دیتی ہے۔ اسطرح قانون غداری کی ابتدا ہوئی۔ اور اگر ہم ایسے جرائم میں جو خصوصیت کیساتھ سنگین ہوں، غداری اور جرائم خلاف امن عامہ کو بھی شامل کرلیں تو ہمارے پاس پورا قانون فوجداری ہو جاتا ہے۔ کم از کم قدیم زمانہ کا قانون یعنی ہمارے پاس وہ قانون ہو جاتا ہے۔ جو خود سلطنت نافذ کرتی ہے اور جو اوس قانون سے مختلف ہے جو اشخاص ذاتی طور پر نافذ کرتے ہیں۔

مملکت اور شخصی یا ذاتی جرائم

پنچ کے خانگی مقدمات میں سرکار کا داخلہ تو بہت بعد کو ہوا ہے۔ اور مجلس بزرگاں اور سرکاری عدالت کے درمیان ہمکو ایک درمیانی درجہ بھی نظر آتا ہے۔ یہ جاگیردار کی عدالت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اصل عدالت کے قیام کی کچھ وجہ تو یہ ہوئی کہ اضلاع کے اندر مقامی امن و امان کا قیام مملکت نے اپنے نمایندگاں کو سپرد کر دیا تھا۔ اور زیادہ تر وجہ یہ ہوئی کہ جاگیردار نے قدیم رئیس قبیلہ کا منصب خود اختیار کر لیا جو مجلس بزرگاں کا صدر ہوا کرتا تھا۔ اس اوغام و ترکیب کا نتیجہ ایک سخت اور طاقتور عدالت میں منتج ہوا جو بالآخر مملکت کی رقیب بن بیٹھی۔ ایکطرف تو اسکی نوعیت فوجی تھی کیونکہ اسکا صدر اعظم سلطنت کا نمایندہ تھا اور اوسکے ماتحت کچھ نہ کچھ فوجی قوت ہوتی تھی۔ اسی لئے اوسکے لئے یہ بہت آسان تھا کہ تنازعات انتقامی کو بیخ و بنیاد سے اوکھاڑ کر پھینکدے اور فریقین کو مجبور کرے کہ اپنے قضیئے عدالت کے سامنے پیش کریں۔ اسکے بعد جب مقدمہ پیش ہو جاتا تھا تو مناسب تحقیقات کے بعد اگر فیصلہ محال ہوتا تھا تو اوسکا تصفیہ نہایت سخت شرائط کے ماتحت ایک آخری اور مختتم لڑائی سے کرا دیا جاتا تھا دوسری طرف یہ عدالت، آبائی معاشرتی نوعیت رکھتی تھی۔ کیونکہ اس میں مقدمات کا فیصلہ پرانے آبائی طریقوں سے کیا جایا کرتا تھا۔ اور اسمیں جاگیری علاقہ کے نواب کی اطاعت ضروری تھی۔ جو ایک بڑی حد تک برادری کے بزرگوں کے مشابہ سمجھے جا سکتے تھے۔ اس موقع پر ایک عام اور عجیب غلطی رائج ہو گئی ہے یعنی "فیصلہ بذریعہ اشخاص ہم رتبہ" کو لوگ "فیصلہ بذریعہ صاحبان جوری" سمجھنے لگے ہیں۔ موخرالذکر

کو اوس زمانہ کے لوگ شاہی افسروں کی ایک جدت سمجھکر بنگاہ نفرت دیکھتے تھے "فیصلہ بذریعۂ اشخاص ہم رتبہ" دراصل "اپنے ہی جاگیری علاقہ کے آدمیوں کا فیصلہ" تھا اور نظام جاگیری اس نئی شاہی دادرسی کے خلاف ہنگامہ آرا تھا۔ خانگی (دیخ کے) قانونی مقدمات میں کچھ عرصہ تک "عدالت جاگیری" کام کرتی رہی اور درحقیقت حاوی ہوگئی تھی۔ بلکہ فوجداری مقدمات میں بھی وہ کسیقدر شاہی اختیارات حاصل کرلینے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ مگر بادشاہوں نے مقدمات فوجداری کا فیصلہ سختی کیساتھ اپنے ہی ہاتھوں میں رکھا۔ اور ایسے مقدمات میں مقامی کام ماتحت عہدہ داروں کے ذریعہ سے لیتے رہے جیسے "نظمائے صوبہ" یا "ناظر" جنھوں نے معاملات مالگذاری اور فوجی میں بھی رفتہ رفتہ جاگیرداروں کے اختیارات کو بہت کچھ ضبط کرلیا۔ آخر میں اگر یہ عہدہ دار بھی ضرورت سے زیادہ طاقتور اور قابو یافتہ ہوگئے اور انکے بجائے قانونی معاملات کے لئے دورہ کرنیوالے جج، معاملات مالگذاری کیلئے عہدہ داران خزانہ اور فوجی یا جنگی معاملات کیلئے شاہی صوبہ دار یا نائب صوبہ مقرر کرنے پڑے۔ کم ازکم اون مقامات پر تو ایسا ہی ہوا جہاں سے سلطنت نے نظام جاگیرداری کو بیخ و بن سے اوکھاڑ دینا چاہا۔

تنازع مابین نظام جاگیری و مملکت

بدقسمتی سے تاریخ عالم کا یہ ایک بدنما پہلو رہا ہے کہ قریب قریب تمام ترقی پذیر ممالک میں مملکت کو مجبوراً کسی نہ کسی ایسے نظام سے تنازع للبقا کرنا پڑا ہے جسکا قیام خود اوسی کے ہاتھوں سے ہوا تھا۔ بعض صورتوں میں تو مملکت کامیاب ہوئی مگر بعض صورتوں میں وہ اسی قضیہ کی وجہ سے تباہ ہوگئی۔ مگر ہر صورت میں جھگڑا بیحد سخت ہوا ہے۔ سیاسی پہلو سے نظام جاگیری پر دو اعتراضات تھے۔

اول تو یہ تھا کہ نظام جاگیرات سے استقلال مملکت میں انتشار پیدا ہوتا ہے اگر نظام جاگیرات کو اوسی کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ مملکت کو پاش پاش کردیتا اور فی الواقع بعض صورتوں میں ایسا ہوا بھی جیساکہ قرون وسطیٰ کی سلطنت جرمنی کا حال ہوا جہاں بڑی بڑی جاگیریں بالآخر خود مختار سلطنتیں بن بیٹھیں۔ اس کا سبب دریافت کرنا کچھ دشوار نہیں ہے۔ ایک جاگیر کے باشندے اپنے جاگیردار کو

"خداوند نعمت" سمجھنے کے ایسے عادی ہوگئے تھے کہ اونھوں نے اعلیٰ و بالامرکزی حکومت کو فراموش کر دیا تھا - وہ بوقت ضرورت اوسی کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوتے، اوسی کو مالگزاری ادا کرتے اور اوسی کی عدالت میں مقدمات دائر کرتے تھے وہ کسی سلطنت کے وجود کو مشکل سے تسلیم کرتے تھے - نتیجہ یہ ہوا کہ اگر جاگیردار اور بادشاہ کے درمیان کوئی جھگڑا واقع ہو جاتا تھا تو جسقدر وہ بادشاہ کی حمایت کرتے تھے اوسیقدر اپنے جاگیردار کی طرفداری کرتے تھے - قرون وسطیٰ میں انگریزی سلطنت کے استقلال کے رازوں میں سے یہ بھی ایک راز ہے کہ شاہان انگلستان نے بہت جلد اور نہایت ہوشیاری کیساتھ جبکہ واقعات و حالات نے خود اونکی مدد کی، اس قسم کے معاملات کا خاتمہ کر دیا - اونکا مطالبہ یہ تھا کہ فوجی خدمات اونکے اور صرف اونھیں کے لئے واجب ہیں - اونھوں نے محصولات کا ایک جدید طریقہ قائم کر دیا جس سے اگرچہ جاگیرداروں کی مالی ذمہ داریوں میں بہت کچھ تخفیف ہوگئی تھی مگر اونکے بحیثیت محصلین شاہی تمام حقوق و اختیارات سلب ہوگئے تھے - اور آخر میں آکر تو اونھوں نے جاگیرداروں کے ہاتھوں سے عدالتی نظام بھی نکال لیا -

اس عمل میں اونکو جاگیرداری پر دوسرے اعتراض یعنی "اوسکی موروثی نوعیت" سے زیادہ مدد پہونچی - عدالت جاگیری کا قیام ایک قسم کی جائداد خیال کیا جانے لگا جو بوجہ معقول آمدنی کے نہایت بیش قیمت تھا - جب ہم اوارات قانونی (عدل گستری) پر قبضہ کرنیکے لئے سلطنت کی زبردست خواہش پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمکو یہ خیال نہ کرلینا چاہیئے کہ اوسکا یہ فعل قطعاً یا خصوصاً رعایا کی دادرسی کے لئے تھا - اس خواہش کی بنیاد محض اوس خیال پر تھی کہ عدالتوں سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے - اوس پر قبضہ جمایا جائے - پرانے زمانہ میں پنچایتوں یا عدالتوں کے صدروں - عادلوں - افسروں اور وکلاء کو فیس کے ذریعہ سے معاوضۂ خدمات دیا جاتا تھا اور ممکن ہے کہ رشوتیں بھی دیجاتی ہوں - جسقدر کام زیادہ ہوتا تھا اوسیقدر فیس بھی زیادہ ہوتی تھی - یہی وجہ تھی کہ نظام عدالت کو وسیع کرنیکی خواہش ظاہر کیجاتی تھی - عدل و انصاف میں اس قسم کا مقابلہ ایک سود مند بات تھی بشرطیکہ فریقین مقدمہ ایمانداری سے بہترین عدالتوں کی خدمتیں حاصل کرنیکی خواہش کرتے - مگر بدقسمتی سے اکثر فریقین مقدمہ ایسے ہوتے ہیں

جو ہمیشہ، رشوت خوار، خائن اور بددیانت عدالتوں کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ مملکت مختلف قسم کی عدالتوں (مثل برادری کی پنچایت، جاگیری عدالت، سوداگروں کی عدالت ونیز مذہبی عدالت کے) کو برطرف کردیتے ہیں کامیاب ہوگئی کیونکہ بہیئت مجموعی مملکت کی عدالتیں دیگر عدالتوں سے زیادہ اچھی ثابت ہوئیں۔ مملکت کی عدالتیں تین باتوں میں فوقیت رکھتی تھیں۔

۱۔ قوت

ہم دیکھ چکے ہیں کہ قدیم ترین قانونی عدالت اعیان مجلس بزرگان ہوتی تھی اور یہ عدالت بغیر کسی معاوضہ کے رضاکارانہ طور پر خدمت کرتی تھی۔ اگر فریق ملزم پنچایت کی طلب پر عدالت کے سامنے حاضر ہونا پسند نہیں کرتا تھا۔ یا عدالت کے فیصلہ کی تعمیل کرنیسے انکار کردیتا تھا تو عدالت اوسکو مجبور نہیں کرسکتی تھی۔ یعنی اوس عدالت کے پاس کوئی ایسا سامان نہیں تھا جس سے وہ اپنے احکام کی تعمیل کراسکے۔ ایک رضاکارانہ عدالت درحقیقت بہت اچھی چیز ہوسکتی ہے بشرطیکہ فریقین مقدمہ اصلی ہوں۔ اور دیانتداری کیساتھ معقول ومناسب انصاف کے خواہشمند ہوں۔ مگر عملاً دیکھا جاتا ہے تو ۹۰ فیصدی مقدمات میں ایک فریق اصلی نہیں ہوتا وہ مکروفریب، تاخیر وتعویق اور سخن پروری سے وقت گذارنا چاہتا ہے۔ چنانچہ ایک رضاکارانہ عدالت اوسکا کوئی علاج نہیں کرسکتی۔ مگر شاہی حکام اس قسم کی تعویت گوارا نہیں کرسکتے۔ اگر کوئی فریق مقدمہ عدالت کی طلبی کی تعمیل نہیں کریگا تو اوسکا اسباب اور مال ومتاع حتیٰ کہ جائداد تک قرق کرلیجائیگی۔ اور آخری علاج یہ ہوگا کہ اوسکو تاریخ پیشی پر حاضر کرنیکے واسطے جیلخانہ میں ڈالدیا جائیگا۔ اور یہی حال فیصلہ کا بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ اگر فریق مقدمہ نے حکم عدالت کی تعمیل سے انکار کردیا تو فیصلہ کا حکم اوسکی ذات ومال دونوں پر ناطق ہوگا۔ عدالتہائے جاگیری میں اس قسم کا کسیقدر دباؤ بھی ہوتا تھا۔ مگر دیگر قسم کی عدالتوں میں یہ قوت نہیں تھی اور یہی وجہ اونکے نابود ہوجانیکی ہوئی۔

۲۔ قابلیت

دیگر آنکہ شاہی حکام چونکہ ایک بڑے گروہ سے چنے جاتے تھے، اور اونکے انتخاب میں قابلیت کا خاص طور پر لحاظ رکھا جاتا تھا، اس لئے وہ ضروری عدالتی کام میں اعلیٰ درجۂ لیاقت کو پہونچ جاتے تھے

بہ نسبت پنچایت کے بزرگوں کے جنکا انتخاب محض سن رسیدگی پر مبنی ہوتا تھا۔ جاگیردار امیر صرف بزور وراثت پنچایت میں داخل ہوتا تھا اور پیشوایان دین کو اونکے زہد و تقویٰ کیوجہ سے شامل کر لیا جاتا تھا۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جاگیردار امیر اور پیشوائے مذہب خود اپنے ملازم افسر رکھتے تھے۔ اور ہمیشہ بذات خاص مقدمات کا فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ مگر یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ یہ لوگ قابلیت میں شاہی ملازموں کے برابر ہوں۔ موٹی سی بات ہے کہ بڑی سرکار کے ملازمین بھی اعلیٰ ہوتے ہیں۔ اور بادشاہ کی سرکار تو عدالتی معاملات میں سب سے بڑی سرکار تھی۔ امرا، روسا، اسقف اور صدر شماس تو بہت سے تھے مگر بادشاہ کی ذات صرف ایک ہی تھی۔ کارکردگی کی لیاقت میں عام عدالتوں یا جاگیرداری عدالتوں کے ملازمین پر شاہی عمال کی فوقیت کا ثبوت ایک تو یہی ہے کہ مقدمات کی مثلیں سوائے شاہی عدالتوں کے اور کہیں نہیں رکھی جاتی تھیں۔

۳۔ سادگی

قدیم زمانہ کے ضابطۂ عدالت کے بارہ میں یہ مغالطہ چلا آتا ہے کہ وہ سادہ اور سیدھا ہے۔ لیکن اگر اوسکو نظر غائر سے دیکھا جائے تو اوس کے راستہ میں بے انتہا پھندے اور غار نظر آئینگے۔ فریقین مقدمہ کیلئے حکم ہے کہ وہ مقررہ عبارت استعمال کریں۔ اس میں اگر ذرا سی بھی کوتاہی کیگئی یا ذرا بھی زبان میں لکنت پیدا ہوئی تو مہلک ثابت ہوگی۔ جب ہم قدیم ترین زمانہ کے عدالتی ضابطہ کو دیکھتے ہیں تو یہ امر بدرجۂ غایت طبعی معلوم ہوتا ہے کہ وہ "جنگ" کا بدل ہے اور جنگ میں ہر فریق اپنے مخالف کی لغزش سے فائدہ اوٹھانیکی کوشش کرتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک ضابطہ یہ تھا کہ فریقین کو مقدمہ کی پیروی صرف مقررہ ایام میں کرنی پڑتی تھی ورنہ تمام کارروائی بے سود ہو جاتی تھی قدیم رومن قال گو آدمیوں کا قصہ جو تمام قانونی اشکال کو پوشیدہ رکھنے میں کامیاب رہتے تھے اور عدالت کھلنے کے ایام کو بھی پوشیدہ رکھتے تھے تاکہ کوئی شخص اون سے مشورہ کئے بغیر عدالت میں جانیکی جرأت نہ کرے، پرانے زمانہ کے عدالتی ضابطہ کی پوری خصوصیات کو ظاہر کرتی ہے۔ لیکن ملازمان شاہی نے اگرچہ وہ بھی رعب جمانیکی عادت سے خالی نہیں تھے، پرانے زمانہ کے اس عدالتی

ضابطہ کی پر اسرار لغویات کو معدوم کر دیا۔ اونھوں نے صاف طور پر اون ایام کا اعلان کر دیا جب عدالتیں اجلاس کرینگی اور معقول فیس لیکر مقررہ فارموں کو بھی جاری کر دیا۔

اس سے بھی زیادہ اونھوں نے یہ اچھا کام کیا کہ سماعت مقدمہ کے طریقہ میں اصلاح کی اور اوسکو آسان کر دیا۔ جب قبائل کی انتقامی جنگ کا طریقہ معدوم ہو گیا یا کم ہوتے ہوتے اوس نے "تصفیہ بذریعہ جنگ" کی صورت اختیار کر لی تو قدیم زمانہ کی عدالتوں کو مقدمات فیصل کرنیکے صرف دو طریقہ یاد رہ گئے۔ اگر ملزم کوئی معزز آدمی ہوتا تھا تو اوس جرم کی صفائی کے لئے حلف لیا جاتا تھا۔ اور اوسکے ساتھ اوسکے رشتہ داروں کی مقررہ تعداد سے تصدیقی حلف لیا جاتا تھا جو بجائے اوسکی حمایت میں جنگ کرینگے اوسکی صفائی کیلئے حلف اوٹھاتے تھے۔ اگر وہ کوئی۔ زرعی غلام یا کم درجہ کا آدمی ہوتا تھا تو اوسکو "آزمایش غیبی" کیلئے مجبور کیا جاتا تھا یعنی یا تو وہ ہاتھ اپنا کھولتے ہوئے پانی میں ڈال دیتا تھا۔ یا آنکھوں پر پٹی باندھکر اندھوں کیطرح لوہے کی سرخ سلاخوں پر چلتا تھا یا سرخ تپتے ہوے لوہے کا ٹکڑا ہاتھوں میں اوٹھا لیتا تھا۔ اگر اس آزمایش میں اوسکو تکلیف پہونچتی تھی تو اوسکو ملزم گردانا جاتا تھا۔ اور اگر اوسکو کوئی مضرت نہیں پہونچتی تھی تو اوسکی بیگناہی کا اعلان کر دیا جاتا تھا۔ اسپر یہ ایک نہایت معقول اعتراض کیا گیا ہے کہ کسی شخص کو "قسما دھرمی" یا حلف اوٹھانے پر کیونکر سزا دیجا سکتی تھی۔ (جب تک اوسکے رشتہ داروں سے مخصوص قانونی طرز میں کوئی لغزش نہ ہوتی) یا بعد "امتحان و آزمایش" کیونکر بری کیا جا سکتا تھا (بشرطیکہ حکام عدالت کو رشوت نہ دیجائے) بہر حال مقدمہ کی کارروائی بحیثیت مجموعی محض ایک سوانگ ہوتی تھی۔

شاہی افسروں نے بہت سے ترقی یافتہ طریقے رائج کئے۔ اونھوں نے اس رواج کو قطعی موقوف نہیں کیا جسکی رو سے دو آدمی آپسمیں لڑکر فیصلہ کر لیا کرتے تھے مگر اونھوں نے بجائے اسکے اور زیادہ دلفریب طریقے پیش کئے۔ مثلاً اونھوں نے اجازت دی کہ ثبوت دعویٰ یا جوابدہی کی شہادت سرکاری مسئول سے دیجائے۔ یعنی دیکھا جائے کہ مسلہائے مدخلہ عدالت کیا بات ثابت کرتی ہیں یا جو کاغذات ثبوت یا صفائی میں

پیش کئے گئے ہیں اونسے کیا بات ظاہر ہوتی ہے۔ اس طریقہ سے گویا اونھوں نے نوشت وخواند کے عمل کو بلاواسطہ تقویت پہونچائی اور لوگ روزمرہ کے کاروبار میں اندراجات سے کام لینے لگے۔ مزید براں اونھوں نے (سرکاری حکام) اس امر کا بھی اصرار کیا کہ مقدمہ کی بعض کارروائیاں گواہوں کے بالمواجہ ہونی چاہئیں۔ اور بعد ازاں مقدمات کے فیصلہ کے لئے عدالتوں میں گواہ پیش کئے جانے لگے۔ مگر شاہی حکام کی سب سے مشہور جدت طرازی "فیصلہ بذریعہ صاحبان جوری" تھی۔ یعنی مقدمات کے متعلق شاہی حکام ہمسایہ اشخاص کی ایک مختصر جماعت سے سوال کرتے تھے اور اونکے جواب کے مطابق فیصلہ دیتے۔ یہ مشہور ومعروف رسم جسکی بابت لوگوں نے بہت کچھ خرافات بکی ہے، ابتداء میں "حقوق شاہی" سے تعلق رکھتی تھی۔ اور اسکو شہنشاہ چارلس اعظم نے رومنوں کی زوال پذیر سلطنت کی باقیات سے اخذ کیا تھا۔ بعد ازاں شہنشاہی افسروں نے اس رسم کو تمام مغربی یوروپ میں پھیلادیا اگر شہنشاہ کو اس امر کا اشتباہ ہوتا تھا کہ کسی شخص نے شہنشاہی اختیارات وحقوق پر کچھ تصرف کرلیا ہے تو سرکاری افسر موقعہ ہمسایہ کے اشخاص کو مجبور کرتا تھا کہ جو سوالات معاملہ کی نسبت اونسے کئے جائیں اونکا جواب حلفیہ دیں۔ اس امر کے اظہار کی تو کچھ ضرورت نہیں کہ شروع شروع میں تو یہ رواج بالکل غیر مقبول رہا اور دونوں شخص یعنی وہ جنکو جیوری بنائے جانیکے لئے طلب کیا جاتا تھا اور وہ جنکے راز فاش ہوتے تھے اسکو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر شہنشاہی اغراض ومقاصد کے لئے یہ رواج نہایت مناسب تھا اور شاہان یوروپ نے اسکو یکے بعد دیگرے اپنے ممالک میں رواج دیا۔ بعد میں ایسا ہونے لگا کہ بادشاہ اپنے اس حق کو کسیقدر معقول رقم کے بالعوض فریقین مقدمہ کے ہاتھ فروخت کرنے لگے مگر اوس پر بس اوسی وقت عمل ہوتا تھا جب کہ عدالت کا صدر شاہی ملازم ہو کیونکہ ارکان جیوری کسی اور کے طلب کئے سے حاضر نہیں ہوتے تھے۔ جب شاہی اغراض ومقاصد کیلئے اس رسم سے کام لیتے لیتے عرصہ گذر چکا تو ایماندار اہل مقدمہ بھی اسکے فوائد سے واقف ہونے لگے اور اسکے رواج کو وسعت دینے لگے۔ آخر کار رفتہ رفتہ جب لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ فیصلہ بذریعہ صاحبان جیوری اوس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ سرکاری ملازم اونپر اپنی

مرضی سے تعدی کریں، یا وہ زندان میں پڑے ہوئے دم توڑ دیں یا جاگیری عدالتوں میں تضیع اوقات کریں یا فیصلہ بذریعہ جنگ، باہمی میں قسمت پر بھروسہ کریں، تو یہ رواج ہر دلعزیز ہونے لگا اور زمانۂ حال کے معنی میں اوسکو آزادی کا "پشتیبان" سمجھا جانے لگا۔ افسوس ہے کہ بہت سے ملکوں میں جہاں مملکت کمزور تھی یہ رواج جاتا رہا۔ لہذا اب اسکو محض انگریزی رواج سمجھا جاتا ہے۔ مگر اصل میں یہ بات نہیں تھی الغرض ان طریقوں کے اختیار کرنیسے مملکت ۱محکمہ انتظام عدالت پر اپنا قبضہ قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ اس کامیابی کا ہونا یوروپ میں "عہد اصلاح مذہبی سے سمجھنا چاہئیے۔ کیونکہ کلیسا کے خلاف جدوجہد کئے جانیکے بعد خود رومن کیتھولک ممالک میں سے بھی، سلطنت کا سب سے بڑا رقیب معدوم ہو چکا تھا۔ بعض صورتوں میں مملکت نے مقامی عدالتوں کو برطرف کرکے خود اپنی عدالتیں قائم کردی تھیں۔ یہ واقعہ زیادہ تر فرانس میں ہوا اور اسکے نتائج اسقدر خطرناک برآمد ہوئے کہ اونکی تشریح کی اُن اوراق میں گنجائش نہیں۔ دیگر صورتوں میں، جیسا کہ انگلستان میں واقع ہوا۔ مملکت نے مقامی عدالتوں کو بتدریج اپنی عدالتیں بنالیا اور گویا اسطرح سے وہ تسلسل قائم رہا جو سیاسی ترقی کا بہت بڑا عنصر ہے۔

اب ہمکو صرف ایک سوال کا جواب دینا باقی رہگیا ہے۔ یعنی وہ کیا قانون تھا جسکا نفاذ ان عدالتوں کے ذریعہ سے ہوتا تھا؟ مگر یہ سوال ایک علحدہ باب کے لئے مخصوص کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں ایک اہم موضوع "سیاسی نمایندگی" پر بحث کرنیکی ضرورت ہے۔

باب ۱۲

مملکت اور قانون سازی

ہم اس سے قبل بیان کرچکے ہیں کہ قدیم زمانہ کی طرز معاشرت والوں کے ذہن میں کبھی یہ خیال ابھی نہیں آیا کہ قانون بنایا بھی جاسکتا ہے۔ قانون کا ابتدائی خیال جیسا کہ معاشرہ کے دور آبائی میں نظر آیا، وہ محض یہ تھا کہ قانون کوئی "رواج" یا "رسم" ہے جو آباو اجداد کی منظوری و پسندیدگی حاصل کرچکا ہے۔ ابتداءً آبائی معاشرہ کی اور باتوں کیطرح سے، یہ خیال بھی خالص شخصی یا ذاتی تھا یعنی جس رواج یا قانون کا کوئی شخص پابند ہوتا تھا وہی رواج یا قانون اوسکی برادری یا قبیلہ کا ہوتا تھا۔ بہت دنوں بعد یورپین تاریخ میں اس قاعدہ کو تسلیم کرلیا گیا تھا کہ ہر شخص کو قطع نظر اسکے کہ وہ کہاں اور کس مقام پر ہے، اس بات کا حق حاصل ہے کہ اوس کے معاملہ کا فیصلہ اوسکی قوم یا نسل کے قوانین کے مطابق کیا جائے۔ متمدن ممالک میں ابھی تک اس خیال کے کچھ کچھ آثار باقی ہیں۔ آبائی جماعتوں میں سب سے زیادہ قدامت پسند قوم یہودیوں کی ہے۔ چنانچہ اب بھی وہ ہمیشہ مغرب کے مسیحی ممالک میں اپنے بعض قبائلی آئین و قوانین کا نفاذ رکھتی ہے۔

لیکن جوں جوں فن زراعت میں ترقی ہوتی گئی اور بعد میں اسکی نشوونما میں رسم جاگیری سے امداد ملتی رہی اوسیقدر قانون پر بجائے شخصی کے مقامی رنگ چڑھتا گیا۔ بجائے "برادری کی رسوم" کے لوگ "جاگیر کی ریت"، "رسوم علاقہ" یا "قصبہ کا رواج" بولنے اور خیال کرنے لگے۔ شخصی حیثیت والا پرانا خیال اب بھی کچھ کچھ باقی رہا۔ کیونکہ لوگ اس بات کا سخت خیال رکھتے تھے کہ کوئی دوسرا شخص سوائے گاؤں والے کے گاؤں کے رواج سے مستفید ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اور نہ جاگیر میں سوائے وابستگاں کے اور شہر میں سوائے شہری کے مقامی رواج ورسم

سے کوئی دوسرا مستفیض ہو سکتا ہے۔ مگر جب تنظیم معاشرت و عمرانیت میں سکونت کا قرابت کے مقابلہ میں زیادہ اثر ہونے لگا تو یہ عنصر بھی بتدریج معدوم ہو گیا۔

مگر اس بات کو نہایت احتیاط کیساتھ یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ جہاں کہیں قانون کے لئے لفظ "مقامی" استعمال کریں گے وہاں یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہی قانون بڑے بڑے رقبوں پر جاری ہوتا تھا۔ مثلاً اگر دسویں صدی کے سلسلہ میں ہم الفاظ "قانون فرانس" یا "قانون جرمنی" استعمال کریں تو اوس سے ہماری تاریخ دانی کی قلعی کھلجائیگی۔ کیونکہ دسویں صدی میں فرانس، جرمنی، ہسپانیہ، اور خود انگلستان میں ہر شہر، ہر قصبہ اور قریب قریب ہر گاؤں کا کوئی "خاص" قانون ہوتا تھا۔ انگلستان کے اندر اُن وجوہ سے جنکا ہم تذکرہ کرنیوالے ہیں، اس صورت حال میں بہت جلد اصلاح ہو گئی تھی مگر تاہم انگلستان کے تمام قانون داں جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں بھی انگلستان کے اندر سیکڑوں مختلف قوانین دیہی یا جاگیری موجود ہیں جنکو "نقل داری کے رسوم" کہتے ہیں اور انکے ذریعہ سے جائداد کے متعلق بہت سے بڑے بڑے معاملات کا انتظام ہوتا ہے۔ فرانس، جرمنی، ہسپانیہ اور دیگر ممالک میں تو گذشتہ صدی کے اواخر تک کوئی قومی قانون ہی نہیں تھا۔

تین زبردست عنصروں نے بتدریج عمل کر کے اس ناگوار صورت معاملات کو آخر کار معدوم کر دیا اور زمانہ حال کا نظام قانونی و قانون سازی ظہور میں آیا۔

۱۔ پرانے کاغذات

قرون وسطی کے اوائل زمانہ سے ہمارے پاس یورپ کے تمام حصص کے آئین و ضوابط کا ایک دلچسپ طومار چلا آرہا ہے جنکو عرف عام میں "بربری قوانین" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس میں جرمن ریاستوں اطالیہ، ہسپانیہ، توریا، سکسنی، برگنڈی، فرنگستان، سوابیہ، فرزیہ، انگلستان ویلز، آئرستان، اسکاٹلینڈ، ڈنمارک، سویڈن، ناروے اور دیگر ممالک کی باتیں شامل ہیں۔ اگرچہ اونکی تواریخ میں اختلاف ہے مگر ہر ملک کی تاریخ میں وہ نسبتہً ایک ہی زمانہ سے چلی آتی ہیں۔ یعنی اوس عہد سے جبکہ قبائل نے کسی فاتح بادشاہ کی سرگردگی میں اول اول ایک مستقل سلطنت قائم کی تھی۔ بالفاظ دیگر وہ مملکت کے قدیم ایام سے چلی آتی ہیں۔ انکی بنیاد عام طور پر صرف ایک ہی سبب پر ہے۔

یعنی فاتح کی اس خواہش پر کہ اپنی مفتوح ومغلوب قوم کے رسوم ورواج سے واقفیت حاصل کرے۔ بہت سی صورتوں میں اوس نے وعدہ کرلیا ہے کہ وہ ان رسوم کی باضابطہ خدمت کریگا۔ اور کسی صورت میں بھی اوس نے یہ تجویز نہیں کیا کہ وہ ان رسوم ورواج کو مٹادیگا مگر اوسکو ان رسوم کی نوعیت معلوم ہونی چاہئیے۔ کیونکہ جس چیز سے وہ واقف نہیں ہوگا وہ اُسکا احترام کیونکر کرسکیگا۔

اسطرح گویا ہم دیکھتے ہیں کہ قانون سازی کے حقیقی معنی میں نام نہاد بربری ضابطے وہ چیز نہیں ہیں جنکو قانون کہتے ہیں۔ بلکہ بیانات یا رسوم ورواج کے اعلانات ہیں قریب قریب تمام صورتوں میں یہ آئین وضوابط نتیجہ ہیں اون سرداروں اور بزرگوں کی باضابطہ اور بااحتیاط تحقیق کا جنکے بارہ میں خیال ہے کہ وہ اپنے آدمیوں کے رسوم ورواج سے خاص طور پر واقف ہیں۔

اس عمل کی اہمیت

باایںہمہ ان رسوم ورواج کا باضابطہ ترتیب دیا جانا "قانون" کی تاریخ میں ایک اہم واقعہ تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ایسی رسمیں جنکا کسی دستاویز میں اندراج نہ ہو کچھ نہ کچھ ضرور بدل جاتی ہیں۔ مگر یہ رسمیں خود کو خود بخود یا غیر مرئی طور پر تبدیل کرلیتی ہیں۔ کوئی شخص اسقدر بیحرمتی کی جسارت نہیں کرسکتا کہ ان رسوم میں دیدہ ودانستہ ترمیم وتغیر کی تجویز پیش کرسکے۔ مگر وہ رسوم جنکا اندراج ہوچکا ہوا نہیں غیر مرئی طور پر تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس صورت میں اصلی متن کے حوالہ کا ہمیشہ امکان باقی رہیگا۔ اور یہ ظاہر ہوسکیگا کہ اصلی رسم کیا تھی اور کیا ہوگئی۔ مگر پھر بھی ایک ترقی پذیر معاشرہ میں رسم ورواج کو لازمی طور پر تبدیل ہوجانا چاہئیے۔ اور اسلئے یہ ضروری ہوا ہوگا کہ تحریری آئین وقوانین کی وقتاً فوقتاً ازسرنو نظر ثانی کرنیکے بعد اشاعت ہوتی رہے اور فی الواقع ایسا ہی ہوا بھی تھا۔ اسطرح سے آخرکار لوگ رفتہ رفتہ اس خیال کو قبول کرنے لگے کہ رسم ورواج میں اصلاح ہوسکتی ہے۔ اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ بادشاہ کے ساتھ کچھ گفتگو کرکرا کے یا اوس سے کچھ لے لواکر اس بات کی اجازت دیدیا کرتے تھے کہ وہ رسوم میں دیدہ ودانستہ بعض اصلاحات کو داخل کردے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بہت سی اصلاحات اسطرح سے داخل کردیجاتی تھیں کہ اونکا راز کھلنے بھی نہ پاتا تھا اور یہ کام وہ شاہی منشی کیا کرتے تھے

جن کا کام ضوابط کو تحریر کرنا تھا - ہکو یاد کرنا چاہیے کہ قدیم زمانہ میں فن تحریر کا کسقدر احترام کیا جاتا تھا - دستاویز کو لوگ اس نظر سے دیکھا کرتے تھے جیسے کسی تعویذ، طلسم یا سحر کو گاہے یہ تھا کہ کسی چیز کے بارہ میں صرف اسقدر کہدینا کہ وہ "تحریر ہے"، اوسکو تبرک و تقدس کی نوعیت کا دے دیتا تھا - ایک ہندو کا حال بیان کیا جاتا ہے جو کسی طبیب کے نسخہ کو اپنے جسم سے لگائے لگائے پھرتا تھا مگر اوسکو بنوانیکے لئے کسی عطار کے پاس نہیں لیجاتا تھا - یہی وہ خصوصیت تھی جسکے ساتھ پرانے زمانہ کے لوگ تحریروں کا احترام کیا کرتے تھے - پس ہم خیال کر سکتے ہیں کہ اگر کوئی عبارت کسی دستاویز میں لکھی پائی جاتی تھی تو کوئی شخص اتنا نہیں پوچھتا تھا کہ یہ عبارت وہاں کیونکر داخل ہوئی

۲ - عدالت ہائے قانونی

گذشتہ باب میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ مملکت نے رفتہ رفتہ معدلت گستری منصب کیونکر اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا - اور عام طور پر شاہی افسر اس کام کو انجام دیتے ہوئے نہایت دیانتداری کیساتھ اس امر کی کوشش کیا کرتے تھے کہ رسوم و رواج مختص المقام کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کریں - مگر یہ امر قدرتی تھا کہ وہ مقامی رسوم و رواج کے بیشمار چھوٹے چھوٹے اختلافات کیوجہ سے سخت بیچین اور پریشان ہوجایا کرتے تھے اور اکثر اسی وجہ سے اونکا رجحان طبیعت یکسانی کی طرف ہوجاتا تھا - دورہ کرنیوالے عادلوں کیساتھ یہ معاملہ خصوصًا ہوتا تھا جنکا ہم پیشتر ذکر کر چکے ہیں - چونکہ یہ عادل کسی خاص مقام سے تعلق نہیں رکھتے تھے اسلئے وہ مقامی تعصبات سے آزاد تھے اور جب اونکا دورہ پورا ہوجاتا تھا اور وہ تخت شاہی کے گرد جمع ہوجاتے تھے تو وہاں مشکلات عمل کی گفتگو ضرور درمیان میں آتی ہوگی اور اس لئے وہ سب کے سب عام اصول پر متفق ہوگئے ہونگے - جو کچھ اونھوں نے کیا وہ غالبًا یہ ہوگا کہ اونھوں نے کسی "عام" قاعدہ کو لے لیا ہوگا - اور یہ قاعدہ ایسا ہوگا جس سے مقامی جماعتوں کے عام رواج و دستور کا اوسط ظاہر ہوتا ہوگا اور اسمیں قرار دیا ہوگا کہ جسقدر ہوسکے مقامی اختلافات کو نظر انداز کیا جائے اس صورت سے کم از کم انگریزی قانون غیر موضوعہ کی جدید ترتیب تو ضرور ہوگئی ہوگی یہ وہ قانون تھا جو تمام اضلاع ملک میں رائج تھا - اگر کوئی رسم یا رواج بہت پختہ ہوتا تھا تو اوسکو اوسی خاص ضلع میں رائج رہنے دیا جاتا تھا - یہ امر معنی خیز ہے کہ جو رسوم و رواج

ضبط تحریر میں آچکے تھے اون میں مماثلت پیدا نہیں کیجاتی تھی۔ کیونکہ شاہی جج پیٹے کے مقدمات طے نہیں کیا کرتے تھے۔ یہ کام تو بہت عرصہ کے بعد اونھوں نے ہاتھ میں لیا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہوئی کہ انگلستان میں قانون غیر موضوعہ بنجانیکے صدیوں بعد تک بھی "براعظم یورپ" میں کوئی ایسا قانون نہیں تھا کیونکہ انگلستان کے صدیوں بعد تک یورپ میں مملکت نے انتظام قانونی وعدالتی کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیا تھا۔ لیکن اس امر کے اظہار کے لئے کہ یہ عمل صرف انگلستان تک ہی محدود نہیں تھا ہم تبلا سکتے ہیں کہ روما کی تاریخ میں بھی اسی عہد میں تقریباً یہی نتیجہ نکلا تھا جہاں مقننین نے منتخب اور چیدہ رسوم و رواج کو مماثلت کا رنگ دیکر زبردست سلطنت روما کے عام قانون غیر موضوعہ کی صورت میں ترتیب دے لیا تھا۔ غالباً اس جگہ یہ کہدینا بے محل نہ ہوگا کہ انگریزی ججوں نے قانون غیر موضوعہ کی ترتیب عمل کو ترقی دینے کے لئے عمدہ ترین چال یہ چلی تھی کہ اونھوں نے صاحبان جوری کے فتوی کو محض واقعاتی مسائل تک محدود کردیا تھا۔ ابتداء میں تو صاحبان جوری واقعات اور قانون دونوں کے متعلق فتوی دیا کرتے تھے اور چونکہ ادنکا تعلق ایک مقامی جماعت سے ہوتا تھا اس لئے وہ مقامی رسم و رواج کی پیروی کیا کرتے تھے۔ مثلاً اون سے سوال ہوسکتا تھا کہ زید کا وارث کون ہے؟ اور اگر وہ ایسے ملک کے رہنے والے ہوتے تھے جہاں کے رواج کے مطابق باپ کا سب سے چھوٹا بیٹا اوسکا جانشین ہوتا تھا تو وہ جواب دیا کرتے تھے کہ "خالد"۔ مگر بعد میں عادلوں نے اون سے یہ پوچھنا شروع کیا زید کا سب سے بڑا لڑکا کون ہے؟ اور یہ سوال خالص واقعات سے تعلق رکھتا ہے۔ اسکے بعد جج اعلان کردیتے تھے کہ سب سے بڑا بیٹا جائز وارث ہے۔ اسطرح گویا جج اور جیوری کے حلقہ ہائے عمل میں حد فاصل قرار پاگئی۔

۳۔ حیلۂ قانونی

اگرچہ یہ دونوں طریقے کارآمد تھے۔ کیونکہ انسے لوگوں کا دل و دماغ قانون بنانے کے لئے تیار ہوتا جاتا تھا۔ مگر یہ بذاتہ ناقص اور بطئی الاثر تھے۔ اس طرح سے ایک اور حیلہ بھی تھا یعنی حیلۂ قانونی۔ مثلاً دستور کے موافق عام قاعدہ یہ تھا کہ کسی اراضی کو فروخت نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اور الف چاہتا تھا کہ وہ اپنی زمین ب کے ہاتھ فروخت کردے تو ب یہ کرتا تھا کہ

الف کے خلاف ایک مقدمہ اس دعوی کا دائر کردیتا تھا کہ زمین فی الحقیقت اوسکی ہی ملکیت ہے اور یہ کہ **الف** نے اوسکو ابتک بیدخل رکھا ہے۔ چونکہ **الف** اور **ب** دونوں میں ملی بھگت ہوتی تھی اس لئے **الف** کوئی جواب ہی نہیں دیتا تھا اسلئے عدالت کو فیصلہ کرنا پڑتا تھا کہ اراضی متنازعہ **ب** کی ہے۔ اب اس واقعہ میں یہ بات ہوتی تھی کہ بیع عمل میں نہیں آئی بلکہ سابقہ غلطی کی صحت ہوگئی۔ اب اس سے زیادہ جھوٹ اور کیا ہوگا اور اگر عدالتیں تبدیلی کو خود نہ چاہتیں تو یہ بات ہرگز واقع نہ ہوسکتی۔ مگر یہ ایک مشہور بات ہے کہ لوگ حیلہ بہانہ کے پردہ میں ایسی تبدیلی کو پسند کرلیتے ہیں جسکے خلاف وہ دوسری صورت میں اپنے جسم کا آخری قطرۂ خون بہا دینے کیلئے تیار ہوجاتے۔ مثلاً ترکی جزیرہ کریٹ پر اپنے اقتدار فرماں روائی سے ہرگز دست بردار ہونا پسند نہ کرتا۔ لیکن اگر جزیرہ پر ترکی جھنڈا اوڑتا رہا جس سے اوسکے اقتدار حکومت کی علامت نمایاں ہو تو وہ تمام جزیرہ پر سے اپنا حقیقی تسلط اوٹھا لینے کے لئے تیار ہوگا۔

۳- وضع قانون

لیکن جہاں نشو و نما و ترقی سرعت کیساتھ ہورہی ہے وہاں ہر روز نئی نئی رسمیں ظہور میں آتی ہیں اور یہ تمام عارضی طریقے اون کا اعلان کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں۔ کوئی اور براہ راست عاجلانہ طریقہ عمل میں لانا چاہیئے۔ اس مشکل کا حل "سیاسی نمایندگی" سے ہوسکتا ہے۔

زمانۂ حال کے مدبرین کے نزدیک "سیاسی نمایندگی" نیابت کی ایک قسم ہے یعنی ایک طریقہ ہے جسکے توسط سے عوام اظہار خیالات کرتے ہیں اور ان خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے لوگوں کو منتخب کرتے ہیں۔ اس طریقۂ کار کی اصلی نوعیت کے بارہ میں واقعی بہت کچھ اختلاف آراء ہے۔ سیاست دانوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ نمایندے انتخاب کنندوں کے نائب ہوتے ہیں اور اگر قانوناً نہیں تو کم ازکم اخلاقاً اونکے احکام ماننے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ انتخاب کنندہ اپنا نائب منتخب کرکے خود کو کامل طور پر نمایندہ کے ہاتھ میں دیدیتا ہے اور اوسکو اختیار دیدیتا ہے کہ جو وہ بہتر سمجھے عمل کرے۔ مگر اس امر میں دونوں گروہ متفق ہیں کہ انتخابات سے انتخاب کنندہ کو اس بات کا ایک موقع ملتا ہے کہ

وہ اپنی پسند کا نمایندہ تجویز کرے۔

لیکن ہر وہ شخص جو زمانۂ قدیم کے طرز معاشرت سے ذرا بھی واقف ہوگا وہ جانتا ہے کہ تاریخ کے اوس زمانہ میں قانونی نیابت کا مفہوم قطعی مفقود تھا۔ قدیم زمانہ کے طرز معاشرت میں ہر کام کا نتیجہ لڑائی جھگڑا ہوتا تھا۔ یہ بات نہایت ضروری بلکہ ناگزیر تھی کہ فریقین متعلق ہی اوس کام کو ہاتھ میں لیں۔ اب "سیاسی نمایندگی" کی ابتدا کے بارہ میں ہمکو کسی اور طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

اب ہم ایک قطعی مختلف راستہ پر چلتے ہیں۔ قدیم زمانہ والوں کو قانونی نیابت کے مفہوم کی کچھ خبر نہ تھی مگر اونکو "مشترکہ ذمہ داری" سے بہت کچھ آگہی تھی۔ مثلاً الف نے ب کو قتل کر ڈالا۔ اب صرف الف ہی نہیں بلکہ الف کے تمام رشتہ دار ب کے قتل کے ذمہ دار تھے۔ دوسری مثال معمار الف نے ب کا مکان اس بری طرح سے بنایا کہ وہ گر پڑا۔ اب صرف الف ہی نہیں بلکہ الف کے تمام اہل حرفہ کی برادری ب کے نقصان کی ذمہ دار تھی۔ تیسری مثال ایک سوداگر الف ب کا قرضدار ہے۔ اب صرف الف ہی نہیں بلکہ الف کا تمام قصبہ ب کا قرضدار تھا۔

مملکت اس تخیل سے کام لیتی ہے

جب مملکت قائم ہوگئی تو اوسنے اس خیال سے بہت کام نکالا۔ مثلاً ایک شخص شاہراہ عام پر قتل کیا ہوا پایا گیا۔ اب قرب و جوار کے جسقدر گاؤں تھے اونکو قاتل کا پتہ لگانا یا خون بہا دینا پڑتا تھا۔ دوسری مثال کسی نے مویشیوں پر تاخت کی اور مواشی مسروقہ کا کھوج کسی گاؤں تک پہونچا۔ اب اوس گاؤں کو یا تو چور کو پیدا کرنا چاہیئے یا جرمانہ دینا چاہیئے۔ تیسری مثال کسی بازار میں جھگڑا ہوا اور شاہی جھنڈے کو پھاڑ ڈالا گیا یا شاہی افسر بازار کی بےحرمتی کیگئی۔ اب تمام قصبہ کو اسکی پاداش بھگتنی پڑیگی۔ چوتھی مثال۔ بادشاہ نے ٹیکس لگایا۔ اور کسی گاؤں یا قصبہ پر اسقدر لگا۔ اب یہ رقم قصبہ کو دینی پڑیگی۔

مشترکہ ذمہ داری کے اصول کی تعمیل

لیکن اوسوقت کیا کیا جائیگا جب کوئی شخص رقم واجب الادا کو ادا نہیں کریگا؟ ہمارے زمانہ کے خیالات کے بموجب تو یہ ہونا چاہیئے کہ تمام ذمہ داری یا رقم واجب الادا کو بحصۂ

رسدی گاؤں یا قصبہ یا تعلقہ کے تمام باشندوں پر تقسیم کردیا جاتا اور ہر شخص کو اپنا حصہ ادا کرنے پر مجبور کیا جاتا - مگر اس طریقہ سے لامحدود مشکلات کا سامنا ہوتا اور بادشاہ کو دوسرے کام بھی کرنے تھے بادشاہ کو اسکے لئے ایک نہایت سادہ اور موثر طریقہ معلوم تھا - وہ اپنے افسر کو بھیجدیتا تھا جو قصبہ یا حلقہ یا گاؤں کے سب سے زیادہ دولتمندوں اور معززین میں سے دو چار کو گرفتار کرکے حوالات میں ڈالدیتا تھا اور اوسوقت تک نہیں چھوڑتا تھا جب تک روپیہ ادا نہ ہو جائے اس میں کوئی شک نہیں کہ گاؤں تو اسکی مخالفت ضرور کرتا تھا - مگر گاؤں والوں سے کہہ دیا جاتا تھا کہ اگر وہ روپیہ اکھٹا کرلائیں تو آدمیوں کو چھوڑ دیا جائیگا یہ طریقہ تھا تو ظالمانہ مگر تھا بہت مؤثر - ایسا ہی راتدن مشرقی ممالک میں اب بھی ہوتا ہے - نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قیدیوں کے رشتہ دار اور احباب فدیہ دیکر ان کو چھڑا لیتے تھے اور وہ کسی نہ کسی طریقہ سے روپیہ اکھٹا کرلیا کرتے تھے اس موقع پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ آیندہ زمانہ میں اسی روپیہ اکھٹا کرنیکے طریقہ نے مقامی خودمختار حکومت کی ترتیب و تنظیم میں خوب مدد دی - مگر یہاں ہماری غرض صرف یہ دیکھنا ہے کہ یہ عمل، سیاسی نمایندگی کی سمت (ترقی) میں ایک اہم قدم تھا -

اس تخیل کی نشوونما

ہمکو کامل یقین ہے کہ ایسا آسان اور موثر طریقہ جو سلطنت کے لئے باعث سہولت تھا خوب پھلا پھولا - مملکت ہمیشہ کسی نہ کسی بہانہ اپنی رعایا سے روپیہ وصول کرنیکی خواہشمند رہتی تھی - لہذا یہ امر کچھ زیادہ تعجب خیز نہیں ہے کہ قرون وسطیٰ میں ہم تمام یورپ میں دیہات کے کھیاؤں یا بزرگوں کو (تعلقہ اور ضلع کی پنچایتوں میں) جمع ہوتا دیکھتے ہیں جہاں وہ شاہی حاکم یا اوس کے نائب سے ملتے ہیں اور بادشاہی مطالبات کی تعمیل کرتے ہیں - بعد ازاں جب قصبات اور شہر پیدا ہوگئے تو ہم وہاں کے بزرگوں کو بھی ایسا ہی کرتے دیکھتے ہیں - اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے موقعوں پر زیادہ تر مقامی معاملات پر بحث ہوا کرتی تھی لیکن یقینی امر تو یہ ہے کہ بادشاہی حکام کی موجودگی کیوجہ سے یہ رسم زندہ رہی - ہم متواتر شاہی فرامین کو جاری ہوتے دیکھتے ہیں کہ :- "ضلع" اور حلقہ کی مجلس کا اجلاس حسب دستور سابق ہو

اور اوس میں لکھیا اور چار چار قائم مقام آئیں وغیرہ وغیرہ۔

پارلیمنٹ کا ظہور

بعد ازاں مغربی یورپ کے اندر بارھویں صدی کے اواخر میں ایک زبردست خیال پیدا ہوا۔ تجارت کو جلد جلد ترقی ہوتی جاتی تھی۔ اور روپیہ کی قیمت گھٹتی جاتی تھی۔ ہر ملک میں سلطنت روپیہ کی زیادہ حاجتمند تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ حلقے اور ضلع کی پنچایتوں کے علاوہ ایک بڑی قومی مجلس کیوں نہ قائم کیجائے؟ اور اس طرح سے تمام یورپ میں یعنی ہسپانیہ، سسلی، فرانس، جرمنی، ناروے، سویڈن، انگلستان، اسکاٹلینڈ بلکہ آئرستان میں بھی پارلیمنٹ پیدا ہوگئی۔ مگر یہ مجلسیں نہ تو پورے طور سے ملک کی نمایندہ تھیں اور نہ انمیں یکسانیت تھی۔

شرفاء و امراء

اگر ہم اپنے خیالات مملکت کے ابتدائی زمانہ کیطرف منعطف کریں تو ہمکو یاد آجائیگا کہ سب سے پہلے مملکت میں بادشاہ کے رفقاء و مصاحبین کی مجلس تھی۔ جس میں اول اول بادشاہ کے وہ دوست اور رفیق ہوا کرتے تھے جو فتوحات سلطنت میں اوس کے شریک حال تھے۔ یہ مجلس ہرگز معدوم نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ برخلاف ازیں، اجسقدر بادشاہ امراء بناتا جاتا تھا اوسیقدر اوسکے ارکانمیں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ بڑے بڑے پیشوایان دین، اور اسقفوں اور قسیسوں کے داخلہ سے اوس میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ فی الحقیقت یہ مجلس اسقدر بڑی ہوگئی تھی کہ معمولی معاملات کے لئے وہ ضرورت سے زیادہ عظیم تھی اور سلطنت کے روزمرہ کے کام اسی لئے افسروں کی ایک مختصر جماعت انجام دیتی تھی جسکو دربار کہتے تھے اور یہ بادشاہ کی ذات کیساتھ ہروقت وابستہ رہتی تھی۔ مگر بڑے بڑے اور سنجیدہ موقعوں پر امراکی مجلس کبیر کو ہمیشہ طلب کیا جاتا تھا اگرچہ اوسکے زیادہ غریب ارکان بہت کم شامل ہوتے تھے۔ بس جب بادشاہوں نے قومی مجلس کے قیام کا ارادہ کیا تو قدرتی بات تھی کہ اونھوں نے اپنی مجلس کبیر کو طلب کرلیا۔

قسیسین یعنی پادری

اسی اثناء میں ایک جدید مگر نہایت اہم طبقہ ظہور میں آگیا تھا۔ یعنی شہری اور قصباتی گرجاؤں کے پادری۔ ان لوگوں نے متقی و مخیر آدمیوں کے ہدیوں اور نذرانوں سے بڑی دولت جمع کرلی تھی اور جب تخمینہ لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ مسیحی دنیا کی زمینوں کا پانچواں حصہ کلیسا کے قبضہ میں ہے ٹھیک

اس زمانہ میں جسوقت کا حال ہم قلم بند کر رہے ہیں یعنے (بارھویں اور تیرھویں صدی میں) کلیسا نے یہ طرز عمل اختیار کر لیا تھا کہ وہ سب سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ چند پاپایان روما مسلسل طور پر ایسے گذرے کہ اونکی سرکردگی اور رہنمائی سے کلیسا کے پادریوں نے خود کو دنیوی معاملات سے علٰحدہ کر لیا اور ایک جداگانہ جماعت بنگئے اونھوں نے طریقۂ رہبانیت (شادی نہ کرنا اور تارک الدنیا ہونا) اختیار کر لیا اونھوں نے دنیوی عدالتوں میں مقدمات کی پیروی کرنیسے انکار کر دیا اور سب سے زیادہ یہ کیا کہ اونھوں نے سلطنت کو محصول ادا کرنیسے اس بنا پر انکار کر دیا کہ وہ پاپائے اعظم کو محصول دیتے ہیں۔ اب چونکہ قومی مجالس قائم کرنے سے بادشاہ کا خاص مقصد یہ تھا کہ وہ روپیہ حاصل کرے۔ لہذا صاف ظاہر ہے کہ وہ کلیسا کو خالی کیونکر چھوڑ سکتا تھا۔ اسلئے بادشاہوں نے اصرار کیا کہ تمام پادریوں کے نمایندے پارلیمنٹ میں شریک ہوں۔ اگرچہ پادری لوگ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر اکثر صورتوں میں اونکو حکم کی تعمیل کرنی پڑتی تھی۔

چھوٹے چھوٹے زمیندار

پھر چھوٹے چھوٹے مالکان اراضی کی نمایندگی ہونے لگی انگلستان میں یہ نمایندگی معقول طور پر صرف ایک طریقہ سے ہوتی تھی کسی اور طرح سے نہیں۔ سرکاری افسر کو ہدایت ہوتی تھی کہ وہ علاقہ یا صوبہ سے دو آدمی روانہ کرے لیکن بجائے اسکے وہ "گاؤں والوں" کو روانہ کرے اوس سے کہہ دیا جایا کرتا تھا کہ وہ "نائٹ" (Knight) لوگوں کو یعنی زمینداروں کو بھیجے۔ اس میں شک نہیں کہ اول اول تو گاؤں والے اس بات سے بہت خوش ہوئے تھے مگر بعد میں یہ عمل اونکے لئے بُرا ثابت ہوا۔ دیگر ممالک میں گاؤں والوں کی نمایندگی اکثر انھی کے آدمیوں سے ہوتی تھی۔

شہری اور قصباتی لوگ

آخر میں سرکاری آدمیوں سے کہا جاتا تھا کہ وہ شہروں اور قصبوں کے آدمی بھیجیں۔ ان لوگوں کو انگلستان میں برجسس (Burgess) یا "برگر" (Burghers) یعنی آزاد شہری کہا جاتا تھا۔ اور اس صورت سے قرون وسطی کی پارلیمنٹ مکمل ہوا کرتی تھی اسمیں مختلف طبقات سلطنت کی نمایندگی ہوتی تھی جس میں امراء پادری آزاد

شہری کاشتکار شامل ہوتے تھے - مگر اس کے متعلق دو باتیں قابل توجہ ہیں:-
(ا) عام معنی میں یہ کسی ہر دلعزیز ادارات میں سے نہیں تھی - برخلاف ازیں اپنے ظہور میں آنیسے عرصۂ دراز تک یہ پارلیمنٹ حلقۂ انتخاب اور نمایندگاں دونوں میں غیر مقبول رہی - تمام اضلاع اس سے نفرت کرتے تھے کیونکہ اونکو اپنے نمایندگاں کی اُجرت دینی پڑتی تھی - پادری اوس سے متنفر تھے اس لئے کہ وہ کسی دنیوی حکومت کو تسلیم کرنا نہیں چاہتے تھے - شہر و قصبات اوسکو پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ پارلیمنٹ شہر اور قصبات کو زیادہ شرح سے محصول ادا کرنا پڑتا تھا - اور تمام آدمی اُسکو اسلئے پسند نہیں کرتے تھے کہ اس مجلس کے معنی انکے نزدیک ہمیشہ زیادہ محصول لگانے کے ہوتے تھے - خود پارلیمنٹ کے ارکان محصولات پر رائے دینے کے خیال سے متنفر تھے کیونکہ یہ محصول اونھے انتخاب کنندوں کو ادا کرنے پڑتے تھے - اسلئے اپنے وجود کی پہلی صدی میں پارلیمنٹ بادشاہ کے سخت دباؤ سے قائم رہی - اور اس خیال کا بہترین ثبوت یہ ہے کہ اون ممالک میں جہاں شاہی قوت کمزور تھی آخرکار پارلیمنٹ کے اجلاس ہونے بند ہوگئے - اس خیال کا کہ پارلیمنٹ ایک فوری یا اضطراری جمہوری تحریک کا نتیجہ تھی کوئی شخص بھی جس نے واقعات تاریخی کا ادنیٰ سا بھی مطالعہ کیا ہوگا موید نہیں ہوگا -

(ب) پارلیمنٹ یا کم ازکم اوسکے اوس حصہ کا تعلق جو بذریعۂ انتخابات قائم ہوتا تھا، بجز اسکے اور کچھ نہیں تھا کہ وہ روپیہ دینا منظور کرے - اسمیں شک نہیں کہ طبقۂ امراء بادشاہ کا موروثی مشیر تھا - مگر پادری اور اضلاع اور شہروں کے ممبر (ارکان) اس خصوصیت کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے - کم ازکم پارلیمنٹ کی اوائل عمر میں تو اس قسم کا کوئی خیال بھی پیدا نہیں ہوا تھا - مجلس شوریٰ کی نمایندگی کی بنیاد فی الحقیقت "ذمہ داری" پر تھی "اسکے حقوق امتیازی" نہیں تھے - یہ وہی پُرانی بات تھی کہ بزرگان دیہہ کو گرفتار کرلیا جاتا تھا لیکن کسیقدر شاندار پیمانہ پر -

پارلیمنٹ کی جدید نوعیت

لیکن بسا اوقات ایسا واقع ہوتا ہے کہ کسی بات کا تعین کسی خاص مقصد کے لئے ہوتا ہے اور اوس سے کام دوسرے نکلنے لگتے ہیں - اگر شہروں اور صوبوں کے نمایندے کسی امر میں مشورہ نہیں دینگے تو کم ازکم عرضداشت تو کرینگے - اور عام قاعدہ ہے کہ جن لوگوں سے رقمیں منظور

کرنیکا مطالبہ ہوتا ہے اونکی درخواستیں ہمیشہ زوردار الفاظ میں ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی واقعہ ہوا کہ شہروں اور اضلاع کے نمایندوں نے اکثر باہم ہم آہنگی سے عرضداشت کرنی شروع کی اور بالآخر پارلیمنٹ کے اجلاسوں میں ایک قسم کا کاروبار اور لین دین ہونے لگا یعنی لوگ روپیہ کی رقمیں منظور کر لیا کرتے تھے اور بادشاہ اونکی درخواستیں قبول کر لیتا تھا۔

مگر اب سوال یہ ہوتا ہے کہ ان باتوں سے "وضع قانون" کو کیا تعلق ہے آیندہ ہم دکھلاتے ہیں کہ قانون بنانے سے انکو بہت تعلق ہے۔

درخواستوں کی نوعیت

جو عرضداشتیں پارلیمنٹ کی طرف سے پیش ہوا کرتی تھیں (بیشتر یہ تحریری صورت میں موجود ہیں) اگر ان میں سے دوچار کو لیکر دیکھا جائے تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ان کی آسانی کیساتھ دو قسمیں ہو جائینگی۔ ایک قسم تو وہ ہے جسمیں خانگی درخواستیں ہیں، مثلاً کسی خاص شخص کو وظیفہ عطا فرمایا جائے یا کسی سرکاری ملازم کی تکلیف رسانی کو دور کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ یہ درخواستیں اگر منظور کر لیجائیں، تو انسے بادشاہ کا صرف ایک انتظامی یا عاملانہ منصب ظاہر ہوتا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں شکایت کیجاتی ہے کہ قدیم اور عمدہ رسموں کو توڑ دیا گیا ہے اور درخواست کیجاتی ہے کہ اونکو بحال کر دیا جائے۔ یہ درخواستیں اگر منظور کر لیجائیں تو "اعلانات" ہی منتج ہوتی ہیں یعنی بالفاظ دیگر "قانون سازی" ہیں یہ بات پہلے ہی تسلیم کیجا چکی ہے کہ بادشاہ کو احکام صادر کرنیکا حق و اختیار حاصل ہے۔ بادشاہ چونکہ فوجی سردار ہوتا تھا اسلئے وہ ایسا ہر حکم صادر کرنیکا مجاز تھا جو اوس کے عام طور پر تسلیم کردہ فرائض کے لئے ضروری اور مناسب حال ہوتا تھا یعنی حملۂ غیر کے خلاف مدافعت ملکی اور قیام امن اندرون مملکت۔ اوسکو اختیار تھا کہ وہ بندرگاہوں کو بند کرا دے، قیمتی دھاتوں کی برآمد کو بیچ کر دے قصبوں اور شہروں میں چوکی پہرہ کی ہدایات کرے، قومی فوج قائم کرے، وغیرہ وغیرہ علاوہ ازیں وہ خود اپنے افسروں اور حکام پر قابو رکھنے کے لئے قواعد و ضوابط وضع کر سکتا تھا اور اپنی عدالتوں میں کارروائیوں کو قاعدہ میں رکھنے کے لئے ضابطہ بنا سکتا تھا۔ یہ جملہ اختیارات اوسکے حقوق شاہی کے اندر مضمر تھے۔ اور

ایک معنی میں اسکو "قانون" بھی کہا جاسکتا ہے۔ لیکن جب تک بادشاہی احکام عوام کی درخواستوں سے مل نہیں گئے اوسوقت تک حقیقی طور پر کوئی موثر "قانون" ظہور میں نہ آسکا۔ یعنی ایسی قانون کوئی جسکا انسان کے ہر شعبہ زندگی پر اثر پڑے اور جس سے مبہم اور نامرغوب طریقہ سے رائج شدہ دستور کو ایک واضح اور صاف طور پر ترتیب دادہ اور نافذ کردہ قانون کی صورت میں لایا جاسکے۔ اور یہی بات زمانہ حال کی تمام کامیاب مجالس مقننہ کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں قانون بنانا "تحریر رواج و نفاذ بذریعہ مملکت" ہے۔ جو عقلمند قانون گو ہوگا وہ کبھی کسی قانون کو اپنے دماغ سے پیدا کرنیکی کوشش نہ کریگا۔ جب اوسکے دل میں یہ خیال جم جاتا ہے کہ کسی خاص شکایت کے رفع کرنیکی ضرورت ہے تو اوس بارہ میں تحقیقات کرتا ہے اور معلوم کرلیتا ہے کہ عمدہ اور روشن دماغ طبقہ کے اشخاص اوس شکایت کو رفع کرنیکے لئے اضطراری طور پر کیا تدابیر عمل میں لارہے ہیں۔ اسکے بعد وہ ایک قانون موضوعہ نافذ کرنیکی کوشش کرتا ہے جس میں تمام لوگوں کو روشن دماغ طبقہ کے معیار کے مطابق عمل کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ وہ اعلیٰ قسم کو اپنا نمونۂ عمل نہیں بناتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ لوگوں کے سرگروہوں کے لئے قانون بنانا فضول ہے۔ لیکن وہ عمدہ شہریوں کے طبقہ کو اپنی نظر میں رکھتا ہے اور اصرار کرتا ہے کہ کم درجہ کے آدمی اسی کے نقش قدم پر چلیں۔ لہذا اس تجویز کی وہ لوگ فوراً تائید و حمایت کرتے ہیں جنھوں نے خود اسکو اضطراری طور پر اختیار کرلیا تھا۔ اسپر لوگ لازمی طور پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تدبیر ناممکن العمل ہے مگر اوسکا صاف جواب یہ ہے کہ لوگ اوسپر پیشتر سے عمل کر رہے ہیں۔ اور اس صورت سے یہ تدبیر اوس مضرت رساں اعتراض سے بچ جاتی ہے جو بہتر سے بہتر سیاست داں کی شہرت کو خاک میں ملا دیتا ہے یعنی اوسکا "ناممکن العمل" ہونا۔ ایک مشہور علمی مسئلہ ہے "کہ قانون ساز کی دخل اندازی کے حدود کیا ہیں؟" اسکا معمولی جواب کہیں نہ کہیں مذکورۂ بالا مباحث میں ضرور مل جائیگا۔ ایک حکومت یا کسی غیر ذمہ دار شخص کی طرف سے خیالی قوانین کا تجویز کیا جانا قطعی اس غیر قابل اعتماد مفروضہ پر یقین کرلینا ہے کہ اوس حکومت کے ملازمین یا وہ غیر ذمہ دار شخص قومی معاملات کو خود قوم سے زیادہ بہتر سمجھتے ہیں:-

کثرت راء

آخر میں اب ہم "سیاسی نمایندگی" کے موضوع پر پھر توجہ کرتے ہیں اور ایک خصوصیت کا تذکرہ کرتے ہیں جو ہر ملک کے اندر سیاسی نمایندگی سے ملکر ایک ہو گئی ہے اور جسکے بغیر زمانۂ حال کے معنی میں سیاسی نمایندگی ہرگز کام نہ کرسکتی یعنی "کثرت رائے" والا اصول یہ بات اس زمانہ کے لوگوں کے کانوں کو نا آشنا معلوم ہوگی مگر یہ ہے بیشک صحیح کہ قریب ہی کے زمانہ میں اگر یہ کہا جاتا تھا کہ ایک واقعہ کی حمایت کثرت آراء سے ہوئی ہے تو کوئی شخص اسکو وجہ قبولیت خیال نہیں کرتا تھا۔

جب ہم اس بات کو دیکھتے ہیں کہ قدیم معاشرہ بہت سی مختلف جماعتوں یعنی آدمیوں کے ایسے گروہوں سے جنکے اغراض و مقاصد مشترکہ تھے اور جو مشترکہ طور پر اپنا کاروبار کیا کرتے تھے۔ مرکب تھا یقیناً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان گروہوں میں بھی کوئی طریقہ رفع مناقشات و اختلافات کا بذریعۂ "رائے" ہوگا۔ نہیں۔ بالکل نہیں۔ کیونکہ اگر دستور کے موافق معاملہ کا تصفیہ یا کسی طرح کا اطمینان نہیں ہوجاتا تھا تو اوس زمانہ میں صرف ایک ہی ذریعۂ انفصال تھا یعنی "جنگ" جس میں قوی ترین جماعت من مانی شرائط منظور کرالیتی تھی۔ پرانے زمانہ میں ان معاملات کے لئے صرف دو چارۂ کار تھے یعنی اتفاق آراء یا جنگ۔ یہی وجہ ہے کہ اوس زمانہ کی معاشرت صدیوں تک کیوں حالت جمود میں رہی۔

ابتدائً نمایندگی کے لئے کوئی مقابلہ نہیں ہوتا تھا۔

ہم خیال نہیں کرسکتے کہ ابتدائً جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں "سیاسی نمایندگی" کے لئے لوگ کسی انتخابی مقابلہ کی سخت ضرورت سمجھتے تھے۔ مشکل سے خیال میں آسکتا ہے کہ کوئی شخص ایسے غیر مقبول کام کے لئے جیسا "دیرغمال بننا" یا ابتدائی پارلیمنٹ کی رکنیت کیلئے مقابلہ کریگا! بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شاہی افسر اون لوگوں کو گرفتار کرلیا کرتے تھے جو اون کے خیال میں مناسب معلوم ہوتے ہونگے۔ اور اونکو پکڑ کر جبراً پارلیمنٹ میں بھیجدیتے ہونگے۔ شہروں میں بعض آثار اس بات کے پائے جاتے ہیں کہ ممتاز شہریوں نے اس کام کے لئے باری مقرر کر رکھی تھی۔ ہسپانیہ میں یہ طریقہ زمانۂ حال تک جاری رہا۔ لیکن کم از کم بعض ممالک میں جب لوگوں کے دماغ میں رفتہ رفتہ یہ بات آنے لگی کہ

پارلیمنٹ ایک بہت طاقتور قومی ادارہ ہے۔ اور اسکی رکنیت ایک ایسی چیز ہے جسکی ہر شخص کو خواہش اور تمنا ہونی چاہیے تو "انتخابی مقابلہ" ظہور میں آنے لگا۔ انگلستان کے اندر قدیم سیاسی نمایندگی کی بہترین مثالوں سے جسکے آثار موجود ہیں یہ پایا جاتا ہے کہ پندرھویں صدی کے آغاز میں (جبکہ پارلیمنٹ کو پیدا ہوئے دو صدیاں گذر چکی تھیں) لوگ دارالعوام کی رکنیت کی تمنا کرنے لگے تھے۔ بغیر رضامندی یرغمال بننے کا خیال معدوم ہوگیا تھا۔ "نیابت" کا جدید خیال جو غالباً رومی قانون سے لیکر کلیسا نے رائج کیا تھا۔ پارلیمینٹی نمایندگی کی زیادہ قابل اطمینان تشریح کرنے لگا۔ "نمایندہ" اپنے حلقۂ انتخاب کا قانونی نایب ہوتا ہے اس لئے اوسکے انتخاب کنندوں کو اوس کے منتخب کرنیکا حق حاصل ہے۔ لیکن اگر انتخاب کنندگاں میں اختلاف آرار ہے تو کیونکر کام ہوگا؟ اس سوال سے بہت سی مشکلات رونما ہوتی تھیں۔ اور اگرچہ بدقسمتی سے جیسا کہ اکثر واقعی دلچسپ تاریخی معاملات میں ہوتا ہے ٹھیک ٹھیک شہادت اس امر میں موجود نہیں ہے مگر ہم اپنی فراست سے کام لیکر قیاس دوڑا سکتے ہیں کہ کیا ہوتا ہوگا۔

انتخابی مقابلے

غالباً بہت سے اشخاص نے اس پر غور کیا ہوگا کہ انتخابات کے متعلق جو اصطلاحات استعمال کیجاتی ہیں اون سے خونخواری ٹپکتی ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں سیاسی گروہ کی جنگ آزمائی کے لئے روپیہ "جماعت کا جنگی صندوق" "انتخابات کی مہم" "سیاسی غنیم کا قلعہ" "فریق ثانی کے حلقوں تک لڑنا" "فتح وظفر کیطرف فوجوں کی رہنمائی کرنا" "حلقہ جات انتخاب کا محاصرہ" وغیرہ وغیرہ۔ ان اصطلاحات میں بیشک جدید فن اخبارنویسی کی عبارت آرائی کو بہت کچھ دخل ہے۔ مگر یہ امر غالباً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جسقدر ہم تاریخ ماضیہ کے اوراق الٹتے ہیں اوسیقدر ہمکو ان باتوں کی واقعات کے ساتھ مطابقت نظر آتی ہے۔ یہی اون رسوم و رواج کے آثار کی ایک مثال ہے جو زبان کے اندر باقی رہگئے ہیں اور جو فی الواقع کسی زمانہ میں اصلیت رکھتے تھے۔ قرون وسطیٰ میں اکثر باتیں ایسی ہوتی تھیں جنکا نتیجہ جنگ ہوتا تھا انتخابی مقابلہ بھی ان سے مستثنیٰ نہ تھا۔ فاتح جماعت اپنے مخالفین کو شکست دیتی تھی اونکو جلسۂ انتخاب سے نکالدیتی تھی اور اپنے خاص نمایندہ کو شاہی افسر کے سامنے

پیش کرتی تھی جو اوسکا نام درج کر کے بادشاہ کے میر منشی کے پاس بھیجدیتا تھا۔

لطائف الحیل

لیکن جنگ میں جسقدر دلچسپیاں ہوتی ہیں اوسیقدر خرابیاں بھی ہوتی ہیں۔ خصوصاً اوسوقت جبکہ شاہی افسر سامنے موجود ہو اور جو نقض امن پر جرمانہ کرسکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ لوگوں نے جھوٹ سے کام لینا اختیار کیا۔ جس سے یہ خیال کرلیا جاتا تھا کہ واقعی جنگ ہوئی ہے اور ایک فریق دوسرے پر فتحمند ہوا ہے۔

لیکن کونسا فریق؟ صاف ظاہر ہے کہ اگر باقی امور برابر ہیں، تو وہی فریق غالب ہوا ہوگا جسکے آدمیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اور اسطرح گویا رفتہ رفتہ یہ ایک رسم پڑگئی کہ جہاں جہاں فریقین کا جماعتی جوش کچھ زیادہ قوی نہیں ہوتا تھا وہاں فیصلہ بجائے سر پھٹول کے سر شماری سے کیا جاتا تھا۔ رائے زنی کی بہت سی باتوں اور طریقہ ہائے عمل سے اس بات کی ابتدا معلوم ہوتی ہے۔ اول امتحان "شور غل" تھا۔ خیال یہ تھا کہ اگر کوئی جماعت تعداد میں بہت زیادہ فوقیت رکھتی ہے تو اوسکا شور و غل دوسری جماعت کے شور و غل کو دبا لیگا اور بس زیادہ کارروائی کرنیکی کچھ ضرورت نہوگی۔ مگر شور و غل فی الواقع ہے کیا چیز؟ وہی پرانا نعرہ جنگ ہے اگر اس فیصلہ میں بھی کوئی شک باقی رہجاتا تھا تو دوسرا طریقہ انفصال "صف بندی" ہوتا تھا۔ مگر ہم آجکل پارلیمنٹ کے انتخابات میں ان جنگی صف بندیوں کی اجازت نہیں دیتے کیونکہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں زمانہ قدیم کیطرح لوگ لڑنے مرنے پر تیار نہ ہوجائیں اس لئے کہ ایسی باتوں سے جنگ کی امنگ طبیعتوں میں زیادہ آتی ہے۔ لیکن بعض پر امن مجالس میں عام طور پر یہی طریقہ عمل میں لایا جاتا ہے۔

سیاسی گروہ

اب ہمنے دیکھ لیا کہ اکثریت کا فیصلہ کسقدر بھدا امتحان ہوتا ہے۔ بلحاظ تاریخ اس کی بنیاد کسی اخلاقی خیال پر نہیں ہے۔ نہ اسمیں حریف امیدواروں کی ذاتی قابلیتوں کے فرق کا کچھ خیال رکھا جاتا ہے نہ اونکی فوجی رہنمائی کی لیاقتوں کا۔ حالانکہ اصلی لڑائی میں یہ دونوں باتیں کام میں آتی ہیں۔ مگر یہ تصفیۂ تنازعات کا ایک سادہ اور عملاً بہت مفید طریقہ ہے اور اسکو ایک عالمگیر کامیابی حاصل ہوچکی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ بعض اوقات اس طرز عمل کو

"اپنی ہی اولاد کی اولا شمار کیا جاتا ہے - عموماً کہا جاتا ہے کہ یہ "مساوات انسانی" کا ایک منطقی نتیجہ ہے - اگر تاریخی لحاظ سے دیکھا جائے تو "مساوات انسانی" کا "اصول غلبۂ اکثریت" کے خالص عملی طریقۂ کار کے اختیار کرنیکا نتیجہ ہے - مگر اصول اکثریت کے اختیار کر لینے سے موجودہ سیاسیات میں ایک اور مشہور و معروف ادارہ پیدا ہو گیا ہے یعنی "نظام گروہ بندی" (Party System) نظام گروہ بندی ایک نہایت پیچیدہ طریقۂ کار ہے جسکی غرض یہ ہے کہ جب کبھی رائے حاصل کرنیکی ضرورت پڑتی ہے، تو وہاں کم از کم دو فریق مخالف آپسمیں مقابلہ کرنے کے لیے موجود ہوتے ہیں - اس طریقۂ کار کے خاص فوائد یہ ہیں کہ یہ ادارات نمایندگی کو ایک قسم کا حقیقی رنگ دیدیتا ہے کیونکہ اسکی وجہ سے آدمیوں کی ایک بڑی جماعت سیاسیات میں دلچسپی لینے لگتی ہے - دوسرے اسکے ذریعہ سے حکومت حاضرہ کے کاموں پر موثر نکتہ چینی ہوتی ہے - تیسرے یہ کہ اس سے دولتمندوں اور تعلیم یافتہ اشخاص کی ایک بڑی جماعت کو اپنا حوصلہ پورا کرنیکا موقع ملتا ہے - چوتھے یہ کہ حکومت کے طریق عمل کی مطابقت کی ضامن ہوتی ہے -

لہذا یہ ہر سہ ادارات یعنی (۱) سیاسی نمایندگی، (۲) فیصلۂ اکثریت اور (۳) نظام گروہ بندی موجودہ سیاسی مشین کی خاص کمانیاں ہیں - انکا اطلاق مرکزی اور مقامی حکومتوں پر بھی ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے اور چونکہ یہ ہر قسم کے اغراض و مقاصد کے لیے ٹھیک مطابق ہو جاتی ہیں تو لوگ انکو بسرعت تمام مقاصد بالذات سمجھنے لگے ہیں، حصول مقصد کے آلہائے کار نہیں سمجھتے - اب یہ کہنے کی تو کچھ ضرورت ہی نہیں کہ جب تک اعلیٰ سے اعلیٰ سامان مشین میں نہ لگایا جائے وہ عمدہ نتائج پیدا نہیں کر سکیگی - چنانچہ موجودہ ادارات سیاسی کے ظہور میں آنیکا یہ تاریخی بیان ممکن ہے کہ اسباب میں مدد دے کہ انکو انکے صحیح مقام پر رکھا جائے -

باب ۱۴

مملکت اور انتظام

یہ مضمون بہت مشکل ہے

اب ہم مملکت کی سرگرمیوں کے آخری مگر مشکل ترین شعبہ تک پہونچگئے ہیں۔ اگرچہ دیگر شعبہ جات ہیں جیسے عدل گستری، قانون گوئی، نفاذ آئین و قوانین وغیرہ میں مملکت کو کامل فتح حاصل ہوئی ہے اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوا ہوگا کہ وہ ہر دلعزیز نہ ہوگئی ہو مگر اوس وسیع محکمہ کے متعلق مملکت کو ایسی کامیابی ہرگز حاصل نہیں ہوئی جسکو ہم "انتظام" کہتے ہیں۔ فی زمانا بہت کم آدمی ایسے ہیں جو کسیقدر سنجیدگی کیساتھ یہ بحث کرتے ہیں کہ خانگی عدالتیں یا خانگی قانونی جماعتیں مفید ہونگی مگر بہت سے آدمی واقعی ایسے ہیں جو شدت کیساتھ یہ بحث کرتے ہیں کہ گھریلو انتظامات مذہبی معاملات، اور صنعتی حرفتی و تجارتی امور میں مملکت کا مداخلت کرنا سخت مضرت رسان ہے اور اس مداخلت کو کم سے کم کر دینا چاہیئے۔ اسلئے اصولی اور اعتقادی بحث سے قطعی قطع نظر کر کے ہم اس باب کو کامل طور پر اوس طریقہ عمل کے مختصر بیان تک محدود کر دینگے جس سے کام لیکر مملکت نے اپنی موجودہ انتظامی حیثیت حاصل کر لی ہے:۔

مملکت کی ابتدائی نوعیت

ایک بار ہم پھر اوسی واقعہ کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ مملکت بلحاظ ابتداء ایک فوجی نظام تھا۔ اپنے قیام سے مدت تک یہ سپاہیوں اور افسروں کی ایک چھوٹی سی جماعت تھی جسکا سردار اعلیٰ بادشاہ تھا اور یہ جماعت لوگوں کی ایک بہت بڑی جمعیت پر جو کسی خاص علاقہ میں بستی تھی بالجبر تسلط رکھتی تھی۔ یہ بات صرف آہستہ آہستہ اور بتدریج پیدا اور مختلف ذرائع کا نتیجہ ہوئی کہ سیاسی نمایندگی کے ذریعہ سے مملکت نے اپنے اندر اون لوگوں کو جذب کر لیا جنپر کسی زمانہ میں وہ حکومت کیا کرتی تھی۔ اب کوئی شخص صحیح طور پر رکن مملکت نہیں کہا جا سکتا جب تک مملکت کی پالیسی (حکمت عملی) کی رہنموئی میں اوسکو کچھ دخل حاصل نہ ہو

یہ بھی ہم دیکھ چکے ہیں کہ ابتدائے مملکت نے اپنا کام اس غرض کے انجام دینے سے شروع کیا تھا کہ وہ خارجی طور پر صلح اور داخلی طور پر امن رکھیگی۔ اور یہ امر فطری تھا کہ انتظام مملکت میں اوسکی ابتدائی کوششیں اسی فرض سے گہرا تعلق رکھیں۔ سوائے اسکے کہ اپنے فرض کی ادائی کا بہانہ ڈھونڈے اوسکے پاس اپنی رعایا کے جان ومال میں دخل دینے کے لئے عذر نہ تھا۔

ذرائع آمد و رفت

یہی واقعہ تھا جسکی وجہ سے مملکت نے ذرائع آمد و رفت کو نشو ونما اور ترقی دینے میں اول اول سرگرمیاں دکھلائیں "شاہراہ" کو اب بھی خاص ذریعہ عام آمد و رفت کا سمجھا جاتا ہے لیکن تاریخی لحاظ سے اگر اسکو دیکھا جائے تو اسکی تعمیر اور نگہداشت محض اس غرض سے ہوئی تھی کہ شاہی افواج کی آمد و رفت ہو سکے۔ اوس زمانہ میں جبکہ ایک ملک کے مختلف اقطاع کے درمیان تجارتی تعلقات کا وجود قطعی مفقود تھا ایسے زبردست مصارف کی سڑکوں کا تجارتی اغراض کے لئے دل میں خیال بھی نہیں آسکتا تھا۔ مگر سڑکیں اوس بادشاہ کے لئے سخت بیش قیمت چیز تھیں جو اپنی فوجوں کو نقل و حرکت میں لانا چاہتا تھا۔ اور جن سلطنتوں کا انتظام عمدہ تھا وہ نہایت احتیاط کیساتھ اپنی سڑکوں کی حفاظت کرتی تھیں۔ ایسی ہی نگرانی اور نگہداشت بڑے بڑے پلوں کی کیجاتی تھی کیونکہ وہ بھی دریاؤں کے اوپر سڑکیں ہیں۔ انگلستان میں مقامی حکومت کے وجود کی حقیقت کی یہ قوی ترین شہادت ہے کہ تمام شاہراہوں اور پلوں کی نگرانی مقامی حکام کے سپرد ہوتی ہے۔ قریب قریب تمام دیگر ممالک میں خود سلطنت ان چیزوں پر اپنا براہ راست تسلط رکھتی ہے:۔

ڈاک

ذرائع آمد و رفت کی ترقی میں آیندہ بھی یہی خیالات عمل پذیر رہے اگرچہ اون میں کسیقدر اصلاح ہوگئی تھی۔ سب سے پہلے ڈاک کا انتظام شاہی قاصدوں سے لیا گیا تھا۔ اور اگرچہ انگلستان میں ریلوں کا انتظام خود سلطنت نہیں کرتی اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انگلستان کا دارومدار بجائے بری قوت پر ہونے کے بحری قوت پر ہے لیکن براعظم یورپ میں اکثر ان کا انتظام سلطنت کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اور اس میں بہت کم شک ہو سکتا ہے کہ "فوجی انتظامات" کا خیال ریلوں کے انتظام پر زیادہ موثر ہوتا ہے۔ آخر میں یہ بھی لکھ دینا چاہئیے

کہ بڑی وکبسری تا ر ون کا سلسلہ اکثر حالتوں میں خود سلطنت کے زیر اہتمام ہوتا ہے

پولیس

اندرونی جانب مملکت کے اس ابتدائی غرض نے کہ وہ داخلی طور پر قیام امن رکھے پہلے ہی اوس کام کو بہت زبردست نشو ونما دے لی تھی جسکو عرف عام میں انتظام پولیس کہتے ہیں۔ اگر ایک پہلو سے دیکھا جائے تو اسکو عدل گستری کا ایک شعبہ کہا جاسکتا ہے جو آخر میں اگر فرائض مملکت میں خاص طور پر داخل ہوگیا۔ لیکن دوسرے پہلو یعنی انسدادی لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو محکمہ پولیس کو ایک مخصوص بالذات خصوصیت حاصل ہے جو اوسکو عام عدالتی کام سے ممیز کرتی ہے اگر انگلستان کے اندر ولیم فاتح کے رات والے گھنٹے کے قواعد (Curfew) جبریہ چوکیداری، اور مصالحت کنن جماعتوں کے قیام کو دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ مملکت نے بہت ہی پہلے زمانہ میں انسداد جرائم اور سزادہی نقض امن کی وقعت کو محسوس کر لیا تھا۔ مملکت کے نافذ کردہ منڈیوں اور میلوں کے قواعد، اجنبیوں کو پناہ دینے پر ناگوار قیود اور سزاؤں کے انتظام کے سخت قواعد یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو انتظام پولیس کی ابتدائی نشو ونما سے تعلق رکھتی ہیں۔ براعظم یورپ پر جیساکہ معلوم ہے، ان انسدادی تدابیر نے تو بہت وسعت حاصل کر لی تھی اور مملکت کی ہر قسم کی بیہودہ مداخلت کا ان کو ایک بہانہ بنا لیا گیا تھا۔ مگر انگلستان میں نہایت دانشمندی کیساتھ اس کام کو زیادہ حد تک مقامی حکام کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا گیا تھا اور مرکزی حکومت کا کام محض تسلط یا نگرانی کرنا تھا۔

مالگزاری

حفاظت جان اور امن و امان کے بعد مملکت کا تعلق خاص طور پر معاملات مالگزاری یا محاصل سلطنت سے تھا بیشک اسی اہم غرض و مقصد کو نشو و نما دینے کی خواہش تھی کہ سلطنت نے ابتدا میں بہت کچھ سرگرمیاں دکھائیں جنکو اگر سطحی نظر سے دیکھا جائے تو اون میں رفاہ عام یا زمانہ حال کی اصطلاح میں مملکتی اشتراکیت کی جھلک نظر آتی ہے۔ اسی خواہش جلب زر سے ہم بہت سے ایسے ابتدائی احکام مملکت کا تعلق دکھلا سکتے ہیں جو اوزان، پیمانوں، قیمتوں، عمدگی جنس اور خصوصاً "ٹکسال" کے متعلق جاری تھے۔ جس زمانہ میں مملکت کے محاصل جنس کی صورت میں لیے جایا کرتے تھے تو یہ امر نہایت لازمی تھا کہ پیمانوں اور قیمتوں کے معیار کو

عام طور پر تسلیم کیا جائے - چونکہ ان چیزوں کے اندر مقامی لحاظ سے ہر جگہ کچھ نہ کچھ رواجی فرق ہوتا تھا اس لئے شاہی ملازموں کو سخت پریشانی لاحق ہوتی تھی - اسلئے خود اپنے حسابات میں سہولت پیدا کرنیکی غرض سے مملکت نے اس امر پر اصرار کیا کہ بعض پیمانوں اور اوزان کو عام طور پر تسلیم کر لیا جائے اور اسی وجہ سے اگر کوئی شخص پرانے رواج کی طرف رجوع کرنیکی کوشش کرتا تھا تو اوسکو سزا دیجاتی تھی - جب محصولات سلطنت سکۂ زر کی صورت میں وصول کئے جانے لگے تو اس یکسانیت کی ضرورت اور بھی زیادہ ظاہر ہوئی - اسلئے سلطنت نے (اگرچہ بغیر سخت جد وجہد کے نہیں) یہ انتظام کیا کہ ٹکسال کا اجارہ خود اپنے ہاتھ میں رکھا - سلطنت کے اُس عمل سے جو بڑا آرام عوام الناس کو پہونچا اوس کو اسوقت عام طور پر تسلیم کیا جا رہا ہے مگر سلطنت کی (حکمت عملی) کا اصلی مقصد یہ نہیں تھا -

اہل معاملہ کا رشک وحسد

تیسرا اور بہت قوی خیال جسکی وجہ سے مملکت نے انتظامی امور میں مداخلت کی یقیناً یہ تھا کہ حریف اہل معاملہ ایکدوسرے سے رشک وحسد کیا کرتے ہیں جو ادارات پر انتہائی اثر انداز ہوتا ہے جیسے کہ خود اشخاص پر اب خود مملکت یقیناً ایک ادارہ ہے مگر یہ وہ ادارہ ہے جو انسانوں سے مرکب اور اونھیں کے ہاتھوں چلتا ہے - لہذا اگر اسکا تعلق خواہشات انسانی سے ظاہر کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے - ہمنے دسویں باب میں دیکھ لیا ہے (جسمیں ہم نے خیال مملکت کی نشو ونما پر بحث کی تھی) کہ کسطرح بوجہ سلطنت کی عملی کارروائیوں کے جماعت ہی کا خاتمہ ہو گیا بحیثیت ایک گروہ مردمان جو ایک آقا کے ماتحت ہیں مملکت کو یوروپ کی اوس زبردست مصیبت سے بہت قوی امداد ملی جو یوروپ پر چودھویں صدی مسیحی میں پڑی تھی - یہ ایک عالمگیر طاعون تھا جسکو عرف عام میں "کالی وبا" کہتے ہیں اور جسکے بارہ میں خیال کیا جاتا ہے کہ اسنے اکیلے انگلستان میں ایک ثلث یا نصف آبادی کو صاف کر دیا تھا - اس ابتلائے عظیم کا صدمہ سب سے زیادہ مزدوری پیشہ طبقات پر پڑا تھا جسکا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ مزدوروں میں بے انتہا کمی واقع ہو گئی تھی اس کمی کا اثر زیادہ تر زراعت پیشہ اضلاع میں محسوس ہوا اسلئے کہ جو کچھ بھی مزدور پیشہ لوگ وبا سے بچگئے تھے وہ اہل حرفہ کی جگہ لینے کے لئے شہروں اور قصبوں میں چلے گئے

مالکان اراضی اس بات سے اسقدر متاثر اور مایوس ہوئے کہ اونھوں نے امداد واعانت کے لئے مملکت سے استدعا کی اور مملکت نے جو خود مداخلت کرنے پر مائل تھی نہایت سخت قواعد نافذ کرکے تمام مزدوروں کو مجبور کیا کہ وہ پُرانی ہی شرائط پر مزدوری کریں اوسوقت سے آجتک ہمیشہ مملکت نے ضابطہ وآئین مزدوراں کو اپنے فرائض میں داخل سمجھا ہے۔ اس کارروائی کا براہ راست اثر تو خواہ مخواہ یہ ہوا کہ قدیم "زرعی غلامی" کے تعلقات ٹوٹ گئے اور اونکے بجائے شاہی ملازمان کے قرار دادہ ضوابط مزدوراں قائم ہوگئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سرکاری ملازم نئی صورت میں پُرانے جاگیردار آقا تھے اور اسطرح درحقیقت زرعی غلامی کے رواج کو مٹتے مٹتے بھی عرصہ لگ گیا۔ اور فی الواقع مملکت کی مداخلت سے مزدوروں کی معاشی حالت میں کوئی اصلی ترقی نہ ہوئی کیونکہ اسکا تعین محض معاشی حالات سے ہوتا ہے۔ اتنا ضرور ہوا کہ مزدوروںکی قانونی حیثیت بدل گئی :-

اہل حرفہ کی انجمنیں

بالکل یہی حکمت عملی کچھ دنوں بعد شہری مزدوروں کے بارہ میں اختیار کی گئی تھی۔ اہل حرفہ کی انجمنوں کو بھی وبا سے سخت نقصان پہونچا تھا۔ مگر اونمیں بمقابلہ دیہات کے بہت زیادہ جان تھی اور جس چیز نے اونپر آخری ضرب لگائی وہ پندرھویں اور سولھویں صدیوں کے جغرافیائی انکشافات تھے جغرافیائی انکشافات کے ساتھ ساتھ تجارت کی بھی وسعت ہوتی گئی اور اسکا انتظام کرنا پُرانی حرفتی انجمنوں کے قبضہ سے باہر تھا۔ اب سوداگروں کا ایک نیا طبقہ پیدا ہوگیا جو انجمن تجار کے نظام کے معمولی قیود کو بنگاہ نفرت دیکھتا تھا کم از کم اوس حدتک کہ وہ اونکے اغراض میں خلل انداز ہوتے تھے۔ اگرچہ وہ اون جدید تجارتی کمپنیوں کے لئے جو اونھوں نے بنائی تھیں خود اسی قسم کے حقوق قبول کرنیکو رضامند تھے۔ اوسوقت ایک بات اور بھی تھی اور وہ یہ کہ پُرانی انجمنیں مذہب رومن کیتھولک سے بہت کچھ میل جول رکھتی تھیں اور یہ واقعہ خصوصاً پروٹسٹنٹ ممالک میں اونکے خلاف بہت زیادہ گذرا۔ بالآخر پُرانی انجمنوں کو مملکت نے منتشر کرہی دیا کیونکہ وہ اوسوقت اہل حرفہ کو قابو میں رکھنے کے لئے اونپر کچھ قواعد وضوابط نافذ کرنے پر مجبور ہوگئی تھیں اور اون قواعد کو اپنے افسروں کے ذریعہ سے تعمیل کرانا پڑا تھا۔ ان

دونوں صورتوں میں ہمکو حکومت کی صاف حکمت عملی نظر آتی ہے یعنی درمیانی قوتوں کو توڑنا اور خود اپنا تعلق لوگوں کی ذات سے پیدا کرنا۔ اس حکمت عملی کی عمدہ ترین مثال الیسٹ انڈیا کمپنی کا توڑ دینا ہے۔ جو فی الحقیقت اوسوقت تک جبتک اوسکا تجارتی اجارہ قائم رہا ایک عظیم الشان تجارتی انجمن تھی۔ زمانۂ حال کے "اتحادات تجارتی"[1] کے خلاف جو مملکت نے کھلم کھلا مخالفانہ کارروائی کی تھی اوسمیں بھی یہی حکمت عملی جلوہ گر تھی۔ اور اگر آدم اسمتھ کی کتاب موسومہ (ویلتھ آف نیشنز) "دولت اقوام" نے مملکت کی مداخلت کا انگلستان اور براعظم یورپ پر ردِ عمل نہ کیا ہوتا تو ایکبار خلاف کارروائی ضرور کیجاتی۔ اب گویا مملکت ایک بہت مشکل مسئلہ سے ہاتھ اوٹھانا چاہتی ہے اور صنعت و حرفت کے معاملات سے اپنی غیر جانبداری کا اعلان کرتی ہے۔ مگر بدقسمتی سے پرانی مزدور جماعتوں کو تباہ کر کے مملکت نے اپنے خلاف ایک ہوّا کھڑا کر دیا ہے اور اب اوسکو اپنی حکمت عملی کے نتائج خود بھگتنے چاہئیں۔

قانون مفلسین

اتفاق کی بات ہے کہ مملکت کے عمل سے اوس زبردست مسئلہ کی بھی تخم پاشی ہو گئی جسکو گداگری یا بالفاظ دیگر مملکت کی طرف سے مجبور ضرورت مندوں کی اعانت کہتے ہیں ظاہر ہے کہ افلاس مملکت کا پیدا کردہ نہیں ہے مگر چونکہ اوسنے یہ خاص ادارات جیسے نظام دیہی، خانقاہیں اور انجمن تجار وغیرہ جو مساکین کا انتظام کیا کرتی تھیں توڑ دی ہیں اسلئے عملاً تمام ذمہ داری مملکت پر عائد ہو گئی ہے۔ اور یہ وہ ذمہ داری ہے جسکو توجہ اوس کے دوررس نتائج کے مملکت اپنے سر لیتے ہوئے ہمیشہ ہچکچاتی ہے تقریباً تمام صورتوں میں جس جس مقام پر قانون مفلسین نافذ ہے مملکت نے اوسکو مقامی حکام کے ہی ہاتھ میں رکھا ہے۔ مرکزی حکومت کا کام صرف نگرانی اور نکتہ چینی کرنا ہے۔ یہ واقعی بہت سے وجوہ سے نہایت دانشمندانہ پالیسی ہے۔ کیونکہ امداد مفلسین ایسی چیز ہے کہ اگر بددیانتی اور ریاکاری کو پھیلنے نہ دیا جائے تو اوسکے لئے دقیق مقامی معلومات کی سخت ضرورت ہے۔ اگر مقامی انتظام کے ذریعہ سے

---

[1] جو انیسویں صدی کے آخر میں وجود میں آئے تھے۔

بھی امداد مفلسین کیجائے تو جو خطرات اوس سے نتیج ہو سکتے ہیں اونکی تشریح اوس ہولناک صورت حالات سے بخوبی ہوتی ہے جو سنہ ۱۸۳۲ء میں اصلاح یافتہ پارلیمنٹ کے ظہور کے بعد نصف صدی تک انگلستان میں قائم رہی تھی سنہ ۱۸۳۴ء میں قانون مفلسین کی عظیم رپورٹ نے ظاہر کیا تھا کہ قانون مفلسین سے بس پردہ انگلستان کے زراعتی اضلاع میں عملاً ایک نہایت نقصان رساں ذلیل قسم کی اشتمالیت قائم ہوگئی ہے۔ یہ امر بہت معنی خیز ہے کہ جدید نشو ونما اور ترقی یافتہ ممالک میں جیسے کہ برطانیہ کی نوآبادیات، مملکت نے بلا استثنا امداد مفلسین کی ذمہ داری اپنے سر لینے سے انکار کردیا ہے۔ اور یہ امر اور بھی زیادہ قابل توجہ ہو جاتا ہے جب ہم اون ممالک میں طبقہ غربا کے سیاسی اثر اور مملکتی اشتراکیت کیطرف اوسکا رجحان طبیعت دیکھتے ہیں۔

آفت ناگہانی

ایک مرتبہ یہ امر پھر ظاہر کردینا چاہیے کہ جب کوئی زبردست اور ناگہانی آفت رونما ہوئی ہے تو ہمیشہ جب سے کہ مملکت کی زبردست طاقت عام طور پر مسلم ہو چکی ہے، اوسوقت سے مملکت نے اپنی انتظامی سرگرمی میں معتد بہ اضافہ کا اظہار کیا ہے۔ لہذا یہ امر یقیناً فطری ہے کہ ایسے مشکلات کے زمانہ میں، بلا ذکر نتائج، لوگوں کے دل و دماغ امداد و اعانت کے لئے خود بخود ایک ایسے طاقتور ذریعہ کی طرف رجوع ہو جاتے ہیں جس سے وہ بخوبی واقف ہیں۔ اور جسقدر زیادہ قابل اور کارکن مملکت ہوگی اوسیقدر زیادہ اوس سے امداد و اعانت کی درخواست کیجائیگی۔ چودھویں صدی کے طاعون کے زمانہ سے اونیسویں صدی کے ہیضہ کے زمانہ تک ایک سا ہی قصہ چلا آتا ہے۔ آج یا پچھلے کل قحط پڑا ہر سو ایک عالمگیر آگ لگ گئی، جانوروں میں بیماری پھیلگئی، دریاؤں میں طغیانی آگئی یا طوفان باد و باراں برپا ہوگیا، لوگوں کی انفرادی کوششیں ناکامیاب ہوئیں اور مجبوراً مملکت کو امداد و اعانت کے لئے ہاتھ بڑھانا پڑا اور نظام مملکت کی آیندہ دفع ضرر کے لئے مستقل تنظیم کرنی پڑی۔ اسکی بہترین مثال انگلستان میں صحت عامہ کا وسیع اور پیچیدہ محکمہ ہے جو اوسوقت سے جبکہ اونیسویں صدی کے وسط میں ہیضہ پھیلا تھا بہت سرعت کیساتھ بڑھگیا ہے۔

انتظام مملکت کا جدید پہلو

یہ بھی واضح ہونا چاہیے کہ زمانہ حال کی "سیاسی نمایندگی" کی زبردست نشو ونما سے انتظام مملکت کے مسئلہ نے ایک قطعی جدید نوعیت

اختیار کرلی ہے۔ جب عملۂ مملکت صرف ایک مٹھی بھر سرکاری عہدیداروں اور حقوق یافتہ زمینداروں پر مشتمل تھا جو افسروں ہی میں سے پیدا ہوگئے تھے تو انتظامی سرگرمیوں کی وسعت کو درحقیقت رعایا کے وسیع طبقات کی روزمرہ کی زندگی میں اس محدود طبقی مداخلت کی توسیع خیال کیا جاتا تھا علاوہ ازیں یہ ایک اس قسم کی مداخلت تھی جس کو خواہ اوسکی غرض و غایت عمدہ ہی کیوں نہ ہو مگر اون لوگوں کے حالات کے تفصیلی ماحول کی لاعلمی کی وجہ سے جنکو اوس سے فائدہ پہونچانا مقصود ہوتا تھا ہمیشہ نقصان ہی پہونچتا تھا۔ مگر اب چونکہ مملکت کے عمال میں طبقۂ رعایا کا بہت بڑا عنصر شامل ہے، اور اوسط درجہ کا شخص بھی بذریعۂ انتخابات اور اخبارات اپنی آواز موثر طور پر سنوا سکتا ہے، اس لئے مملکت کی مطلق العنان اور بغیر واقفیت حال مداخلت کا خطرہ بہت کم ہوگیا ہے اب بیشک اسی قسم کے خیالات ہیں جنکی وجہ سے اون جماعتوں میں جن میں متوسط الحال شخص اپنی قوت کو محسوس کراسکتا ہے مملکت کی مداخلت نے اسقدر مقبولیت اختیار کرلی ہے۔ واقعی اس قسم کی جماعتوں میں اکثر کہا جاتا ہے کہ مملکت سرکاری اغراض کے لئے تنظیم یافتہ فن کا نام ہے۔ اور اس لئے اوسکا عمل ضرر نہیں پہنچاتا اس میں کوئی شک نہیں کہ اگرچہ یہ رائے ایک بڑی اہم حقیقت پر مبنی ہے مگر اس میں بعض مغالطے ہیں جنکو آخر میں ظاہر کردینا چاہیئے۔ انتظام مملکت کے لئے جامع و مانع حدود قائم کرنیکی کوشش کرنا تو ایک قسم کا غلو ہوگا۔ لیکن اگر ایمانداری کیساتھ ان خطرات کو تسلیم کرلیا جائے جو اوسپر عائد ہوتے ہیں تو کسی خاص تجویز پر اپنی رائے قائم کرنے میں یہ بات ایک شہری کے لئے مفید رہنما ثابت ہوگی:۔

بحث میں مغالطے

اول تو یہ کہ موجودہ حالات میں بھی مملکت اور قوم ایک نہیں ہیں خود اون ممالک میں بھی جہاں نام نہاد "ارائے دہی عام" کا رواج ہے۔ پارلیمنٹ میں حق رائے دہی (بجز چند حالتوں کے) عورتوں کو حاصل نہیں [1] ہے۔ اور اگر بعض ملکوں میں جیسے نیوزیلینڈ عورتوں کو آزادی انتخاب حاصل بھی ہے۔ تو وہاں اب بھی بہت سے باشندے ایسے ہیں جو براہ راست حکومت کے کام میں شریک نہیں ہوتے۔ واقعی یہ بات تو کہی جاسکتی ہے کہ ان ملکوں میں اون سب

[1] پچھلی جنگ کے بعد اکثر متمدن اور آزاد ممالک میں عورتوں کو حق رائے دہی حاصل ہوگیا ہے۔ — مترجم

آدمیوں کو حق رائے دہی حاصل ہے جو اوس سے کام لینے کے اہل ہیں۔ مگر یہ ایک بہت بڑا سوال چھیڑتا ہے۔ اب یہ بات رہگئی کہ خود اون ملکوں میں جہاں برائے نام "حق رائے دہی عام" موجود ہے انتظام سلطنت کی توسیع اس امر کی مرادف ہے کہ بعض لوگوں کی آزادی عمل میں دیگر اشخاص کی مداخلت بڑھجاتی ہے۔ ایسے ملکوں میں جیسے انگلستان اور اطالیہ جہاں پارلیمنٹری حق رائے دہی ایک زیادہ محدود بنیاد پر قائم ہے یہی حقیقت زیادہ موثر طور پر صادق آتی ہے:۔

علاوہ ازیں اگر ہم یہ بات تسلیم بھی کرلیں کہ مملکت اور قوم ایک ہی ہیں تو بھی ہم یہ تسلیم کرنیسے بہت دور ہیں کہ مملکت کی مداخلت، خصوصاً انتظامی معاملات میں، لازمی طور پر ایک اچھی بات ہے۔ وضع قانون خصوصاً اگر وہ قوم کے روشن ترین دماغوں کی "پالیسی" روش اختیار کرکے اوسکو عملی صورت دے، کسیقدر جداگانہ نوعیت رکھتی ہے۔ عام طور پر وضع قانون میں شہریوں کو محض عام ہدایات دیجاتی ہیں اور اونکو اپنے ہی نفع و نقصان پر اون ہدایات کی تعمیل کرنی پڑتی ہے۔ مگر انتظامی سرگرمی صرف ہدایات ہی صادر نہیں کرتی بلکہ شہریوں کے سر پر کھڑی ہوکر دیکھتی ہے کہ وہ اونکی تعمیل بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ بالفاظ دیگر وضع قانون تو شہری کو عاقل انسان خیال کرتی ہے اور انتظام سلطنت اوسکو بچہ سمجھتا ہے۔ تاہم معاملات قانون میں بھی بجائے مقولوں کے اگر نشو ونما کے عمل کو تعمیل ہدایت کے لئے عملی مثالوں کی تقلید کی اجازت دیجائے تو بیجا نہ ہوگا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انتظام میں مملکت کی طرف سے ہر وقت لوگوں کی نگرانی اور رہنمائی سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کمزور نمونہ کے شہری پیدا ہوتے ہیں جو ہر وقت ہدایات کے محتاج رہتے ہیں اور اپنی مدد آپ کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ یہ بات "براعظم یورپ" کے اون ممالک میں زیادہ نمایاں ہے جہاں مملکت کا زور زیادہ ہے مگر ایسے ممالک میں بھی جیسے آسٹریلیا ہے یہ بات قابل توجہ ہے جہاں روایات آزادی زیادہ عمدہ ہونی چاہیے تھیں:۔

آخر میں یہ کہدینا چاہیے کہ آجکل جو لوگ مملکتی انتظام کی بغیر سوچے سمجھے حمایت کرتے ہیں وہ اس مغالطہ پر پردہ ڈالتے ہیں کہ سرکاری حکام کا انتظام بہ نسبت خانگی

انتظام کے لازمی طور پر زیادہ موثر ہوتا ہے۔ بعض صورتوں میں تو واقعی اس خیال کیلئے معقول وجوہ موجود ہیں۔ کوئی شخص قدرتاً اون رسوم ورواج کو توڑتے ہوئے گھبراتا ہے جنکو وہ جماعت کے لئے مضر بلکہ خود قانون کے خلاف سمجھتا ہے۔ خوش انتظام ممالک میں سرکاری افسر اس قسم کے ضعیف خیالات نہیں رکھتا۔ علاوہ بریں ملازمان سرکاری کے طبقات اعلیٰ میں اکثر اشخاص ایسے ہوتے ہیں جنہیں اصلی قومی جوش، اعلیٰ قابلیت اور خاص تربیت ہوتی ہے۔ اونکی حیثیت کی عزت اوس جوش کی کمی کی تلافی کر دینے کے لئے کافی ہے جو بلحاظ فطرت انسانی، جیسا کہ سبکو معلوم ہے، عموماً اوس ذاتی منافع کے حاصل کرنے کے لئے پیدا ہوتا ہے جو قابلیت اور جانفشانی کا ثمرہ ہے۔ لیکن سرکاری ملازمت کے ادنیٰ طبقات میں ان خیالات کی قوت تیزی کیساتھ کمزور پڑ جاتی ہے، خصوصاً اوسوقت جبکہ مملکت کا حلقہ عمل بہت زیادہ وسیع ہو۔ مملکت کو مزدوروں سے کام لینے میں خانگی مالکان سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے کیونکہ وہ بمقابلہ مملکت کے زیادہ پسندیدہ معاوضہ عطا کر سکتے ہیں۔ مملکت کو اپنے عمال کی سستی اور ناقابلیت کے دریافت کرنے میں اسقدر دلچسپی نہیں ہوتی جسقدر کہ خانگی مالکان کو ہوتی ہے اور نہ عموماً اُسکو اسقدر سہولتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اوسکے لئے روزمرہ کے قائم شدہ رسمی طریقہ سے کام کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ بعض اوقات اپنی بدنامی سے بچنے کے لئے اوسکو تحقیقات پر پردہ ڈالنا پڑتا ہے اور وہ (یعنے مملکت) عجیب طرح سے خارجی اثرات کے ماتحت ہے۔ ایک انتظامی محکمہ کا افسر اعلیٰ اکثر بحالت مجبوری اپنے ماتحتوں کو ایسے افعال کرنیکا موقع دیدیتا ہے جنکو وہ اپنے خانگی کام میں ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ کرتا۔ انھیں باتوں میں اس امر کا بھی اضافہ کر لینا چاہیئے کہ بوجوہ چند در چند بہت سی صورتوں میں مملکت اپنے چھوٹے افسروں کو میعاد خدمات کی ضمانت نہیں دے سکتی اور اسی وجہ سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ حقیقی طور پر مستحق طبقہ کے لئے سرکاری ملازمتوں میں بہت کم کشش ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے سرکاری افسر اکثر حالتوں میں (گو بہت سے عزت دار لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں) سست، بیوقوف یا بد دیانت ہوتے ہیں اور اسی لئے ناقابل خدمت۔ بالفاظ دیگر مملکت کی غیر محدود توسیع انتظام کی جان ایک ناگوار مخمصہ میں پھنسی ہوئی ہے۔

ان انتظامات کو اوسوقت تک صورت عمل میں لانا مناسب نہیں ہے جب تک کہ ترقی اخلاق وتعلیمات سے مردوزن کی ایک لامحدود تعداد ایسی پیدا نہ ہوجائے جو قلیل معاوضہ پر مملکت کی بڑی خدمات کو زیادہ قابلیت اور کامل ایمانداری سے انجام دے سکے۔ اور جب اس قسم کے اشخاص کافی تعداد میں پیدا ہوجائینگے اوسوقت مملکت کی مداخلت میں توسیع کرنیکی ضرورت بھی محسوس نہ ہوگی :۔

ہم ایک بار اس بات کو پھر تسلیم کئے لیتے ہیں کہ انتظام مملکت کی مناسب حدبندی کے لئے اصولی بحث میں بڑا نا یدترین قسم کا غلو اور عبارت آرائی ہوگی لیکن فہیم اور دقیقہ شناس اشخاص اس بات کو غالباً تسلیم کرینگے کہ جبتک اشد ضرورت محسوس نہ ہو توسیع انتظام مملکت کی تجویز کا خیال ہی نہ قائم کیا جائے یعنی اگر کیا جائے تو اوس صورت میں کہ مقصد مطلوبہ بہ نسبت طریقۂ کار کے زیادہ وقعت رکھتا ہو جس میں یکسانی کی بمقابلۂ جدت کے زیادہ ضرورت ہو اور جسمیں اخلاقی لحاظ سے اس بات کا یقین ہو کہ مملکت کا عمل (خانگی) انتظام سے زیادہ موثر ہوگا :۔

باب ۱۴

سیاسی معاشرہ کی قسمیں

مملکتوں کی قدیم تقسیم

چند سال قبل یہ بات ضروری خیال کیجاتی تھی کہ سیاسیات کی ہر بحث کو حکیم ارسطو کے مشہور و معروف مضمون کا اعادہ کرنیکے بعد شروع کیا جاتا تھا جس میں اوسنے مملکت کی تقسیم حکومت ملوکی حکومت ایمائی اور حکومت عموم یا دولت عامہ میں کی ہے اس بات کی یقینی علامت کہ ہمارا علم سیاسیات گذشتہ چند سال سے بہت زیادہ ترقی کرچکا ہے یہ واقعہ ہے کہ یہی ارسطو والی پرانی تقسیم جو کسی زمانہ میں اسقدر مشہور تھی اب گلدستۂ طاق نسیاں ہوگئی ہے۔ نہ تو یہ تقسیم قطعاً جامع و مانع ہے اور نہ کچھ بہت زیادہ مہتم بالشان ہے، خواہ ارسطو کے زمانہ میں اسکی کچھ ہی وقعت ہو۔ اس تقسیم سے زیادہ وہ باہمی شد و مد کا مناظرہ بھی فراموش ہوگیا ہے جو اس بارہ میں ہوا کرتا تھا کہ مملکت کی ان مختلف تین قسموں کی نسبتی قدر و قیمت کیا ہے۔ اب آہستہ آہستہ مگر یقیناً لوگ اس دانشمندانہ نتیجہ تک پہونچ رہے ہیں کہ کسی قسم کی حکومت کو بھی کامل طور پر بہترین نہیں کہا جاسکتا اور ہر حالت میں وہی طرز حکومت بہترین ہے جو صورت حالات کے لئے بہترین مناسبت رکھتا ہے:۔

ہر قسم کی مملکت میں اصول کی یکسانی

فی الواقع خالص سیاسی درجہ میں تمام جماعتیں ایک ہی قسم کے مختلف نمونے پائے جائینگے یعنی اوس قسم کے جو اقتدار اعلیٰ کے حصول سے ممیز ہے۔ اس قسم کی جماعت کے تمام نمونوں میں کہیں نہ کہیں ایک اختیار ضرور پایا جائیگا جو بطور ایک آخری چارہ کار کے جماعت کے ہر رکن کے ذاتی افعال پر پورے طور سے اور مرافعہ کی دسترس سے باہر نگرانی کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں جیسا کہ بخوبی ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ حکمراں قوت اپنے اختیار عمل پر بعض اخلاقی قیود

ضرور تسلیم کرتی ہے۔ اور واقعی اسکی جملہ کارروائیوں کیوجہ سے انقلاب سیاسی کا خطرہ ضرور ہوتا ہے۔ مگر جہانتک قانون کا تعلق ہے یہ اپنے اختیارات پر کسی قید یا اپنے سے زیادہ کسی کو صاحب اختیار تسلیم نہیں کرتی۔ اور اس صورت معاملات میں واقعی خرابیاں بھی مستور ہیں اور ساتھ ہی اس میں عظیم فوائد بھی ہیں۔ اسکی زبردست علی سہولت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ دنیا بھر کے تمام دول عظام، باستثنار مشکوک، ریاستہائے متحدہ امریکا، اسی قسم کے طرز حکومت پر مبنی ہیں :-

عضویتوں کی قسمیں

مگر انھیں حدود کے اندر اقتدار اعلےٰ کی مختلف طریقوں پر تنظیم کیجا سکتی ہے۔ یہ اقتدار اعلےٰ کسی شخص واحد کی ذات کو بھی سپرد کیا جا سکتا ہے مثلاً جیسے (جنگ عظیم سے پہلے) دولت روس میں یا یہ اختیار حکومت، جیسا کہ عموماً کیا جاتا ہے، مختلف شخصوں یا جماعتوں کے سپرد کیا جا سکتا ہے مثلاً سلطنت برطانیہ میں بادشاہ، امرا اور عوام کو۔ چونکہ اس آخری طریقہ میں ہمیشہ ایسے بہت سے پیچیدہ قواعد کی ضرورت پڑتی ہے جن سے مختلف اشخاص یا جماعتہائے حکمران کا تعلق ہوتا ہے، اس لئے اس طریقہ کو آئینی یا دستوری حکومت کہتے ہیں اور اوس طریقہ کو جس میں اختیار حکمرانی شخص واحد کے سپرد ہوتا ہے "شخصی حکومت" کہتے ہیں۔ مگر ہمکو احتیاط کیساتھ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ سیاسی خواہشات کی بنا پر ان دونوں طریقہ ہائے حکومت کے اخلاقی اور علمی معنی بھی پیدا ہو گئے ہیں۔

مطلق العنان حکومت کے معنی لوگ حکومت شخصی یا حکومت مستبدہ اور دستوری حکومت کے معنی معتدل یا اچھی حکومت سے لیتے ہیں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ایک کثیر التعداد جماعت کی حکومت اکثر ایسی استبدادی خود مختار اور مطلق العنان ہوتی ہے جیسے حکومت شخصی۔ یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ اختیار حکمرانی مختلف افراد حکمران جماعت میں مختلف نسبتوں سے تقسیم ہوتا ہے اور ہر نسبت بلحاظ موقع و محل جداگانہ ہوتی ہے۔ اور اسی طرح سے وہ طریقے بھی مختلف ہوتے ہیں جن سے مختلف ارکان حکومت کا انتخاب عمل میں آتا ہے۔ بعض اوقات عاملانہ اور مقننانہ اختیارات جدا جدا ہوتے ہیں جیسے کہ (جنگ سے قبل) جرمن سلطنت اور آسٹریا میں۔ اور بعض اوقات وہ متحد ہوتے ہیں جیسے کہ انگلستان میں۔ بعض اوقات عدالتہائے قانونی جماعت مقننہ کے اختیار سے باہر ہوتی ہیں جیسے ریاستہائے متحدہ امریکا میں اور بعض اوقات وہ

کم از کم قانونی معنی میں جماعت مقننہ کی ماتحتی میں ہوتی ہیں جیسا کہ برطانیہ میں
دوسری مملکت کا حاکم اعلیٰ یا تو موروثی ہوتا ہے یا منتخب شدہ اور یہ بات اوسکے اختیارات
کی وسعت سے علیحدہ ہوتی ہے۔ جنگ سے پہلے جرمن شہنشاہ جس کو بہت زیادہ
اختیارات حاصل تھے، موروثی تھا مگر جمہوریۂ امریکا کا صدر کہ اوسکو بھی عظیم اختیارات
حاصل ہیں منتخب شدہ ہوتا ہے۔ ہالنیڈ کا بادشاہ جسکو بہت کم اختیارات ہیں موروثی
ہے، مگر جمہوریۂ فرانس کا صدر اعظم کہ اوسکو بھی کم اختیارات حاصل ہیں منتخب شدہ ہوتا ہے
مختلف اقتدار اعلےٰ کا قریب قریب ایسا اہم اختلاف یہ ہے کہ بعض تو وہ ہیں جنکو ہم
"معمولی" کہتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو "غیر معمولی" کہلاتے ہیں۔ بالفاظ دیگر بعض ملکوں
میں تو اقتدار اعلےٰ ہمیشہ بحالت عمل ہو یا کم از کم ہر وقت کام کرنیکو تیار رہتا ہے۔ اور
بعض مملکتوں میں اوسکو حالت عمل میں لانیکے لئے ایک پیچیدہ انتظام کی ضرورت
پڑتی ہے۔ اول الذکر قسم کی بہترین تازہ مثال سلطنت برطانیہ ہے کیونکہ یہاں "معمولی اختیار
قانون ساز" کی قوت غیر محدود ہے۔ گذشتہ صدی کے آخر تک یہی حالت یورپ
کی اور حکومتوں کی بھی تھی۔ مگر گذشتہ سو سال کے اندر یہ طرز اقتدار اعلےٰ بہت کچھ ناپسندیدہ
ہو گیا ہے اور اب یورپ کے اکثر معمولی اختیارات قانون ساز کو اقتدار اعلےٰ حاصل نہیں
ہے مثلاً ہسپانیہ، بلجیم، ہالینڈ، اور بہت سی جرمن ریاستوں کے اندر معمولی اختیار قانون ساز
بعض دستاویزوں کے مضمون سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا جن سے اوسکی قوتوں پر حدود
عائد کئے گئے ہیں اور جنکو اوسکا نظام اساسی کہتے ہیں۔ اگر مزید اختیارات کی ضرورت
محسوس ہوتی ہے تو کسی غیر معمولی قوت کے توسل سے حاصل کئے جاتے ہیں جیسے
رائے عامہ یا تمام انتخاب کنندگان کی رائے۔ اس بات سے جو نہایت ہی اہم ہے
اساسی اور معمولی قوانین میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ متقدم الذکر وہ قوانین ہیں جنمیں
معمولی جماعت مقننہ کچھ رد و بدل نہیں کر سکتی ہے۔ اور نہ اونکو منظور کر سکتی ہے اور موخر الذکر
وہ ہیں جن میں جماعت مقننہ رد و بدل کر سکتی ہے اور انکو منظور کر سکتی ہے۔ مسٹر جیمس (لارڈ) برائس
نے اس امتیاز کو الفاظ "غیر ترمیم پذیر" اور "لچکدار" دستور سے مناسب طور پر تعبیر کیا ہے۔ اگرچہ لازمی
طور پر نہیں مگر یہ امتیاز اوس فرق سے بہت قریبی تعلق رکھتا ہے جو تحریری اور غیر تحریری دستور میں ہے۔
تحریری دستور اکثر "مستقل"، یا غیر ترمیم پذیر ہوتا ہے کیونکہ اوسکے واضعین کو

درحقیقت یہ یقین نہیں ہوتا کہ اس میں کبھی تغیر و تبدل کی ضرورت پڑیگی۔ غیر تحریری دستور جو بنایا تو گیا سے بے خبر بنگیا ہے، قریب قریب ہمیشہ لچکدار ہوتا ہے۔ یعنی اوسمیں معمولی قانون ساز قوت تغیر و تبدل کر سکتی ہے[۱]۔ منجملہ ان صورتوں کے جنپر یہ اصول کامل طور پر عائد ہوتا ہے کہ طرز حکومت کا فیصلہ صورت حالات پر منحصر ہونا چاہئے۔ یہی ایک ٹھیک مثال ہے انگلستان کے لئے، جو صدیوں تک بغیر کسی تحریری دستور کے بسر کرتا چلا آتا ہے، یہ ایک بہت بڑی تعلیمی حماقت ہوگی اگر اوس نے اپنے دستور کو تحریر میں لانیکی کوشش کی۔ مگر جن صورت حالات میں یورپ کے موجودہ دستور وجود میں آئے اونھوں نے تحریری دستاویزیں لازمی کردی ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ خانہ جنگی (بزمانہ چارلس اول) کے زمانہ میں انگلستان نے تحریری دستور کا رواج چلایا۔ مگر جب انگلستان میں دوبارہ عود شاہی ہوا تو اوس نے اُس دستور کو چھوڑ دیا، لیکن جب ریاستہائے متحدہ امریکا نے آزادی حاصل کی تو اوس نے اوس دستور کو قبول کرلیا، امریکا سے وہ دستور فرانس پہونچے اور فرانس کے انقلاب سیاسی کے بعد تمام یورپ میں اور بالآخر تمام یوروپین نوآبادیات میں پھیلگئے:۔

حکومت مقامی کی خوبیاں

اب ایک آخری امتیاز صوری جو ہمکو ظاہر کرنا ہے وہ مرکزی اور مقامی حکومتوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔ یہ ایک ایسا فرق ہے جسکی وجہ تقریباً ہمیشہ حالات تاریخ ہوتے ہیں مگر اس وجہ سے اوسکی معمولی وقعت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اگر نہایت اعلیٰ درجہ کی "مرکزیت پر قائم شدہ" مملکتوں سے شروع کیا جائے تو ہمکو نظر آئیگا کہ یہ تقریباً وہی مملکتیں ہیں جو کسی تنہا فرماں روا کی تدریجی فتوحات سے جو اوس نے قرب وجوار کے فرماں رواؤں پر حاصل کی ہیں اور جنکی خود مختاری کو وہ تباہ کرنا چاہتا تھا، بنگئی تھیں۔ مثلاً فرانس کی سلطنت اوسوقت قائم ہوئی تھی، جب شاہان پیرس نے ایک طویل اور زبردست محاربے کے

---

[۱] اطالیہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔ یہاں کا دستور تحریری ہے مگر اوس میں معمولی قوت قانون ساز تغیر و تبدل کر سکتی ہے۔ فرانس گویا کنارہ پر کھڑا ہوا ہے۔ اسکی حالت درمیانی ہے۔ کیونکہ اسکا دستور نیم تحریری ہے:۔

بعد برگنڈی، شامپین، بلوا، ایکوئیٹین، گیسکونی، تولوز، بریٹانی وغیرہ علاقہ جات کے فرمان رواؤں پر فتح پائی تھی۔ اور فرانس ایک اعلیٰ درجہ کی مرکزیت قبول کردہ سلطنت کی بہترین مثال ہے۔ یعنی فرانس کے اندر ہر چھوٹے سے چھوٹے مقامی معاملہ کی بھی پیرس کی مرکزی حکومت نگرانی کرتی ہے اور نام نہاد مقامی حکام کے لیئے عملاً کچھ بھی خودمختاری نہیں چھوڑتی۔ قریب قریب یہی حال اطالیہ میں ہے جہاں سارڈینیا والے خاندان نے قرب وجوار کی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں پر فتح پانیکے بعد سلطنت قائم کیگئی تھی۔ اور چونکہ اس صورت میں جدوجہد اسقدر سخت نہیں ہوتی تھی۔ اسلیئے اطالیہ کی مرکزیت غالباً فرانسیسی نمونہ کے تقلیدی اثر کا نتیجہ ہے۔ برخلاف ازیں اوس سلطنت میں جہاں کسی غیر ملکی فاتح کی یکایک فتح سے سلطنت قائم ہوئی یا جہاں قدیم الایام سے قائم شدہ حکومت نے لوگوں میں حقیقی اتحاد پیدا کردیا ہے، حقیقی مقامی خودمختاری کا عموماً بہت کچھ خیال رکھا گیا ہے یعنی عام طور پر مقامی حکام کو وہ لوگ منتخب کرتے ہیں جنپر وہ حکومت کرتے ہیں، اونکے لیئے لازمی نہیں ہے کہ وہ ہر قدم پر مرکزی حکومت سے استصواب کریں اور جہانتک یہ مقامی حکام اپنے قانونی اختیارات کے اندر کام کرتے رہینگے مرکزی حکومت اونکے معاملہ میں مداخلت نہیں کریگی۔ بہترین قسم کی مقامی حکومت وہ ہوتی ہے جسکی بنیاد قدیم ہر دلعزیز تقسیموں پر ہوتی ہے جیسے انگلستان میں جہاں کم و بیش یہ تقسیمیں نسل و آبادی کی قدرتی حدوں پر کیگئی ہیں۔ مقامی حکومت کی خوبیوں پر مضمون کو طول دینے کی مشکل سے ضرورت ہے وہ سیاسی زندگی کی اسطرح سے تحریک کرتی اور اوسکو قائم رکھتی ہے کہ مرکزی حکومت تنہا نہیں کرسکتی وہ آزاد اور خودمختار سیاست والوں کو خدمات سلطنت کے لیئے تربیت دیتی ہے وہ اوس بے لطف انتظامی مماثلت کے قیام کو روکتی ہے جو ایک مرکزی دفتری حکومت کا مطمح نظر ہوتا ہے۔ اور وہ مرکزی حکومت کو بھی روزمرہ کے ادن کاموں سے آزاد کردیتی ہے جو وہ قابل اطمینان طور پر انجام نہیں دے سکتی۔ لیکن اسکے ساتھ ہی اوسکے کمزور پہلو بھی بدرجۂ مساوی نمایاں ہیں۔ یہ اکثر تنگ دل، جاہل اور خودغرض ہوسکتی ہے اور چونکہ اوسکا میدان عمل بہت چھوٹا ہوتا ہے اسلیئے اوسکی طرف بہترین قسم کے آدمیوںکا میلان بہت کم ہوسکتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ اسکی وجہ سے وہ اپنا کام بخوبی انجام نہ دیسکے

مگر خطرات کی حفاظت مرکزی حکومت کی نکتہ چینیاں کر سکتی ہیں۔ اور یہ ایسا کام ہے جو موخر الذکر قابل تعریف طور پر انجام دے سکتی ہے کیونکہ اوسکی نگاہ اور اوس کا تجربہ زیادہ وسیع ہیں:۔

مرکب مملکتیں

کچھ مدت سے مرکزیت اور مقامیت قبول کردہ کے درمیانی فرق نے ایک نہایت اہم صورت اختیار کرلی ہے جسکی بابت کچھ لکھنا چاہئے۔ سیاسیات کی گذشتہ صدی کا اصلی قابل توجہ پہلو "وفاقیتوں" کا قیام ہوا ہے یہ راستہ سوئیزرلینڈ نے کھولا جسکو یہ طرۂ امتیاز حاصل ہے یہ پہلا ملک ہے جس نے دنیائے حال میں جدید طرز حکومت کا دروازہ کھولا سوئزرلینڈ کی تقلید ۱۷۸۷ء میں ریاستہائے متحدہ امریکا نے کی، اوس کے بعد ۱۸۷۰ء میں جرمنی کے اندر سلسلہ تجربات شروع ہوا اور ۱۸۶۷ء میں حکومت کناڈا نے اس نقش قدم پر پاؤں رکھا۔ اور دولت وفاقیہ ۱۹۰۱ء میں آسٹریلیا اور ۱۹۰۹ء میں جنوبی افریقہ میں یہ طریقہ رائج کیا گیا:۔

اس سے ایک جدید اصول کا اجراء ہوتا ہے۔

علم سیاسیات کے مورخ کے لئے جدید رجحان کی اہم دلچسپی اس واقعہ میں مضمر ہے کہ اسکی وجہ سے تنظیم جماعت میں ایک نئے اصول یعنے اصول مفاہمت یا معاہدی کا داخلہ ہوا بیشک وفاقیتوں "اتفاق" کے قائم کرنے میں دیگر اثرات بھی عمل کر رہے تھے۔ مثلاً ریاست پروشیا کے فوجی تفوق سے سلطنت جرمنی ظہور میں آئی۔ اور برطانیہ کے اقتدار شہنشاہی نے صوبجات کناڈا کو متفق ہونے پر مجبور کیا۔ اور اسی لئے سلطنت جرمنی اور کناڈا اصول وفاقیت کے نمونے مشکل سے کہے جا سکتے ہیں لیکن جمہوریہ سوئزرلینڈ اور ریاستہائے متحدہ امریکا اور اگر اتحاد آسٹریلیا کا قیام خود ان ممالک کی ریاستوں کی رائے سے ہوا تھا۔ قانون دان اشخاص جانتے ہیں کہ نظام قانونی میں قانون معاہدہ کا داخلہ بعد میں ہوا تھا۔ قدیم الایام کی معاشرتیں یا تو اسکو تسلیم ہی نہیں کرتیں اور اگر کرتی بھی ہیں تو بہت کمی کیساتھ۔ اسلئے گمان ہے کہ اصول معاہدہ سیاسیات میں بھی ایسا ہی مہتم بالشان حصہ لینے والا ہے جیسا وہ قانون میں لے چکا ہے۔

وفاقیتوں کی نوعیت

فی الحال یہ معلوم ہونا چاہئے کہ "ریاستوں کا اتفاق" اوسوقت واقع ہوتا ہے جبکہ ریاستوں کی ایک تعداد جو ابتک ایکدوسرے سے آزاد و خود مختار تھیں (گو کسی بڑے اختیار کے ماتحت تھیں) اتحاد تو نہیں مگر اتفاق کرنا

چاہتی ہیں۔ وہ اس بات کی خواہشمند ہوتی ہیں کہ بعض مصالح کی بنیاد پر ایکدوسرے سے ملجائیں، مگر جہانتک اشتراک عمل سے مطابقت ہو سکتی ہے وہ اپنی جداگانہ ہستی قائم رکھنا چاہتی ہیں جن شرائط پر یہ اتفاق عمل میں آتا ہے وہ دو صورتوں میں یکساں نہیں ہوتیں۔ مگر برائے نام شخصی اتحادوں کو علیحدہ کرکے جن میں سلطنتیں اتفاقاً خاندانی رشتوں کی وجہ سے باہم مل جاتی ہیں جیسے ۱۷۱۴ء سے ۱۸۳۷ء تک انگلستان اور ہانوور کا اتحاد ہم ریاستوں کے اتحاد کی تقسیم حسب ذیل مدات میں کرتے ہیں اور ادنیٰ ترین سے شروع کرکے اعلیٰ ترین تک پہونچتے ہیں۔

۱۔ واقعی اتحاد یہ صورت اوسوقت ظہور میں آتی ہے جب دو مملکتیں ہمیشہ کیلئے ایک ہی حکمراں کے ماتحت رہنا منظور کرلیتی ہیں اگرچہ وہ اپنی خود مختار ہستی قریب قریب کامل طور پر بحال رکھتی ہیں۔ زمانہ حال کے سیاسیات میں نمایاں ترین مثال اس قسم کے اتحاد کی ممالک ناروے اور سویڈن ہیں۔ جہاں ۱۹۰۵ء تک سویڈن کا بادشاہ ناروے کا بھی بادشاہ تھا مگر ناروے میں خود اوسکی پارلیمنٹ اور مقامی ادارات قائم تھے ۱۸۰۰ء کے قانون اتحاد نے شخصی یا رشتہ داری کے تعلقات مابین انگلستان واسکاٹلینڈ کو ایک اصلی اتحاد بنادیا اور یہ اتحاد ناروے سویڈن سے زیادہ گہرا ہے کیونکہ یہاں دونوں ملکوں کی پارلیمنٹیں اور تاج وتخت بھی ہوگئے تھے:۔

۲۔ عہدیت کسی زمانہ میں یہ طرز اتحاد عام طور پر مرغوب تھا مگر ابتو متمدن ممالک میں عام طور پر اسکو پسند نہیں کیا جاتا۔ یہ اتحاد اوسوقت واقع ہوتا ہے جہاں دو یا دو سے زیادہ سلطنتیں متفق ہوجاتی ہیں اور اپنے بعض ذاتی اختیارات خواہ مستقل طور پر یا کسی مدت معینہ کے لئے ایک مرکزی قوت کو تفویض کردیتی ہیں مگر اس صورت سے کہ اونکی جداگانہ ہستیوں پر کوئی خاص اثر کسی طرح نہ پڑنے پائے۔ تفویض شدہ اختیارات عموماً فوجی اور قانون سازی کی قسم کے ہوتے ہیں۔ مرکزی حکومت قوانین کا نفاذ اور انتظام مختلف مملکتوں کے خود اپنے حکام کے ہاتھوں میں ہوتا ہے جو اپنے اپنے علاقوں میں کام کرتے ہیں۔ بعض اوقات مرکزی قوت کے اختیارات اسقدر کم ہوتے ہیں کہ یہ اتحاد بمشکل عہدیت کی اصلی مثال کے طور پر پیش کئے جانیکا مستحق ہوسکتا ہے، مثلاً جب کبھی چند ریاستیں متفق ہوکر ایک ‹‹اتحاد محاصلی›› قائم کرلیتی ہیں۔ مگر عموماً ایسا ہوتا ہے کہ عہدیتی حکومت کو

ایک فوج رکھنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ وہ بات ہے کہ جس کے مفہوم میں لازمی طور پر مختلف ریاستوں کی سیاست خارجہ کی نگرانی بھی شامل ہے۔ اور مفاد عامہ کے معاملات مثلاً ڈاکخانہ، تار، ٹکسال، تعزیرات فوجداری وغیرہ کے لئے قوانین وضع کرنا بھی داخل ہے۔ اس قسم کا اتحاد ۱۸۶۶ء سے ۱۸۰۶ء تک شمالی جرمن عہدیت تھا۔ اور یہی حالت، اگرچہ حالات مختلف ہو گئے تھے جنگ سے پہلے جرمن سلطنت کی معلوم ہوتی تھی جسکو اگرچہ فوجی اور وضع قوانین کے تو وسیع اختیارات حاصل ہیں مگر عاملہ، انتظامیہ اور عدالتی اختیارات بہت کم حاصل ہیں۔ سوئٹزرلینڈ گویا بالکل کنارے پر ہے۔ وفاقی حکومت کو بہت کم انتظامی یا عاملانہ اختیارات حاصل ہیں، لیکن اسے بہت کچھ نقادانہ اقتدار ہے۔ اس آخری خصوصیت میں عہدیت کے اتحاد کی اصلی کمزوری پنہاں ہے۔ مرکزی جماعت کے پاس چونکہ قوانین موضوعہ کے نفاذ کیلئے حکام وعمال نہیں ہوتے، تو اوسکو اوس صورت میں جبکہ اوسکا کوئی رکن قانون سے انحراف کرتا ہے تو اوس تکلیف دہ ضابطہ سے کام لینا پڑتا ہے جسکو "نفاذ قوانین بذریعہ عمال عہدیت" کہتے ہیں۔ اس ضابطہ کے بموجب مجرم ریاست پر عہدیتی فوج کیطرف سے حملہ کیا جاتا ہے اور فی الواقع نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عہدیت شکست ہو جاتی ہے۔ جرمن میں یہ نامبارک روایت بطور ورثہ اوس سیاسی نوعیت سے حاصل ہوئی تھی جسکو "مقدس سلطنت روما" کہتے ہیں:۔

حق علیحدگی

امریکی اتحاد کی جنوبی ریاستوں نے خانہ جنگی کے نامبارک زمانہ میں، ایک نہایت اہم سوال پیش کیا تھا جس نے اس قسم کی حکومت کی خرابی بگمان غالب خوب ثابت کردی ہے۔ اونکا دعویٰ یہ تھا کہ یہ اتحاد فی الحقیقت ایک عہدیت ہے اور اس لئے جس "رکن" کا جی چاہے وہ اس سے علیحدہ ہو سکتا ہے۔ مگر چونکہ جنگ چھڑ گئی تھی اسلئے اس دعویٰ پر کچھ توجہ نہیں کیگئی، حالانکہ یہ عمل اتحاد کی عاملانہ انتظامیہ اور عدالتی تنظیم کی رو سے ناجائز تھا۔ مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پیمان اتحاد میں حق علیحدگی بالوضاحت محفوظ ہوتا ہے۔ نام نہاد "مجلس وفاقیہ اسٹریلیشیا" اسی نوع کی تھی۔ یہ وقتی ضرورت پوری کرنے کیلئے ۱۸۸۵ء میں قائم کی گئی تھی لیکن اوسے بہت کم کامیابی ہوئی۔

۳۔ وفاقیہ ڈول

اس سے بہت زیادہ اہم وفاقیہ دول کی حکومت ہے جس میں مرکزی جماعت کو محض وضع قانون کے اور فوجی اختیارات ہی حاصل نہیں ہوتے بلکہ عاملانہ اور عدالتی اختیارات بھی حاصل ہوتے ہیں۔ موجودہ زمانہ کی تدبیر

سلطنت کی بعض ضروری مثالیں اس ذیل میں آتی ہیں۔ یہی طرز حکومت ریاست ہائے متحدہ امریکا، سلطنت کناڈا اور آسٹریلیا کی دولت عام کا ہوگا۔ یہی نمونہ درحقیقت سلطنت جاپان کی حکومت کا ہوتا نظر آتا ہے، جو بعض اہم اور معقول ترمیمات کے بعد، قریب قریب ایک وفاقی دستور کی صورت اختیار کریگی۔ وفاقیہ کی ضروری خصوصیتیں نہایت قابل قدر طور پر پروفیسر ڈائسی نے اپنی کتاب "مقدمہ بر مطالعۂ دستور سیاسی" (Introduction to the Study of Constitution) میں درج کی ہیں جنکو ہم مختصراً ذیل میں لکھتے ہیں:-

(ا) "ایک اعلی تحریری دستور" تاکہ حکومت اور منفردہ ریاستوں کے عمال حلقۂ عمل کے بارہ میں اگر کوئی مناقشہ رونما ہووے تو اوسکو رفع کیا جائے:-

(ب) تقسیم اختیارات مرکزی و وفاقی حکومت اور مختلف منفرد حکومتوں کے درمیان جو اتحاد کی رکن ہیں، اور غالباً حکومت وفاقیہ کے مختلف حصص کے درمیان:-

(ج) "عدالت العالیہ"، جسکو نظام اساسی کی تشریح اور بذریعہ عمال حکومتہائے وفاقیہ و منفردہ اس کی اطاعت کے مطالبہ کا اختیار حاصل ہو اور جو ہر حکومت کے اثر سے آزاد ہو۔

اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وفاقی قسم کی حکومت میں اوسکے خاص نقائص بھی ہوتے ہیں چونکہ بظاہر انکی بنیاد باہمی مفاہمت پر ہوتی ہے، اسلئے بمقابلہ قومی یا مرکزیت پر قائم شدہ حکومت کے اسمیں زبردست جوش کو اوبھارنیکا بہت کم امکان ہوتا ہے، اور نہ یہ وہ جذبات حب وطن کا تقدس وجلال حاصل کرسکتی ہے جو ایک مملکت کا سب سے بڑا محافظ ہوتا ہے۔ چونکہ اسکے کل پرزے پیچیدہ اور بطی العمل ہوتے ہیں، اس لئے وہ اکثر خراب ہوجاتی ہے اور پھر اوس سے فوراً کام لیا جانا مشکل ہوتا ہے۔ پہلی کمزوری ہی کا خیال تھا کہ موجودہ سلطنت (اطالیہ کے بہادر بانیوں نے وفاقی اصول کو مسترد کردیا تھا، اگرچہ اوسوقت اوسکو قبول کرلینے سے بہت سی انکی عظیم ترین مشکلات حل ہوجاتیں۔ دوسری کمزوری بلاشبہہ ریاستہائے متحدہ امریکا کی تاریخ میں نمایاں رہی ہے، اور تیسری کمزوری سیاسیات سوئزرلینڈ کے ضابطہ میں روزمرہ دیکھی جاتی ہے۔ مگر باوجود ان تمام کمزوریوں اور خامیوں کے، مختلف اقوام اور مختلف حالات سے تطبیق پیدا کرلیتی ہیں، وفاقیت کے اصول نے حیرتناک اہلیت ظاہر کی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ غالباً آئندہ سیاسی تاریخ عالم میں بھی یہ اصول بہت بڑا حصہ لیگا۔

قانونی اور استحقاقی مملکتیں

آخری تقسیم سیاسی جماعتوں کی، جیسا کہ ہم دیکھینگے، نہایت ہی اہم ہے، لیکن جسپر لوگوں نے جسقدر کہ چاہیے تھی حال ہی میں توجہ کرنا شروع کی ہے۔ اس میں جملہ مملکتوں کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا ہے۔
ایک قسم میں وہ مملکتیں ہیں جن میں "قوانین غیر موضوعہ" رائج ہیں، اور دوسری قسم میں وہ ریاستیں داخل ہیں۔ جن میں حقوق مخصوصہ" مروج ہیں۔ پہلی قسم میں تمام آدمی خواہ سرکاری ہوں یا غیر سرکاری قانون کی نظر میں برابر ہیں، ایک ہی قسم کی عدالتوں میں اونکے مقدمات کا فیصلہ ہوتا ہے اور وہ سب ایک ہی قسم کے قواعد کے پابند ہوتے ہیں۔ دوسری قسم میں صرف یہی نہیں کہ بہت سے غیر سرکاری آدمیونکو حقوق خاص حاصل ہوتے ہیں بلکہ سرکاری عمال کا تمام بڑا طبقہ (جزوًا یا کلًا) معمولی عدالتوں کے حلقۂ عمل سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔ اگر صحیح معنی میں لیا جائے تو پہلی قسم کے اندر تمام وہ قومیں شامل ہیں جنکی زبان انگریزی ہے، اٹلی میں یہ طریقہ ناکام ثابت ہوا ہے۔ لیکن سوئٹزرلینڈ اور جزیرہ نمائے اسکانڈی نیو میں اسکے کچھ آثار پائے جاتے ہیں۔ اور دوسری قسم میں متمدن دنیا کی تمام دیگر ریاستیں شامل ہیں۔ اس لئے یہ امر زیادہ ضروری ہے کہ انگریزی داں ناظرین ان دونوں اقسام کے فرق کو بخوبی سمجھ لیں۔

قانونی مملکتیں

اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انگریزی بولنے والی جماعتوں میں کوئی سرکاری ملازم وہ کام نہیں کرسکتا جو کسی غیر سرکاری شخص کے لئے خلاف قانون ہے۔ ہم راتدن دیکھتے ہیں کہ عمال حکومت مجرموں کو قید کرتے ہیں، قرضہ کے بالعوض مال قرق کرتے، مشتبہ مکانات کی تلاشی لیتے اور بہت سی ایسی باتیں کرتے ہیں جو غیر سرکاری آدمی نہیں کرسکتے۔ مگر اسکے معنی یہ ہیں،
(۱) کہ کوئی سرکاری ملازم بغیر اختیار قانونی کے ان باتوں کو کرسکتا ہے۔
(۲) کہ اگر اختیار کا سوال ہو تو سرکاری ملازم کو اپنا اختیار بالکل اوسی طرح اور اوسی عدالت کے سامنے ثابت کرنا پڑیگا جسطرح کوئی غیر سرکاری آدمی کریگا جس پر اوسی قسم کا الزام لگایا گیا ہو۔ یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ "قانونی ممالک" میں بھی اس کلیے کے مستثنیات موجود ہیں۔ مثلاً انگلستان میں بادشاہ یا ملکہ پر کوئی مقدمہ نہیں چلایا

جاسکتا۔ گو انکے ماتحت عدالت کے روبرو انکے احکام اپنی بریت میں پیش نہیں کر سکتے۔ اسی طرح امراء کو بھی چند مخصوص حقوق حاصل ہیں اور اراکین پارلیمنٹ کو وقتی طور پر چند حقوق حاصل ہیں۔ لیکن اگر ان مستثنیات کا بر اعظم کے مختلف ممالک کے مستثنیات سے مقابلہ کیا جائے تو عظیم الشان فرق نظر آئیگا۔ اگر وہ فعل کسی غیر سرکاری آدمی کے لحاظ سے مجرمانہ ہے، تو اوس سرکاری ملازم پر عدالت فوجداری میں مقدمہ چلایا جاسکتا ہے، اگر وہ جرم کسی غیر سرکاری شخص کے لحاظ سے دیوانی کا جرم ہوگا۔ تو سرکاری ملازم پر بھی معمولی عدالت دیوانی میں مقدمہ چلایا جاسکتا ہے۔ اور ان دونوں عدالتوں میں سے کوئی بھی اس قسم کے الزام کے جواب میں "سرکاری کام یا احکام بالا کے احکام" کا عذر مسموع نہیں کریگی، کم از کم ایسی حالت میں جبکہ شکایت کسی شہری کیطرف سے ہوئی ہو الغرض نتیجہ یہ ہے کہ اون تمام ممالک میں جہاں انگریزی بولی جاتی ہے تمام سرکاری ملازم معمولی یا غیر موضوعہ قانون کے ماتحت ہیں

استحقاقی مملکتیں

دیگر ممالک میں اسکے قطعی خلاف قواعد رائج ہیں۔ ایک طرف تو عمال حکومت چھوٹے سے لگاکر بڑے تک وہ عمل کرتے ہیں جو وہ اغراض حکومت کے لئے مفید سمجھتے ہیں، خواہ اونکو اپنے افعال کے لئے کوئی اختیار قانونی حاصل ہو یا نہ ہو۔ دوسری طرف اونکے افعال پر کوئی معمولی عدالت باز پرس نہیں کر سکتی، کم از کم حکام بالا سے استمزاج لئے بغیر تو ہرگز نہیں کر سکتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے جسکو فرانس والے "قانون انتظامی" کہتے ہیں یعنی وہ قانون جسپر صرف عمال حکومت عمل کرنیکے مستحق ہیں۔ اور جو عملاً وہی ہوتا ہے جو حکومت اوسکو بنادینا پسند کرتی ہے۔ اس برائے نام "قانون" کے پردہ میں غیر ممالک کے اندر ایک معمولی شہری پر اسقدر نگرانی اور مطلق العنان طور پر اوسکے کاموں میں اسقدر مداخلت کیجاتی ہے کہ اگر انگلستان کے اندر ایسا کیا جائے تو سال بھر میں انقلاب سیاسی واقع ہو جائے۔ اور اگرچہ دستوری دستاویزات میں شخصی آزادی کی ضمانت ضرور موجود ہے مگر پھر بھی عمل یہی ہوتا ہے۔

یہ فرق کیونکر پیدا ہوا

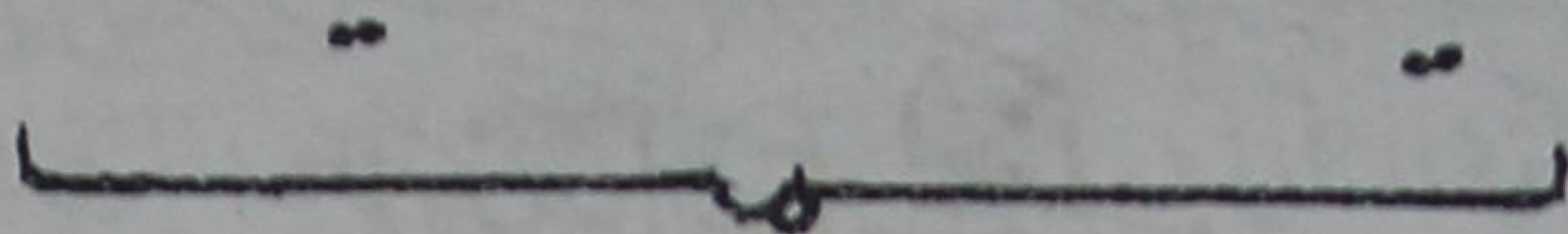
ایک صاحب غور و فکر امریکن مصنف مسٹر لارینس لوئل نے واقعی نہایت صحت کیساتھ اس فرق کے وجود کے اسباب کو ظاہر

کیا ہے - یہ بھی اوس قسم کی باتوں میں سے ایک ہے جن میں تاریخ کسی زمانۂ حال کی مشکلات کے حل میں کچھ پتا دیدیتی ہے - انگلستان کے اندر حکومت کے عدالتی اختیارات انتظامی اختیارات سے پہلے نشو ونما پاکر مکمل ہو چکے تھے - جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ جب انتظامی اختیارات نے بڑھنا شروع کیا تو اونھوں نے اپنے مدمقابل ایک طاقتور اور اعلیٰ درجہ کے منتظم عدالتی نظام کو دیکھا جس نے نہایت جوش کیساتھ انتظامی اختیارات کو روکے رکھا - آخر کار ایک سخت جھگڑا پیش آیا - جو انگلستان میں پوری سترھویں صدی بھر رہا اور اٹھارھویں صدی بھی اس سے نہ بچ سکی - لیکن آخرالامر عدالت ہائے قانونی کو فتح حاصل ہوئی، اور اوس سے انگریزوں نے صرف اپنے قدیم ملک میں ہی فائدہ نہیں اوٹھایا بلکہ جن نئے ملکوں میں بھی وہ جاکے بسے وہ اپنے ساتھ اپنے فطری حق یعنی انگریزی قانون غیر موضوعہ کو لیتے گئے - برعکس ازیں، براعظم یورپ پر حکومت کے اختیارات انتظامی اختیارات عدالتی سے پیشتر نشو ونما پاچکے تھے، اور لوگ حکومت کے عمال انتظامی کو دنیاوی خدا سمجھنے لگے تھے مگر سلطنت کی قانونی عدالتیں کمزور تھیں اور اونکی کوئی خاص وقعت نہیں ہوتی تھی - اب یہ بات قدرتاً پیدا ہوئی کہ جب آگے چلکر سلطنت کی قانونی عدالتوں کا نظام باضابطہ طریقہ پر درست کیا گیا تو انتظامی حکام نے اپنے افعال واعمال کو ان جدید عدالتوں کی جانچ میں دینے سے انکار کردیا بلکہ درحقیقت انتظامی حکام نے یقین ہی نہیں کیا کہ ان اصول پر کوئی مستقل حکومت قائم بھی رہ سکتی ہے - براعظم یورپ میں ہر وزیر سلطنت کے نقطۂ نگاہ سے، اگر وہ حفظ امن رکھنا چاہتے ہیں تو عمال سرکاری کو معمولی قانون سے انحراف کرنا چاہئے - اور اگر بقول وزیر مذکور سرکاری ملازمین کے اختیارات کے متعلق کسی معمولی عدالت نے بازپرس کی تو اوس کا ایسا کرنا تادیب کے منافی ہوگا - اگر ایسے شخص کو یہ بات بتلائی جائے کہ دنیا کی تمام اینگلو سیکسن حکومتیں بھی اسیقدر مستحکم اور پائدار ہیں جسقدر کہ اونچی براعظم یورپ والی معاصر حکومتیں، تو وہ شخص حیران ہوجائیگا اور اس واقعہ کو بھی عجیب وغریب قوم اینگلو سیکسن کے عجائب خصوصیات میں درج کرلیگا - مگر اس صورت حال کے ایک مضحکہ انگیز پہلو سے قطع نظر نہیں کرنا چاہئے - جب مانٹیسکیو اور دیگر فرانسیسی مصنفین، اٹھارھویں صدی کے زمانہ میں اپنے ہموطنوں کو انگریزی دستوری حکومت کی خوبیاں ضرورت سے زیادہ سنارہے تھے، تو ایک بات جس کی وہ بہت ہی تعریف کرتے تھے، برائے نام "علیحدگی اختیارات"

تھی - اب اگر اوس اصلی "علیحدگی اختیارات" کو دیکھا جائے جو برطانیہ کی دستوری حکومت میں اٹھارھویں صدی کے درمیان واقع تھی، وہ وزرا کی نگرانی سے قانونی عدالتوں کی آزادی تھی - مگر فرانسیسیوں اور اونکے بعد دیگر سیاست دانان یورپ نے اوس آزادی کو عدالت ہائے قانونی کی گرفت سے وزرا کی آزادی سمجھ لیا - اور فرانس کے انقلاب سیاسی کے بعد جب یوروپ کی حکومتوں کی تعمیر جدید عمل میں آئی تو وہی صورت تھی جس میں اونکو انگریزی اصول نظر آیا تھا - واقعی منطق بعض اوقات ایک خطرناک آلہ بنجاتی ہے -

اب یہاں ہماری یہ ناتمام کوشش جس سے ہمنے تاریخی لانظمی اور ابتری کے درمیان سے امن و انتظام بر آمد کرنا چاہا ہے ختم ہونی چاہیئے - وہ ناظرین جنکو دنیا کے سیاسی انتظامات محض مقامی سلسلۂ حادثات کے نتائج نظر آتے ہیں ہماری اس کوشش سے بہت کم ہمدردی ظاہر فرمائینگے جو قطعاً ایک جداگانہ اعتقاد پر مبنی ہے - مگر ممکن ہے کہ راقم الحروف کی طرح اون ناظرین کو جو تاریخ کو عظیم عالمگیر قوانین کا مظہر سمجھتے ہیں، جو اپنے اطلاق میں بے انتہا اختلاف اور قسمیں رکھنے کی خاصیت رکھتے ہیں، مگر ناقابل تسخیر قوت کیساتھ نتائج یکساں ہی پیدا کرتے ہیں، ہماری یہ کوشش قطعی بے سود نظر نہ آئیگی - اگر ایک حیثیت سے دیکھا جائے تو فن سیاسیات ممکن ہے کہ "زاغ و زغن کی کشتی" سے زیادہ باوقعت نظر نہ آئے - لیکن اسی کو اگر دوسرے زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ ایک کوشش ہے، (ممکن ہے حقیر اور ناممل ہو) ہاں کوشش ہے، انسان کی اوس تحریک طبعی کو ظہور میں لانیکی، جو ایک آدمی کو دوسرے آدمی کی امداد و اعانت کا حکم دیتی ہے - یہ ایک ادعا ہے غیر مشتبہ طرز پر، اپنی فطرت کے اوس معاشرتی پہلو کے متعلق، جسکو نہایت عمدگی سے کائنات کے بنیادی واقعات میں ایک واقعہ قرار دیا جاسکتا ہے - اگر ایسا ہے، تو یقیناً یہ اس قابل ہے کہ نہایت خلوص اور عدم تعصب کیساتھ اسکا مطالعہ کیا جائے - اور تمام وہ ناگوار اور مکروہ لوازمات جو اسکے عمل سے منتج ہوتے ہیں، وہ اس فن کی ضروری اہمیت پر پردہ نہیں ڈال سکینگے ممکن ہے وہ زمانہ ابھی دور ہو جبکہ دنیا کے واقعی سیاسی انتظامات ہمارے اوس معیار خیال کو ظہور میں لے آئیں جو ہماری معاشرتی تحریک طبعی قائم کرنیکی اہلیت رکھتی ہے - مگر ہر زندگی جو ایمانداری کیساتھ فلاح عامہ کے لئے وفادارانہ صرف کیجائے،

اور ہر گھنٹہ جو خلوص دل کے ساتھ بہبود خلائق کے مطالعہ میں صرف کیا جائے، اوس زمانہ کو یقیناً ہمارے قریب لا رہا ہے:-



فہرست اصطلاحات

تاریخ سیاسیات جنکس

English	اردو
Ancestor worship	پرکھا پوجا
Anarchy	نراج
Appropriation	قبضہ و تصرف
Administrative	انتظامی
Administration of justice	انتظام عدالت
Aristocracy	اعیانیت
Apprentice	نو آموز
Appeal	مرافعہ
Bureaucracy	دفتریت
Body social	جسم معاشری
Body natural	جسم قدرتی
Barter	مبادلہ
Ballot-box	صندوق رائے اندازی
Blood fine	خوں بہا
Borough	حقدار شہر
Control	قابو
Clan	برادری
Citizen	شہری
Commonwealth	دولت عامہ
Constitution	دستور
Custom	رسم و رواج
Council of Seniers	مجلس بزرگاں
Constitutional governrnent	دستوری حکومت
Communism	اشتمالیت
Collectivism	اجتماعیت
City State	شہری مملکت
Commendation	رسم جوار
Civil wrong	قانونی نافرمانی، خلاف ورزی قانون دیوانی
County moot	مجلس صوبہ
County Court	عدالت صوبہ
Centralization	مرکزانا، تمرکز
The Council	مجلس خاص
Constituency	حلقۂ انتخاب

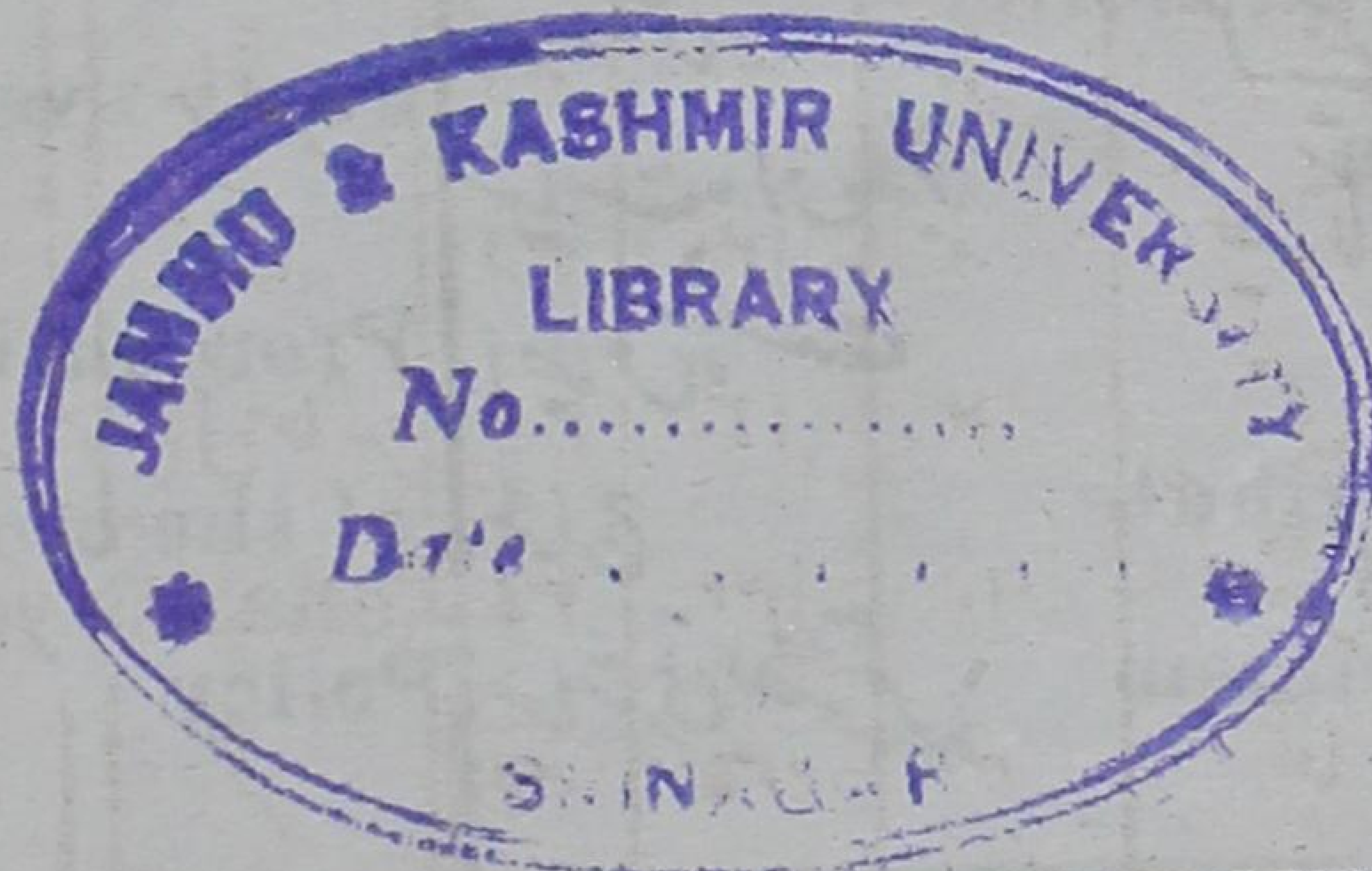
English	اردو
Coinage	تسکیک، سکہ سازی، سکہ
Capital	سرمایہ
Copyhold	نقل داری
Composite states	مرکب مملکتیں
Confederation	عہدیت
Confederate government	عہدیتی حکومت
Common Law	قانون غیر موضوعہ
Common weal	فلاح عامہ
Cabinet	کابینہ
Delegate	مبعوث
Dictator	حاکم مطلق
Department	شعبہ، محکمہ
Democracy	عمومیت
Discipline	تادیب
The Executive	جماعت عاملہ
Exchange	تبادلہ
Elector	انتخاب کنندہ
Fallow	افتادہ اراضی
Flaith	مکھیا، چودھری
Frankland	فرانکستان
Frankish	فرانکی، فرنگی
Fief	ال تمغہ، جاگیر
Forcible dispersasion	جبری بیدخل
Fendalisim	جاگیریت
Franchist	حق رائے دہی
Federal state	وفاقی مملکت
Federation	وفاقیہ
Federal constitution	وفاقی دستور
Federalism	وفاقیت
Forterage	رفاعیت
Gild	انجمن حرفہ، انجمن تجار
Gaul, Gallia	غالیہ
Gaul, Gallic	غالوی
Hortage	یرغمال
Hundredmoot	مجلس حلقہ
Headman, reeve	مکھیا، چودھری
The Heptarchy	ہفت شاہی
The Household	گھرانہ
Ideal, Idealism	مطمح نظر، مطمح، مطمحیت
Institutions	ادارات
Immigration bureau	دفتر تارکان وطن
Imperialist	شہنشاہیت پسند
Interest (in land)	غرض، منفعت
Informal	غیر رسمی
Indo-European	ہند یورپی
The Judiciary	محکمہ عدلیہ
Kinship	کفو، برادری
The Legislature	جماعت مقننہ
Leges Barbararum	بربری قوانین

اصطلاح	Term
دستورِ انتقام	Lex falionis
حیلۂ شرعی	Legal fiction
مبلغ	Missionary
میر بلد	Maire
مجلس	Moot
نقل وطن	Migration
ملوکیت، بادشاہی	Monarchy
خوں بہا	Murder fine
مجلس بزرگاں	Moot of the Elders
مستقر جاگیر	Manor
بازار	Market
مجلس قومی	National moot
عضویت	Organization
آزمائش عینی	Ordeal
اشتہاری (مجرم)	Outlaw
دولت عامہ، اصول حکومت	Polity
قانون مفلسین	Poor Law
امداد مفلسین	Poor Relief
حقوق امتیازی	Privileges
نظام فرقی، نظام گروہ بندی	Party system
مخصوص حقوق شاہی	Prerogatives of the crown
طرز عمل	Policy

اصطلاح	Term
سیاسی نمائندگی	Political representation
عہد شبّانی	Pastoral stage
ابویت	Potriarchalism
پیداوار	Production
محافظ انساب	Pedigree keeper
پدر سری، ابوی	Patriuchel
سرپرست ولی	Pation-saint
سیاسی گروہ	Political Party
دولت	Power (country)
مالگزاری	Revenue
لگان	Rent
جمہوریہ	Republic
ردیف	Reserve (army)
بحالی	Restoration
حق تمتع	Right of user
معاشرت	Society
مملکت، ریاست	State
دولت	Power county
معاشری گروہ	Social group
زرعی غلام، سرف	Serf
مقتدر اعلیٰ	Supreme authority
سیاست داں مدبّر	Statesman
اجلاس، نشست	Session
خراج	Scatt, or tribute
معاشرتی عضویت	Social organism

Tradition	روایت	Serfdom	سرفیت
Tithe	عشر	Secular	دنیاوی
Trial by combat	فیصلہ بذریعۂ جنگ	Shire	صوبہ
Treasin	غداری	State Socialism	مملکتی اشتراکیت
Trade Union	اتحاد تجارتی	Sovereignty	اقتدار اعلیٰ
Universal suffiage	رائے دہی عامہ	Specialization of functions	تخصیص مناصب
Vote	رائے ۔ رائے دہی	Sheriff	ناظم صوبہ
Village community	جماعت دیہی	Socialism	اشتراکیت
Volunteer	رضاکار	Trelial organization	قبائلی تنظیم
Vassal	مستاجر	Totem	توتم
		Totemistic	توتمی
Zollverein	اتحاد محاصلی	Teutonic	تیوتانی

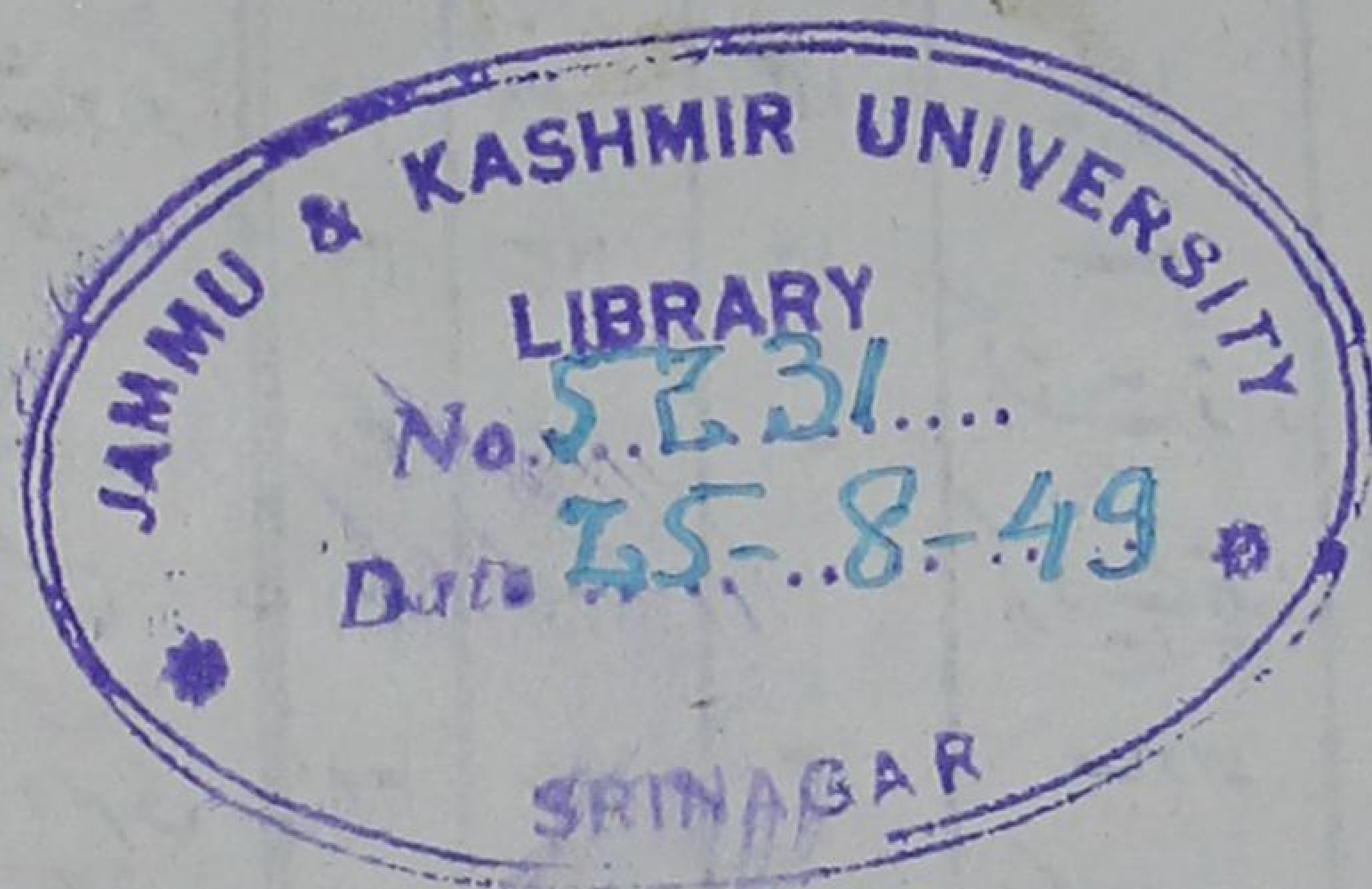
تمت



صحت نامہ تاریخ سیاسیات (جنکس)

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱۱	۹	ان	کہ ان	۲۰	۸۶	۹	Fendat	Fendal
۲	۱۵	۱۸	تمدن	متمدن	۲۱	۹۶	۲۰	Mauor	Manor
۳	؍؍	۲۲	؍؍	؍؍	۲۲	۹۸	۱۱	انھوں نے خاص	انھوں نے ان خاص
۴	۱۸	۴	با	یا	۲۳	۹۹	۱۳	عام طور	عام طور پر
۵	۳۵	۱۵	اثر بڑا	اثر پڑا	۲۴	۱۰۰	۲۳	کرنکلا	کر نکلا
۶	۲۶	۵	پرے	پڑے	۲۵	۱۰۷	۴	مجنت	محنت
۷	۲۹	۷	بڑی	بُری	۲۶	۱۰۸	۹	جس نے	جس نے یہ
۸	۳۶	۲	مقدار	حقدار	۲۷	۱۰۹	۵	بھگا	بنگاہ
۹	۴۸	۲۵	پیشہ	پیشہ والوں	۲۸	؍؍	۱۴	پورا	پیدا
۱۰	۵۳	۵	بتیج	منتج	۲۹	۱۱۳	۱۶	لے	نے
۱۱	۶۵	۲	شکارو	شکار اور	۳۰	۱۱۶	۷	گشت زار	کشت زار
۱۲	۶۷	۱۵	کرنا	کرتا	۳۱	۱۲۴	۳	کر دیتے ہیں	کر دینے میں
۱۳	۶۹	۴	دوسرے	دوسری	۳۲	۱۲۵	۱۳	سادہ	سادا
۱۴	۷۳	۱	ہوگئی	ہوگیا	۳۳	؍؍	۱۶	کلنت	لکنت
۱۵	۷۴	۱۱	معاشرو	معاشرہ	۳۴	۱۲۶	۱۰	کرینگے	کرینگے
۱۶	۷۹	۲۳	پلٹنا	ٹلنا	۳۵	۱۲۸	۸	کیتولک	کیتھولک
۱۷	۸۴	۲	!بائی معاشرہ	آبائی معاشرہ کا	۳۶	۱۳۰	۲	ھی	بھی
۱۸	۸۵	۱۴	yenawts	Tenants	۳۷	۱۳۲	۱۰	گستری	گستری کا
۱۹	؍؍	۱۸	گر	مگر	۳۸	۱۳۵	۳	تھا	تھا اور

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۹	۱۴۵	۲۱	ولے	وے	۴۵	۱۶۰	۱۸	آئیگا	آجائیگا
۴۰	۱۵۰	۱۳	ادنچیر	اونپر	۴۶	۱۶۳	۸	بجریات	تجربات
۴۱	۱۵۱	۶	نیشنشر	پنفشنر	۴۷	۱۶۶	۴	موضوفہ	موضوعہ
۴۲	۱۵۳	۱۲	بڑی اہم حقیقت	بڑی حقیقت	۴۸	؍؍	۵	سم	قسم
۴۳	۱۵۷	۳	ین	میں	۴۹	؍؍	۱۲	سوئیزرلینڈ	سوئٹزرلینڈ
۴۴	۱۵۹	۱	مقفنتہ	مقفنہ					




THE UNIVERSITY OF KASHMIR